فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرور

مرتبہ

سید سلیمان حسین

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات - ۳۳

رجب علی بیگ سرور

فسانۂ عجائب

مُرتّبہ

ڈاکٹر سید سلیمان حسین

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ

© اُتر پردیش اردو اکادمی

فسانۂ عجائب : سرور

مرتبہ ڈاکٹر سلیمان حسین

FASANA-E-AJAEB : SUROOR

EDITED BY : DR SYED SULAIMAN HUSAIN

طابع : نامی پریس لکھنؤ
ناشر : اُتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ
قیمت فی کاپی مجلد ۱۸ روپے
قیمت فی کاپی پیپر بیک ۱۶ روپے ۷۵ پیسے
پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

غلام حسین زیدی، سکریٹری، اُتر پردیش اردو اکادمی نے نامی پریس، خواجہ قطب الدین روڈ، لکھنؤ سے طبع کرا کے بلہرہ ہاؤس ۱۲۔ آر۔ کے۔ ٹنڈن روڈ، قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کی۔

دیباچہ

اُردو کی نئی تخلیقات کے ساتھ کلاسیکی سرمایے کی دوبارہ پیش کش بھی اترپردیش اردو اکاڈمی کے اشاعتی پروگرام میں شامل ہے۔ کئی اہم کتابیں اس سلسلے میں اکاڈمی کے زیرِ اہتمام شایع بھی ہو چکی ہیں۔ "فسانۂ عجائب" کا زیرِ نظر ایڈیشن اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اردو کے اہم ترین صاحبِ طرز انشا پردازوں میں رجب علی بیگ سرور کا نام بہت بلند مقام کا حامل ہے۔ یوں تو اور بھی کئی تصانیف اُن سے یادگار ہیں، جن کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن سرور کو بقائے دوام بخشنے کا سہرا "فسانۂ عجائب" کے ہی سر ہے۔ اس کتاب پر تنقیدی اور تحقیقی نوعیت کے متعدد کام منظرِ عام پر آ چکے ہیں، اس کے متن کو بھی ایڈٹ کیا جا چکا ہے لیکن ایک بھرپور اور صحیح ایڈیشن کی ضرورت ہنوز محسوس ہو رہی تھی۔

"فسانۂ عجائب" کا زیرِ نظر متن اکاڈمی کی فرمائش پر تفصیلی فرہنگ اور مبسوط مقدمے کے ساتھ ڈاکٹر سید سلیمان حسین، لکچرر، شعبۂ اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی نے ترتیب دیا ہے۔ اس ایڈیشن میں جدید املا کا لحاظ رکھا گیا ہے اور متن میں طلبہ کی سہولت کو خاص طور سے پیشِ نظر رکھتے ہوئے، جہاں جہاں ضرورت تھی اعراب لگا دیے گئے ہیں۔

امید ہے کہ اکادمی کی اس کوشش سے اردو طلبہ اور تحقیق و تنقیدی کام کرنے والے مستفید ہوں گے۔

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ　　　　غلام حسین زیدی
سکریٹری

ترتیب

۱۔ مقدمہ	۱۱
۲۔ فسانۂ عجائب (متن)	۳۹
۳۔ حواشی و تعلیقات	۳۶۷
۴۔ آثار و اماکن	۴۰۰
۵۔ فرہنگ	۴۱۰
۶۔ فہرست مآخذ	۴۶۹

والدِ مرحوم

سید بادشاہ حسین رضوی ایڈوکیٹ

کے نام

رفتید و لے نہ از دلِ ما!

پیش گفتار

اُردو میں تحقیقِ ادب کا سب سے اہم اور بُنیادی مسئلہ تحقیق و تصحیحِ متن کا ہے مگر افسوس ہے کہ اب تک اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تدوین کا کام نہایت خشک و بے کیف ہونے کے علاوہ سخت محنت اور عرق ریزی بھی چاہتا ہے۔ اس لیے عام طور پر لوگ اس غیر دل چسپ مگر اہم کام سے جی چُراتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اُردو فن پاروں کے عُمدہ اڈیشن جدید اُصولِ تدوین کے مطابق تیار کرا کے شایع کیے جائیں۔

فسانۂ عجائب کو ہمارے کلاسیکی ادب میں نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ لیکن آج کل اس کتاب کے جو ایڈیشن بازار میں ملتے ہیں وہ اغلاط سے پُر ہیں۔ اس لیے زیرِ نظر نسخے میں صحتِ متن کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے، نیز خط و املا کے اغلاط اور ناہمواریوں کو بالکل دُور کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ جن افراد پر حواشی لکھے گئے ہیں اُن میں بہت سی شخصیتیں ایسی ہیں جن پر طویل مقالے لکھے جا سکتے ہیں بلکہ لکھے بھی گئے ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے مقدمے، حواشی اور تعلیقات میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ آخر میں الفاظ و محاورات کی فرہنگ بھی دے دی گئی ہے۔ حوالوں کے سلسلے میں بالعموم مُستند و معتبر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں اُستادِ محترم جناب پروفیسر سید شبیہ الحسن صاحب نونہروی، صدرِ شعبۂ اُردو، لکھنؤ یونی ورسٹی، ڈاکٹر نورالحسن صاحب ہاشمی، صدر اُترپردیش اُردو اکاڈمی اور برادرِ محترم ڈاکٹر نیر مسعود رضوی صاحب نے اپنے مفید مشوروں سے سرفراز فرمایا۔ میں ان تینوں حضرات کا نہایت شکرگزار ہوں۔

سید سلیمان حسین

شعبۂ اُردو
لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

مُقدّمہ

اُردو میں نثرِ رنگیں کی گراں قدر کتاب فسانۂ عجائب کے مُصنّف مرزا رجب علی بیگ سُرورؔ لکھنوی کی زندگی کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے۔ اُن کے متعلق معلومات کے مصادر اُن کی اپنی کتابوں کے سببِ تالیف، خاتمے، خطوط اور تذکرے ہیں، جن کی مدد سے اُن کے بارے میں یہاں تفاصیل یکجا کیے جا رہے ہیں۔

مرزا رجب علی بیگ سُرورؔ کے والد کا نام مرزا اصغر علی بیگ[1] تھا اور وہ شرفائے لکھنؤ میں شمار ہوتے تھے۔ سُرورؔ کے سالِ پیدائش کا علم نہیں۔ اس سلسلے میں نوبت رائے نظرؔ لکھنوی کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ :-

"اُن کی [مرزا رجب علی بیگ سُرورؔ کی] وفات سے تھوڑے دنوں پیشتر جن لوگوں نے اُنھیں دیکھا تھا وہ اس وقت ان کی عمر اسّی سال سے متجاوز بتاتے ہیں[2]۔"

سُرورؔ کا انتقال ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اس لیے فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء کے دیباچے کا یہ جُملہ سُرورؔ کی پیدائش کا سال متعین کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے :-

"چالیس سال جہان کی دیکھ بھال کی، ایسا شہر، یہ لوگ نظر سے نہ گزرے۔"

اس جُملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سرورؔ کی عمر چالیس سال کی

---

[1] تلخیص تذکرۂ سراپا سُخن : مرتبۂ راقم الحروف

[2] مرزا سرورؔ مغفور : رسالہ ادیب، الہ آباد۔ بابت جون ۱۹۱۳ء

رہی ہوگی۔ لہٰذا اُن کا سالِ پیدائش ۱۲۰۰ھ / ۸۶-۱۷۸۵ء کے لگ بھگ ہونا چاہیئے۔

سُرُورؔ کے مولد کا بھی پتا نہیں چلتا، مگر یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت لکھنؤ کے علمی و ادبی ماحول میں ہوئی۔ سرورؔ کی تصنیف و تالیف کی ہوئی کتابوں سے اُن کے نکھرے ہوئے ادبی ذوق، وسیع مطالعے اور عمیق مشاہدے کا پتا چلتا ہے۔

سرورؔ نے خطاطی کو فن کی حیثیت سے حاصل کیا تھا[1]۔ علمِ موسیقی میں بھی اُنھیں خاصا دخل تھا اور بہ قول صاحب 'تاریخ ادب اُردو' اس سے علمی اور عملی دونوں طور پر بہ خوبی واقف تھے[2]۔ شاعری میں اُنھیں آغا نوازش حسین خاں نوازش لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا۔ لیکن سرورؔ کی انشا پردازی اور نثاری کی غیر معمولی شہرت نے اُنھیں شاعری کی طرف توجہ کا زیادہ موقع نہ دیا۔

سرورؔ نے فسانۂ عجائب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ

کان پور کا سفر اُنھیں ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / نومبر، دسمبر ۱۸۲۴ء میں بہ سلسلۂ "تلاشِ معاش" کان پور جانا پڑا۔ سُرورؔ کے الفاظ یہ ہیں:

"آخر الامر بہ مقتضائے عادتِ فلکِ تفرقہ پرداز، گردونِ عربدہ ساز نے تلاشِ معاش کے حیلے میں مفارقت کی صورت دکھائی — ربیع الثانی کے مہینے میں کہ سنہ ہجری — بارہ سے چالیس تھے۔ آنے کا اتفاق مجبور کردہ کان پور میں ہوا۔"

مگر کانپور کی آب و ہوا سُرورؔ کو موافق نہ آئی۔ اس لیے چند روز بعد ہی وہ بیمار پڑ گئے۔ چناں چہ کان پور سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بس کہ یہ بستی پوچ و لچر ہے، اشراف یہاں عنقا صفت ناپیدا ہیں اور جو ہوں گے، تو گوشہ نشین عزلت گزین۔ مگر چھوٹی اُمت

---

[1] تذکرۂ خوشنویساں: از احترام الدین شاغل:

[2] صفحہ ۲۱ حصہ نثر- از رام بابو سکسینہ:

کی بڑی کثرت دیکھی —

یہ طور جو نظر آیا، دل وحشت منزل سخت گھبرایا۔ کلیجا مُنھ کو آیا۔ قریب تھا جنون ہو جائے، تیرہ بختی سے روز سیاہ پیش آئے۔"

سُرورؔ نے کان پور میں حکیم سید اسد علی سے اپنا علاج کرایا۔ موصوف نے معالجے میں بڑی توجہ صرف کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختصر سی مدت میں سرورؔ کی "طبعِ سودا خیز اور سرِ جنوں انگیز" کو سکون و آرام حاصل ہوا۔ اُسی دوران میں ایک روز اُنھوں نے حکیم صاحب سے اپنا حال بیان کرنے کے بعد ایک کہانی لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حکیم صاحب نے یہ سُن کر اس کی پُرزور تائید کی اور یہ بھی کہا، "بے کار مباش کچھ کیا کر۔

میر ے — میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے

نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیئے"

چنانچہ موصوف کی تحریک پر سرورؔ نے چند ماہ کے اندر ہی اپنی کتاب "فسانۂ عجائب"[1] کو اُس کی ابتدائی شکل میں مرتب کر دیا، جس میں وہ آیندہ بھی ترمیم و اضافے کرتے رہے۔

سُرورؔ کے لکھنؤ میں دوبارہ قیام کا سلسلہ کب سے شروع ہوا، اس کا کسی کو علم نہیں۔ میرے نزدیک اُن کا لکھنؤ میں پھر سے آنا جانا قدسیہ محل (بسم اللہ خانم) کے ساتھ بادشاہ نصیر الدین حیدر کے عقدِ نکاح (۱۲۔ رجب ۱۲۴۷ھ / ۱۷۔ دسمبر ۱۸۳۱ء) کے بعد شروع ہوا ہوگا۔ کیونکہ قُدسیہ محل کے باپ مرزا حسین بیگ سُرورؔ کے بہت گہرے دوست تھے۔[2] لہٰذا اس تعلق کے

---

[1] فسانۂ عجائب:

[2] سُرور کو مرزا حسین بیگ سے نہایت عقیدت تھی۔ اپنی کتابوں میں سُرورؔ نے کئی جگہ اُن سے اُردو اور فارسی کے اشعار بھی منسوب کیے ہیں۔ گلزارِ سُرورؔ میں اُن کا ایک فقرہ یوں درج کیا ہے:

بقول مرزا حسین بیگ صاحب یادش بخیر کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴ پر)

بعد سُرور کے بیے بھی لکھنؤ میں کام یابی کے امکانات بہت بڑھ گئے تھے سُرور نے اپنی کتابوں میں نصیر الدین حیدر کے مختلف مشاغل اور اُن کے عہد کا ذکر جس والہانہ انداز میں کیا ہے اُس سے ہمارے اس خیال کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ یہ تمام واقعات اُن کو قدسیہ محل اور مرزا حسین بیگ کے ذریعے معلوم ہوئے ہوں گے. اور اُسی کے بعد اُنھیں اس بادشاہ کی ذات میں دل چسپی پیدا ہوئی ہوگی.

تیسری ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ / ۸. جولائی ۱۸۳۷ء کو نصیر الدین حیدر کو زہر دے کر ختم کر دیا گیا. اُس کے بعد اُن کے بیٹے مرزا فریدوں بخت عرف مُنّا جان تخت پر بٹھائے گئے. مگر انگریزوں نے اُن کو نصیر الدین حیدر کا بیٹا تسلیم نہیں کیا اور تخت نشینی کے دن ہی اُن کو معزول کر کے مرحوم بادشاہ کے ضعیف چچا نواب نصیر الدولہ محمد علی شاہ بہادر کو تخت پر بٹھایا. وہ بڑے منتظم آدمی تھے. اُنھوں نے انتظام سلطنت کو بہتر بنانے کی غرض سے عہدہ وزارت میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے کئی ردّ و بدل کیے. آخر ۲۴. جمادی الاوّل ۱۲۵۶ھ / ۲۵. جولائی ۱۸۴۰ء کو یہ عہدہ

(بقیہ حاشیہ، ص۱۲)

"بندھا خوب ارکھاتا ہے. کھلا دوڑ جاتا ہے." ص۴۴

انشائے سرور میں شامل ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا حسین بیگ کی مالی حیثیت بھی بہت اچھی تھی، اور وہ سُرور کے مالی مسائل کو بھی دُور کرتے رہتے تھے. اُن کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے سُرور لکھتے ہیں:

"پہلا ستم یہ ہوا کہ مرزا حسین بیگ صاحب مر گئے، فرقت کا پہاڑ سر پر دھر گئے. اُس دن سے آج تک زیر باری ہے. قرضدار ہے". (انشائے سرور، ص۱۰)

مرزا حسین بیگ کا مکان محلہ مفتی گنج لکھنؤ میں تھا. ۲۲. محرم ۱۲۸۲ھ / ۱۷. جون ۱۸۶۵ء کو اُن کا انتقال ہوا. (انشائے سرور، ص۸۳)

شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں کو تفویض ہوا۔ وہ سُرور کے حق میں فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے اس لیے کہ وزارت سنبھالنے کے بعد انھوں نے سُرور کو اپنی سرکار میں مُلازم رکھ لیا۔ وہ خود لکھتے ہیں :

" بندہ بھی خوش طالعی سے ملازمت کا شرف اندوز ہوا،
ہر شب، شبِ برات ہوئی، روز نوروز ہوا۔"[۱]

مُلازمت کے بعد سُرور کو جو ذہنی سکون ملا تو انھیں "فسانۂ عجائب" کے چھپوانے کا بھی خیال پیدا ہوا۔ لہٰذا انھوں نے اس کے مسودے پر نظر ڈالی اور جلد ہی اُسے مکمل کر کے اشاعت کے لیے پریس کو دے دیا۔ سُرور کا بیان ہے :

" اس کہانی کی بھی آبرو ہوئی، ہر ایک کو خواہش ہوئی جستجو ہوئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لکھتی نہ گئی چھپنے کی صلاح ٹھہری۔"[۲]

آخر امجد علی شاہ کے عہد میں ۹۔ جمادی الثانی ۱۲۵۹ھ / ۸۔ جولائی ۱۸۴۳ء کو پہلی بار فسانۂ عجائب چھپ کر شایع ہوا۔

محمد علی شاہ پانچ برس حکومت کر کے دنیا سے کُوچ کر گئے تھے اور اُن کے بیٹے امجد علی شاہ بہادر ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ / ۱۶ مئی ۱۸۴۲ء کو اودھ کے بادشاہ ہوئے تھے۔ وہ بڑے دین دار آدمی تھے اور انھیں شیعی عقائد میں بڑا غلو تھا۔ اُن کے زمانے میں سلطنت کا کاروبار زیادہ تر علما کے ہاتھ میں تھا۔ امجد علی شاہ نے بادشاہ ہونے کے تین ماہ بعد ۹ رجب ۱۲۵۸ھ / ۱۷ اگست ۱۸۴۲ء کو وزارت کا عہدہ امین الدولہ مولوی امداد حسین خاں کو عطا کیا۔ لیکن وہ سرور کے حق میں کچھ اچھے ثابت نہ ہوئے، اس لیے کہ اُنھوں نے جلد ہی سرور کو ملازمت سے الگ کر کے بے روزگار کر دیا۔ لیکن امجد علی شاہ کے عہد ہی میں " فسانۂ عجائب" کے کئی ایڈیشن لکھنؤ، دہلی اور

---

[۱] " فسانۂ عجائب" مطبع مصطفائی، لکھنؤ ۱۲۶۱ھ [نثرِ خاتمہ]

[۲] فسانۂ عجائب، مطبع مصطفائی، لکھنؤ۔ ۱۲۶۱ھ [نثرِ خاتمہ]

کلکتے سے شایع ہوئے جس کے باعث اُن کی نثاری کا شہرہ ہر طرف پھیل گیا۔

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد ۲۶ ر صفر ۱۲۶۳ھ / ۱۳ ر فروری ۱۸۴۷ء کو آخری تاج دار اودھ واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے دستورِ قدیم کے خلاف تمام سرکاری ملازمین کی برطرفی کے بجائے اُن کی بحالی کا فرمان جاری کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر سرورؔ کو بھی ملازمت کی تمنا ہوئی چناں چہ اس موقعے پر انھوں نے حسب ذیل قطعۂ تاریخِ جلوس نظم کیا۔

بہار جوش میں ہے اور نئی ہے کیفیت
سُرور سب کو ہے، کہتے ہیں متقی و رند
جو زیبِ تخت ہوا شب کو شاہِ نیک اختر
ہوا ہے سالِ جلوس اس لیے "چراغِ ہند" = ۱۲۶۳ھ

اسی کے ساتھ ایک عرض داشت بھی لکھی، جس میں ذہنی خلفشار اور اپنے ناسازگار حالات کے سبب سختیاں جھیلنے کا مختصر حال درج کیا اور اُسے اپنے محسن قطب الدولہ قطب علی خاں کے توسط سے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ واجد علی شاہ نے قطعۂ تاریخ کو بہت پسند کیا اور خلعت و انعام کے علاوہ انھیں زمرۂ ملازمین میں داخل کر کے پچاس روپے ماہ وار مشاہرہ مقرر کر دیا۔ سرورؔ رقم طراز ہیں:

"یاوریِ تقدیر سے تاریخِ جلوسِ میمنت مانوس پسند آئی، عرض داشت مُزیّن بہ دستخط فرمائی۔ زمرۂ ملازمین میں شمول ہوا۔ ترقی خواہِ قدیم کو جدید اعزاز حصول ہوا۔"[1]

آگے تحریر کرتے ہیں:

"تقدیر نے یاوری کی، قسمت لڑ گئی۔ چوکی خانہ میں حاضری کا حکم ملا۔ اکثر باریاب ہونے لگا۔ بارہا، جو حضرت نے نظم کیا اُس کی نثر لکھنے کا حکم دیا۔ مساعدتِ بخت سے

---

[1] "فسانۂ عبرت"، ص ۱۱۲

جو تحریر کیا، پسند ہوا۔ مزاجِ عالی خورسند ہوا۔[1]"

واجد علی شاہ بہادر کی توجہ اور عنایات سے سُرور کے دن انتہائی سُکون و اطمینان سے گزرنے لگے جس کا اُنھوں نے خود اعتراف کیا ہے:

"شب شب برات، ہر دم عیش و نشاط میں بسر ہوتی ہے۔ روز نوروز، ہر صُبح عید کی سحر ہوتی ہے۔[2]"

مُلازمت کے دوسرے سال یعنی ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء میں سرور کو بادشاہ کی طرف سے توکل بیگ حسینی کے خُلاصہ شاہنامہ فردوسی "شمشیر خانی" کا اُردو ترجمہ کرنے کا حکم ملا۔ سُرور نے صرف دو مہینے کی مختصر مدت میں یہ ترجمہ مکمل کر لیا اور اپنی کتاب کا "سُرورِ سُلطانی" نام رکھا۔[3] اُسی دوران سُرور کو "فسانۂ عجائب" پر نظرِ ثانی کرنے کا پھر موقع ملا۔ چناں چہ اُنھوں نے فسانۂ عجائب کے ایک ایک حرف پر تنقیدی نظر ڈال کے اُسے از سرِ نو تیار کیا۔ اسے مولوی محمد حسین نے مطبعِ محمدی، کان پور سے ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء میں نہایت اہتمام سے شایع کیا تھا۔

اُدھر کمپنی اور اُس کے ہوا خواہوں کی مُسلسل سازشوں اور ہر معاملے میں ریزیڈنٹ کی دخل اندازی، وزیرِ اعظم علی نقی خاں کی نا اہلی اور بادشاہ کی بے بسی کی وجہ سے انتظامِ مُلکی و مالی روز بہ روز ابتر ہوتا جا رہا تھا۔ چند سال کے اندر حالات یہاں تک بگڑے کہ ملازمانِ دولت اپنی تنخواہوں سے بھی محروم رہنے لگے۔ سُرور بھی ان واقعات سے متاثر ہوئے۔ آخر حالات سے مجبور ہو کر اُنھوں نے دوسرے قدر دانوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ چناں چہ واجد علی شاہ کی سلطنت کے آخری چند

---

[1] فسانۂ عبرت ص۶۷، ۷۷

[2] شگوفۂ محبت ص۸

[3] سُرور کی کتابوں کے تفاصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کا تحقیقی مقالہ "رجب علی بیگ سُرور: حیات اور کارنامے"۔

برسوں میں کچھ مدت کے لیے سندیلے کے ایک رئیس امجد علی خاں نے سرور کی کفالت کی، جن کی فرمائش پر اُنھوں نے مہر چند مہر کی داستان "نوآئینِ ہندی" کو "شگوفۂ محبت" کے نام سے لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد وہ گھر سے نکلے اور میرٹھ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ وہاں اُن کی ملاقات مرزا غالب سے ہوئی۔ اُسی زمانے میں سرور نے مہاراجا بنارس سے بھی راہ و رسم پیدا کی اور اُن کی خدمت میں آنے جانے لگے۔ چناں چہ وہ بنارس ہی میں تھے جب کہ انتزاعِ سلطنتِ اودھ [۲۹ جمادی الاول ۱۲۷۲ھ/۷ فروری ۱۸۵۶ء] کی خبر ملی۔ اپنے ایک دوست کو اس افسوس ناک واقعہ کی خبر دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دفعتاً عجب واردات ہوئی کہ خبر ویرانی و بربادیِ لکھنؤ کو بہ کو مشہور ہوئی۔ شیشۂ دل سنگِ حوادث سے چُور ہُوا۔ وہاں کا قیام نہ کسی طرح منظور ہُوا۔ ہر چند مہاراجا بہادر نے بڑی عنایت کی، کفالت کی راہ سے بہت کچھ رعایت کی۔ مگر دل و دماغ نہ رہا۔ غم سے فراغ نہ رہا۔ بہر کیف افتاں و خیزاں، اشک ریزاں لکھنؤ میں آیا۔ ایک عالم کو تہلکۂ عظیم میں مبتلا پایا۔ شہر میں سناٹا، چھوٹا بڑا آفت میں مُبتلا، ہر گلی کوچے میں انگریزی بند و بست، اپنے اپنے حال میں ہر ایک مست"[1]

معزولی کے بعد واجد علی شاہ نے اپنے تمام ملازمین کو برطرف کر دیا اور خود سلطنت کی واپسی کا مقدمہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کرنے کے ارادے سے ۵ رجب ۱۲۷۲ھ/ ۱۳ مارچ ۱۸۵۶ء کو کلکتے کے لیے روانہ ہوئے۔ سرور پر اُس حادثے کا بڑا اثر ہُوا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ "شگوفۂ محبت" کے آخر میں اُس حسرت ناک واقعے کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"بارہ سے بہتر [۱۲۷۲] سنِ ہجری اور مہینا شعبان کا ہے

---

[1] انشائے سرور: رقعہ ۱۴۱

مجمع پریشانیوں کے سامان کا ہے۔ یعنی سرِ آرائے اریکہ سلطنت، حامل رنج سفر غربت، بہ عزم لندن بے شہر میں چھوٹا بڑا ابتلائے مصیبت، تختہ مشق جور ومحن ہے۔ اس گلزار ہمیشہ بہار میں بہمن ودے کا سامان ہے۔ ایسا آباد ملک سنسان، ویران ہے۔ دیکھنے والوں کا جگر خون ہوتا ہے، وحشت برستی ہے، جنون ہوتا ہے۔[لہ]"

ہنگامۂ غدر نے سرورؔ کو ایک بار پھر غمِ روزگار میں مبتلا کر دیا۔ آمدنی کا کوئی وسیلہ نہ رہا۔ اتفاق سے اُس پریشانی کے زمانے میں مولوی محمد یعقوب انصاری[۲] کے توسط سے اُن کی رسائی منشی قربان علی سر رشتہ دار میجر کارنیگی تک ہو گئی جنھوں نے سرورؔ کی ہر طرح سے مالی امداد کی۔ اُسی سلسلے میں وہ منشی شیو نرائن لازم کمسریٹ سے بھی ملے۔ منشی شیو نرائن نے سرورؔ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیے اور اُن سے اُردو میں "الف لیلہ[۳]" کے لکھنے کی بھی فرمائش کی جسے سرورؔ نے بخوشی قبول کیا۔ لیکن ابھی وہ اُس کتاب کے صرف چھ سات جزہی لکھنے پائے تھے کہ منشی جی کا تبادلہ ہو گیا۔ اُس واقعے کے کچھ ہی دن بعد سید قربان علی[۴] غیر قانونی طور پر دولت جمع کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔ سرورؔ کے پُرانے ہم درد اور قدر دان امجد علی سندیلوی اور نواب شرف الدولہ بہادر پہلے ہی ہنگامۂ غدر میں کام آ چکے تھے۔ ان مخالف حالات نے سرورؔ کو بالکل مایوس کر دیا۔ اب لکھنؤ میں وہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار سا محسوس کرنے لگے۔ اُس پریشاں خاطری اور بے روزگاری میں اُنھیں اپنے عزیز شہر میں قیام بھی شاق گزرنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُنھیں لکھنا پڑا:-

" لکھنؤ میں دم گھبرانے لگا ــــــ شہر کاٹے کھلنے

لہ ایضاً

۲ تا ۴ "رجب علی بیگ سرورؔ۔ حیات اور کارنامے"۔ از ڈاکٹر سید نیر مسعود رضوی ص ۱۰۶-۱۰۵

لگا۔[۵]

لیکن اس مرتبہ سرور کو زیادہ دن مصیبت نہ جھیلنا پڑی۔
بنارس کو روانگی اس لیے کہ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ مہاراجا بنارس
ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر نے شقۂ خاص بھیج کر انھیں طلب کر لیا۔

سرور لکھنؤ سے ۱۶ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ / ۱۸ جون ۱۸۵۹ء کو روانہ ہوئے۔ کان پور اور الٰہ آباد ہوتے ہوئے یکم ذی الحجہ سنہ مذکور کو بنارس پہنچے۔[۶] مہاراجا نے اُن کی بڑی قدر دانی کی اور سو روپے ماہوار تنخواہ کے مقرر کر دیے۔ اب وہ یہاں نہایت عزت و احترام کے ساتھ رہنے لگے۔ لیکن بدقسمتی سے بنارس میں بھی اُن کو تنخواہ کی وصول یابی میں دشواری ہوتی جس کے باعث اکثر وہ پریشان رہتے۔

بنارس کے گیارہ سال کے قیام کے دوران سرور نے "شبستانِ سرور" اور "فسانۂ عبرت" کو مکمل کیا اور مہاراجا کی فرمائش سے "حدائق العشاق" کا ترجمہ "گلزارِ سرور" کے نام سے پیش کیا۔ جمادی الاول ۱۲۷۸ھ / نومبر ۱۸۶۱ء میں وہ مختصر عرصے کے لیے لکھنؤ آئے تھے۔ اسی دوران میں والیۂ بھوپال نواب سکندر جہاں بیگم کا بھی لکھنؤ آنا ہوگیا۔ موصوفہ کی فرمائش پر سرور نے ایک مختصر قصہ "شررِ عشق" کے عنوان سے تحریر کیا۔

۱۲۸۱ھ[۳] / ۱۸۶۴ء کے اوائل میں وہ کلکتے بھی گئے۔ جہاں کسی ڈاکٹر سے اپنی آنکھ کا علاج کرایا۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مایوس ہو کر بنارس چلے آئے۔

۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء کے اواخر میں اَلوَر کے راجا شیودان سنگھ[۴] نے

---

۵ "شبستانِ سرور" [سببِ تالیف]

۶ "رجب علی بیگ سرور حیات اور کارنامے" ص۱۰۱

۳ تذکرہ سخن شعرا از عبدالغفور نساخ ص۲۱۴

۴ انشائے سرور ص۱۷

سُرورؔ کو اپنی ریاست میں بُلانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پٹیالے کے راجا بھی اُن کے قدردان تھے۔ اُنھوں نے بنارس کے وقتی قیام کے دوران سُرورؔ کو طلائی کڑوں کی ایک جوڑی "تحفتاً" دی تھی۔[1]

لیکن اُسی زمانے میں ستم یہ ہوا کہ مہاراجا نے اُن کی ضعیفی اور بیماری کے باعث تنخواہ کے بجائے پچاس روپے ماہ وار پنشن مقرّر کر دی۔ ذریعۂ معاش کی اُس مسدُودی میں سُرورؔ کے ذمّے پندرہ سولہ آدمیوں کے خرچ کا بار تھا۔ ان حالات میں صحت کے ساتھ اُن کی مالی حالت بھی روز بہ روز سقیم ہوتی گئی اور اب وہ خاصے مقروض رہنے لگے۔ اپنی اُن پریشانیوں اور زندگی کے دوسرے مُشکلات کا ذکر بیٹے کے نام خطوں میں یوں کرتے ہیں:

"میرا حال سُنو — پریشانیوں کے باعث جو طبیعت ٹھہری تھی، پھر بگڑ گئی۔ اُلجھن اور گھبراہٹ ہونے لگی۔ ایک تو غلّے کی گرانی، پندرہ سولہ آدمیوں کا خرچ، دوسرے، تہی دستی کی پریشانی، قرض خواہوں کا تقاضا۔ یہ سب سامان خفقان کے ہیں۔ زیادہ تر فتور آنکھ کا ہے کہ غبار آجاتا ہے۔ اس وجہ سے بہت جی گھبراتا ہے۔

کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ کیسے ہو۔ ہر طرف سے لاوٗ لاوٗ ہے۔ لوگوں کی بے اعتنائی سے سینہ گداز ہے — اب سب اعضائے جسم جواب دینے جاتے ہیں۔ کسی دن کے نشیب و فراز میں کوچ ہو جائے گا۔"[2]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

"عرصے سے پیشاب میں ریت آتی ہے، اسی کی وجہ سے طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ دیکھیے انجام اس کا پروردگار کیا کرتا ہے۔

---

[1] انشائے سرورؔ ص۱۸
[2] انشائے سرورؔ رقعہ ۳۹

ضُعف کی یہ ترقّی ہے، چار قدم چلنے میں دم چڑھتا ہے — دمِ تحریر ہاتھ میں رعشہ ہوتا ہے۔ نظر کی یہ صورت ہے، لکھنے میں دِقّت ہے۔ جہاں سے قلم اُٹھایا، پھر وہاں نہ آیا۔"[1]

دوسرے خط میں رقم طراز ہیں:

"ہمارا حال قابلِ دید ہے، بلکہ دید ہے نہ شُنید ہے۔ جس قدر رنج و اَلم سے دُور بھاگتا ہوں، بے سبب اُس کا سامنا ہوتا ہے۔ تین چیزیں دنیا میں سخت تر ہیں، وہ یہاں موجود ہیں۔ ضعیفی میں تنہائی، غربت میں بیماری، مفلسی میں قرضداری۔ کیا کہوں، لکھ نہیں سکتا۔ بڑی مشقت سے یہ چند سطریں کھینچی ہیں۔"[2]

غرض کہ معاشی افکار، غریب الوطنی، مُسلسل بیماری اور دیگر مصائب نے سُرورؔ کی قوت و توانائی سَلب کرلی۔ آخرکار ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کے اوائل میں وہ دن بھی آپہنچا جب موت نے اُنھیں ہمیشہ کے لیے "قیدِ حیات و بندِ غم" سے نجات دلادی اور وہ رام نگر (بنارس) کے مشرق میں پنج بٹی کے مقام پر واقع قبرستان میں سپُردِ خاک کردیئے گئے۔[3]

---

[1] انشائے سرورؔ: رُقعہ ۱۲۰

[2] انشائے سرورؔ: رُقعہ ۱۲۷

[3] "مرزا رجب علی بیگ سرورؔ — دربارِ بنارس میں"۔ از تاج الدین اشعرؔ رام نگری۔ رسالہ نیا دور، بابت اکتوبر ۱۹۶۳ء

فسانۂ عجائب

سُرور کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ جس
فسانۂ عجائب کی تالیف نے اُن کے نام کو اُردو ادب کی تاریخ میں لافانی کر دیا، وہ "فسانۂ عجائب" ہے۔ سُرور اُس کی تالیف کا سبب یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ مگر سب کے سب "نیرنگیِ زمانۂ ناہنجار" کے باعث "دل گرفتہ" اور "اُداس" تھے۔ چناں چہ اُن میں سے ایک نے اُس وقت سُرور سے، دل بہلانے کے لیے، کوئی "قصّہ یا کہانی" سُنانے کی فرمائش کی۔ سُرور نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے "چند کلمے" بطورِ فسانہ اُن کے گوش گزار کیے جن کو سُن کر اُن کے دوست نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور سُرور کو انھیں قصّے کے طور پر "سہل و سادہ زبان" میں لکھنے کی ہدایت کی۔

لیکن ابھی کچھ ہی مدّت گزری تھی کہ سُرور کو ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / نومبر۔ دسمبر ۱۸۲۴ء میں بہ سلسلۂ "تلاشِ معاش" کان پور جانا پڑا" جہاں پہنچ کر وہ بیمار پڑ گئے۔ طبیعت جب بہ حال ہوئی تو اُنھوں نے اپنے معالج حکیم سیّد اسد علی سے ایک کہانی لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی موصوف نے پُر زور تائید کی۔ چناں چہ ابھی سنہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء تمام نہ ہونے پایا تھا کہ سُرور نے قصّے کو مکمّل کر لیا اور اس کا "فسانۂ عجائب" نام رکھا۔ نوازش لکھنوی کا مصرعِ تاریخِ تصنیف یہ ہے۔

فلک ایں "گلستانِ بے خزاں داد"

۱۲۴۰ ہجری

"فسانۂ عجائب" اگرچہ اپنی ابتدائی شکل میں ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء میں مکمّل ہو گیا تھا لیکن سُرور اُسے خوب سے خوب تر بنانے کی فکر میں عرصے تک لگے رہے۔ اور حک و اضافے کا یہ سلسلہ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء تک

جاری رہا۔ جب کہ منشی نول کشور نے اُس کا حقِ اشاعت حاصل کر کے سُرور کی زندگی میں "باتصویرات" شایع کیا۔ چناں چہ اس بار بار کی ترمیم و نظرِ ثانی پر اُن کے ادبی حریف سید فخر الدین حسین خاں سخن دہلوی اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"سُرور لکھنوی نے اٹھارہ مرتبہ فسانۂ عجائب کو دُرست کیا، جو فقرہ سُست پایا اُسے چُست کیا، مگر غلطی نظر نہ آئی، کئی مرتبہ کتاب چھپی مگر وہ بات نہ چھپی۔"[1]

"فسانۂ عجائب" غازی الدین حیدر بادشاہ کی حکومت کے آخری زمانے میں تصنیف ہونا شروع ہوا تھا۔ اُسی عہد میں اُنھوں نے لکھنؤ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور لکھنؤ ہمیشہ کے لیے دہلی کی حکومت سے آزاد ہو گیا۔ اس آزادی کے بعد لکھنؤ والوں کا احساسِ تفوق بھی بڑھ گیا اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں خود کو دہلی کے مُقابلے میں بہتر و برتر سمجھنے لگے چناں چہ ادب میں اس احساسِ برتری کا اظہار "فسانۂ عجائب" کے ذریعے اُس وقت منظرِ عام پر آیا جب کہ سُرور نے میر امّن دہلوی کا نام لے کر "قصۂ چہار درویش کی زبان پر سخت اعتراضات وارد کیے اور برملا یہ لکھا کہ میر امّن نے محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔ ان پر تو "اپنے منہ سے دھنّا بائی" کی مثل پوری اُترتی ہے۔

"اگرچہ اس ہیچ میرز کو یہ یارا نہیں کہ دعوائے اُردو زبان پر لائے، یا اس افسانے کو بہ نظر نثاری کسی کو سُنائے۔ اگر شاہجہاں آباد کہ مسکنِ اہلِ زبان، کبھی بیت السّلطنتِ ہندوستان تھا۔ وہاں چندے بود و باش کرتا، فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا مُقررِ دم بھرتا۔ جیسا میر امّن صاحب نے "قصۂ چار درویش" کا باغ و بہار نام رکھ کے خار کھایا ہے، بکھیڑا مچایا ہے، کہ ہم

---

[1] سروشِ سخن : ص۵

لوگوں کے دہن کے حصے میں یہ زبان آئی ہے۔ مگر یہ نسبت
مؤلّفِ اوّل عطا حسین خاں کے، سو جگہ منہ کی کھائی ہے]
لکھا تو ہے کہ ہم دلّی کے روڑے ہیں، پر محاوروں کے ہاتھ پاؤں
توڑے ہیں۔"

سُرور کی اس لعن طعن کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی والوں کو اُن سے اور "فسانۂ عجائب" سے ایک خلش سی پیدا ہو گئی۔ چناں چہ اس کے بعد لکھنؤ اور دہلی کے درمیان ایک طویل ادبی جنگ کا آغاز ہوا۔ دہلی والوں کی طرف سے غالب کے شاگرد سید فخر الدین حسین سُخن دہلوی نے مُقفّیٰ و مُسجّع نثر میں ایک داستان "سروشِ سُخن" کے عنوان سے لکھی اور اُس کے دیباچے میں سُرور کو بہت بُرا بھلا کہا۔ "سروشِ سُخن" کے جواب میں جعفر علی شیون لکھنوی نے "طلسمِ حیرت" لکھ کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ غرض کہ اُس ادبی جنگ کا انجام یہ ہوا کہ سُرور اور میر امّن دہلوی ایک دوسرے کے حریف قرار پائے اور "فسانۂ عجائب" کو لکھنؤ اور "باغ و بہار" کو دہلی کی نمائندہ نثر قرار دیا گیا۔

زبان و بیان

ہر دور کا ادب اپنے عصری رجحانات و میلانات کا عکاس ہوتا ہے۔ اس لیے اُس کے آئینے میں اُس عہد کے معیارِ افکار و اقدار کو بہ خوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ سُرور نے جب نثر نگاری کے میدان میں قدم رکھا تو اس وقت مُلک میں فارسی زبان کا بڑا چرچا تھا۔ مُراسلت کے علاوہ کتابیں بھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں اور ادبی حلقوں میں مُتاخرین انشا پردازانِ فارسی محمد طاہر وحید، علامہ ابو الفضل، عبد القادر بیدل اور نعمت خانِ عالی وغیرہ کا اُسلوبِ نگارش پسند کیا جاتا تھا جس میں اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ دلنشیں نیز تحریر کو رنگین بنانے اور نثاری کے کمالات دکھانے کے لیے عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب کی کثرت کے ساتھ ساتھ تشبیہ و استعارے، مُبالغے، قافیہ پیمائی، ایہام، مراعات النظیر، ترصیع، اور سجع کا بیش تر اہتمام ہوتا تھا۔

اُردو میں جب نثر نگاری کا آغاز ہوا تو اُس کی بنیاد بھی فارسی کی

آراستہ پیراستہ، ثقیل اور پُرتکلف عبارت پر رکھی گئی۔ چناں چہ مُلّا وجہی دکنی کی "سب رس" اور شمالی ہند میں فضلی کی "کربل کتھا"، سودا کا دیباچہ کُلیات موسوم بہ "سبیل ہدایت" میر محمد حسین عطا خاں تحسین کی "نو طرز مرصع" اور محمد بخش مہجور کی "نورتن" اسی اندازِ تحریر کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

اگرچہ یہاں اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "فسانۂ عجائب" (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کی تالیف سے قبل فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور اُس کے باہر کچھ لوگوں نے نثرِ سادہ کے نمونے پیش کیے تھے لیکن وہ اسلوب لکھنؤ میں پسند نہیں کیا گیا۔ اس لیے سادہ نثر کی کتابیں بھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی گئیں۔ چناں چہ ہنگامۂ غدر کے بہت بعد تک لکھنؤ میں مقفیٰ و مسجع نثر مقبول رہی اور اُسی کا سکہ چلتا رہا۔

"فسانۂ عجائب" کا اُسلوب دقیق، رنگین اور عبارت پُرتکلف اور مُرصّع ہے۔ اس طرزِ خاص میں حشو و زوائد، تعقید، خشکی اور ثقالتِ بیان سے بچنا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن سرور کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے رسمی قیود کی پابندی کے باوجود نہ تو تازگی اور شگفتگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے اور نہ اپنی تحریر کو "گنجینۂ معنی کا طلسم" ہی بننے دیا ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے سرور کے اسلوبِ نگارش سے بحث کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے۔

"سرور کا کمال اور اُن کے فن کی کامیابی یہ ہے کہ مروّجہ پابندیوں کے باوجود، اُن کی عبارت میں ایسی بے ساختگی اور شگفتگی باقی ہے کہ عبارت میں اُلجھن پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک اپنے رنگ کی کتابوں میں "فسانۂ عجائب" کو جو امتیاز حاصل ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُس کی عبارت میں تصنّع اور تکلّف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دل کشی ہے کہ آدمی کو اُس کے پڑھنے میں اُلجھن نہیں ہوتی اور زیادہ تر جگہوں پر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کسی خاص کوشش سے لکھی گئی ہے"[1]

---

[1] تعبیر، تشریح، تنقید: [مجموعۂ مضامین] مضمون "فسانۂ عجائب"

"فسانۂ عجائب" کی زبان کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا تو دقیق و رنگین اور دوسرا آسان جس میں سُرور اپنے عہد کی نہایت فصیح، شگفتہ اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ دقیق رنگین زبان عموماً نئے بیان کی تمہید اور ابتدا، صُبح و شام کی کیفیت یا کسی کی تعریف و توصیف کے موقع پر ملتی ہے جہاں وہ نئے نئے استعارے اور تشبیہیں صرف کرکے عبارت آرائی اور انشاپرداز کے جوہر دکھاتے ہیں: چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"آشنایانِ بحرِ تقریر، غوّاصانِ محیطِ تحریر، شناورانِ شطِ اُلفت، غریقِ لُجۂ محبت نے گوہرِ آب دارِ سُخن کو سلکِ گفتار میں آراستہ کرکے زیبِ گوشِ سامعانِ سُخن شنو، ذی ہوش اس طرح کیا ہے۔"

"گرہ کُشایانِ سلسلۂ سُخن و تازہ کُنندگانِ فسانۂ کُہن یعنی محرّرانِ رنگین تحریر و مورّخانِ جادو تقریر نے اشہبِ جہندۂ قلم کو میدانِ وسیع بیان میں بر کرشمۂ سحر ساز و لطیفہ ہائے حیرت پرداز، گرم عناں و جولاں یوں کیا ہے کہ سرزمینِ ختن میں ایک شہر تھا مینو سواد، بہشت نژاد، پسندِ خاطرِ محبوبانِ جہاں، قابلِ بود و باشِ خوبانِ زماں، شمیم صفت اُس کی مُعطّر کُنِ دماغِ جاں، مُسکّنِ التہابِ قلبِ دافعِ خفقان، زمین اُس کی رشکِ چرخِ بریں، رفعت و شان چشمک زنِ بلندیِ فلکِ ہفتمیں، گلی کوچہ خجلت دہِ گلشن، آبادیِ گلزار، بسانِ تختۂ چمن۔"

"ایک جوان رشکِ مہ پیرِ کنعاں رعنا، سروِ قامت، سہی بالا، بحرِ حُسن و خوبی کا دُرِّ یکتا، کاسۂ سر سے فرِّ شاہی نمایاں، بادۂ حُسن دل فریب سے مخمور ہے، خمِ ابرو، محرابِ حسیناں، سجدہ گاہِ پردہ نشیناں۔ چشمِ غزالی سُرمہ آگیں ہے۔ آہوئے رم دیدہ کُشتۂ چشم ہے

چتون سے رمیدگی پیدا ہے۔ مست مئے محبت ہے۔ مژہ نکیلی اُس کمان ابرو کی، دل میں دوسار ہونے کو لیس ہے، رشکِ لیلیٰ، غیرتِ قیس ہے۔ ناوکِ نگاہ سے سپرِ چرخ تک پناہ نہیں دل دوز بے گناہوں کی، اُس کی ملت میں، گناہ نہیں۔ لوحِ پیشانی تختۂ سیمیں یا مطلعِ نور ہے یا طباشیرِ صبح یا شمعِ طور ہے۔ کاکلِ مشکیں سے زلفِ سنبل کو پریشانی ہے۔ بو باس سے ختن والوں کو حیرانی ہے۔"

زبان و بیان کا یہ پرتکلف اور صناعانہ انداز پورے "فسانۂ عجائب" میں یکساں نہیں ملتا۔ جیسے جیسے داستان آگے بڑھتی ہے، صرف قافیے کی قید رہ جاتی ہے۔ تصنع و تکلف کم ہو کر زبان نسبتاً سادہ، عام فہم، با محاورہ اور چست ہو جاتی ہے اور زبان و اندازِ بیان سے پورے طور پر لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ صحرائے ہمیشہ بہار میں جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو:

"چلّے کے جاڑے، کڑاکے کی سردی تھی، گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھری تھی۔ پرند، چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جمے بیٹھے، بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے۔ دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے۔ تصدیعے تھرتھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا۔ دمِ تقریر ہر شخص کے منہ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی۔ منہ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی۔ مارِ سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا۔ سردی کے باعث دُمِ دبا کے بانبی میں دبکا جاتا تھا۔ زمانے کے کاروبار میں خلل تھا۔ جس کو دیکھا دست در بغل تھا۔ اشکِ شمعِ انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا، پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹٹولا تھا ــــــ!"

مقفّیٰ و مسجّع نثر میں قافیے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نثار اور قاری دونوں کو نفسِ مضمون سے زیادہ آنے والے قافیہ کی تلاش رہتی ہے

"فسانۂ عجائب" میں [چند مقامات سے قطع نظر جہاں قافیے کی پابندی کی وجہ سے جملوں کی ساخت کو توڑ مروڑ کے پیش کرنا پڑا ہے] عموماً قافیے کا بڑا فن کارانہ اور چست استعمال ملتا ہے۔ بعض فقروں میں تو قافیہ ردیف سے ایسا چسپاں ہوا ہے کہ نثر میں نظم کا سا لطف آگیا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

کیا خوب بھُٹے بھر بھرے ہیں؛ چپٹے، پرمل اور مرمرے ہیں۔

ہر دم لب پر آہِ سرد ہے۔ ایک دل اور ہزار طرح کا درد ہے۔

رنگِ چمن صرفِ خزاں دیکھا۔ ڈھلا ہوا حسنِ گل رخاں دیکھا۔

باغ ویران، گل بوٹا خار معلوم ہوتا ہے + گھر زندان، بات کرنا بے کار معلوم ہوتا ہے۔

اس لڑائی کا قصہ فسانہ ہو جائے گا + امروز فردا یہ مسافر روانہ ہو جائے گا۔

جلوۂ حسنِ بتاں بہ خدا شیفتگی کا بہانہ ہے۔ نالۂ بلبلِ شیدا گوشِ گلِ رعنا کا ترانہ ہے۔

وصل میں گو مزا ہے۔ ہجر کا رنج دے جاں گزا ہے۔

سرور نے "فسانۂ عجائب" میں اپنے عہد کی نہایت فصیح و بامحاورہ زبان استعمال کی ہے۔ وہ ناسخ کی اصلاحِ زبان کی تحریک سے بھی متاثر معلوم ہوتے ہیں پھر بھی ادائے مطلب کے لیے وہ ایسے الفاظ و محاورات لکھ گئے ہیں جن کو اُن کے عہد میں متروک قرار دے دیا گیا تھا۔ اُن میں سے کچھ کی ذیل میں نشان دہی کی جا رہی ہے :-

زور :- (عجیب اور شخص عجیب، خوب): "زور چیز ہو، کتنے بے تمیز ہو۔"
"زور رقم طُرفہ تُوم تھی۔"

رنڈی (عورت): "رنڈی مرد دوسرے تیگر سے پر۔"
"نادان سے نادان رنڈی کی بات کا دھیان نہیں کرتا۔"

بتنگ (تنگ): "آخر کار جی بتنگ ہوا۔"

بھیانک (گھبرا کر، پریشان ہو کر): "خواصوں نے بہت بھیانک ہو کے کہا۔"

شپچک (متفکر ہونا): "وہ شپچک کے بولا، جہاں تم کہو۔"

کڈھب (بے ڈھب، بے موقع): "گھاٹ کڈھب تھا۔"

بسان (مثل، مانند): "باپ ویسا، بیٹا ایسا خوب، محبت میں بسانِ یوسف ویعقوب۔"

ڈھب ڈھبانا (پانی میں ہاتھ پاؤں مارنا): "مگر کچھ ڈھب ڈھیانے کا ڈھب تھا۔"

نوک چوک (نوک جھونک): "کوئی فقرہ نوک چوک رمز و کنایہ ذو معنی سے خالی۔"

ناپیدا۔(ناپید): "معشوق بادشا عنقا کی طرح ناپیدا ہے۔"

سدا (ہمیشہ): "ہم تو سدا کے بیکار رہے تھے۔"
"اس صدا سے جو سدا کے بہا در پھے۔"

خوانخواہ (خواہ مخواہ): "یہ کٹنی جلی ڈاہ بغض عداوت خوانخواہ ہر دم کج بحثی۔"

نمط (مثل، طرح): "شبنم نمط اشک رواں۔"

گون (موقع، مطلب): "کوئی تیرا دل بہلانے کی گون نہیں۔"

ذرہ (ذرا): "سامان ان کا ذرہ نہ چھوٹا۔"

شراکت (شرکت): "تا اُس کی شراکت میں اُسے رنج سے نجات ملے۔"

جیوں جیوں (جوں جوں، جیسے جیسے): "غرض کہ جیوں جیوں شہزادی کی مُفارقت رہتی۔"

سبھوں (سب): "تم سبھوں کی شامت آئی ہے۔"

اٹکر لیس (بے قرینہ، بیہودہ): "تیر دُعا اٹکر لیس نہ گیا۔"

ہم بستری (ساتھ بیٹھنا): "خاک نشینوں کی ہم بستری اختیار کرو۔"

برجا (بہ جا): "ہوش برجا نہ آتا تھا۔"

لیک (لیکن): ع گلچیں کی بھی نیند اُڑ گئی لیک سرور۔

جُھمکڑا (خوبصورتی، جلوہ، پھبن): "حور نے یہ حُسن کا جُھمکڑا پایا نہیں۔"

جُھٹ پٹا وقت (دونوں وقت ملنے کا ہنگام): آغا حجو شرف لکھنوی ؎

جُھٹ پُٹا وقت ہے، بہتا ہوا دریا ٹھہرا
صُبح سے شام ہوئی، دل نہ ہمارا ٹھہرا

سُرور نے اسے صُبح کاذب کے معنوں میں لکھا ہے۔

"جُھٹ پُٹا وقت، تڑکا تڑکا۔"

"جُھٹ پٹے وقت جانِ عالم نے سواری طلب کی، ہرکاروں نے بادشاہ کو خبر دی کہ دفعتاً روشنی نمود ہوئی۔"

دہلوی محاورے:

دن دہیے (دن دہاڑے):

خواجہ وزیر لکھنوی: لوٹا ہے دن دہاڑے یہ اندھیر ہو گیا

سُرور: "دن دہیے لٹ گیا عشق کا بیوپاری۔"

پرے پرے (دور، دور):

"لاکھ سواروں کے پرے، ہاتھیوں سے پرے پرے۔"

برس دن (سال بھر): "برس دن میں حُضور کو مجھ غم گین سے یہ محبت ہو گئی۔"

اُردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض الفاظ کے بارے میں آج تک یہ طے نہیں ہو سکا کہ وہ مذکر ہیں یا مونث۔ سُرور کو اس باب میں بڑا مُستند و معتبر سمجھا جاتا تھا۔ چناں چہ اسی خیال سے غالب دہلوی نے اپنے ایک شاگرد میاں داد خاں سیاح کو صلاح دی تھی کہ وہ تذکیر و تانیث کے مسئلے

میں سرورؔ سے مشورہ کر لیا کریں۔[1] سرورؔ نے تذکیر و تانیث میں خود اجتہاد سے کام لیا ہے اور اپنے عہد کے مستند اساتذہ تک سے بعض الفاظ میں اختلاف کیا ہے۔
مثلاً شیخ ناسخؔ کے نزدیک بُلبُل مذکر ہے ع

بُلبُل ہوں بُوستانِ جنابِ امیر کا

جب کہ سرورؔ نے اُسے مؤنث لکھا ہے۔
"خزاں چمن سے دور ہوئی، بُلبُلِ نالاں مسرور ہوئی۔"

؎ نظر پڑا چمنِ دہر میں جو ہم کو مکاں

ہزار خوار ہوئی دیکھی بُلبُلِ نالاں

وعظ: حضرت جلالؔ لکھنوی نے اس لفظ کو مؤنث لکھا ہے۔ مرزا دبیرؔ کے نزدیک بھی یہ مؤنث ہے ع

اور وعظ بھی موقوف کی محبوبِ خُدا نے

سُرورؔ مذکر لکھتے ہیں: "کہیں کتھا ہوتی، کوئی وعظ کہہ رہا۔"

خلش: یہ لفظ متفقہ طور پر مؤنث تسلیم کیا گیا ہے مگر سُرورؔ نے مذکر لکھا ہے۔

ع جان دی ہم نے مٹایا ہے خلش ہجراں کا

نشو و نما: ناسخؔ نے اس لفظ کو مذکر لکھا ہے ؎

خط کو روئے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں

سبزۂ بیگانہ، گُل سے آشنا ہوتا نہیں

لیکن سرورؔ کے نزدیک یہ لفظ مؤنث ہے:
"بُوٹے پتے کی نشو و نما، سرد سرد ہُوا۔"

اُوٹ: رشکؔ لکھنوی (شاگردِ ناسخؔ) نے ایک مصرعے میں اُوٹ مذکر باندھا ہے ع

پھر یہ کس سے شرم کا پردہ، حیا کا اُوٹ ہے

---

[1] "اُردوئے معلیٰ" حصہ ۲ صفحہ ۳۱

تاہم سُرورؔ نے اُوٹ کو مؤنث لکھا ہے:

"کھاروے کا لنگوٹ، سترِ عورتین کی اُوٹ۔"

تمام مُلکوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں، بہ جُز اُن کے، جن کے آخر میں یائے معروف ہے۔ لیکن سُرورؔ نے کشمیر کو مؤنث لکھا ہے: "گلخن کی بُرودت سے کشمیر گرد تھی۔"

مؤنث کے لیے علامتِ مصدری میں تبدیلی عہدِ ناسخ تک جائز سمجھی جاتی تھی لیکن اُن کے شاگردوں نے اُسے ناجائز قرار دے دیا۔ (یعنی کرنا، ہونا کی جگہ کرنی، ہونی) "فسانۂ عجائب" میں سُرورؔ نے اسی صورت کو قائم رکھا ہے:

"دفعتاً خبر بد سُنانی نہ تھی"

"صورتِ نحس لوگوں کو دکھانی کیا ضرور تھی۔"

"آفت اُس کی جان پر، جان کے لانی نہ تھی۔"

"فسانۂ عجائب" میں سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں کے ساتھ اسم واحد بہ طور اسم جمع کے فعلِ واحد کے ساتھ کثرت سے ملتا ہے۔

"ہزارہا اژدرِ شعلہ فشاں پیدا ہُوا۔"

"چار پانچ سے عورت پری زاد، حور رشک۔"

"سو سو جہاز اُس کا ایک ایک بار تجارت کو جاتا تھا۔"

"ہزارہا سقّہ خواجہ خضر کا دم بھرتا ___ چھڑکاؤ کرتا۔"

"ہزارہا زن و مرد کنارے کنارے نالاں گریاں چلا آتا تھا۔"

سُرورؔ نے فسانۂ عجائب میں ہندی اور انگریزی کے بہت سے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ہندی الفاظ سے قطعِ نظر انگریزی کے دخیل الفاظ پیش کیے جاتے ہیں۔

فرامشن (FREE MASON)

"اسلام اب کہاں ہے عاصی فرامشن ہے۔"

توس (TOAST):

"کہتا ہوں، چکھیے! یہ دلِ بریاں کا توُس ہے۔"

لنڈن (LONDON): "کافر فرنگ غارت گرِ لنڈن۔"

گلاس (GLASS): "ملکۂ مہر نگار نے گلاس شراب سے لب ریز کر کے جانِ عالم کو دیا۔"

کنٹر (DECANTER): "کنٹروں میں عطرِ سُہاگ۔"

گلڈ ائک (BULL DOG): "ولایتی کتے بودار گلڈائک۔"

لالٹین (LANTERN): "دو ہزار لالٹین والے۔"

رُفل (RIFLE): "رُفل چقماق توڑے دار۔"

پلٹنیں (PLATOONS): "پلٹنیں آگے بڑھیں۔"

"پلٹنیں آئیں سجی سجائیں۔"

لینیں (LINES): "چھاونی کے طور لینیں بنیں۔"

عربی الفاظ کی جمع الجمع:-

"تم اُمورات محل میں مستعد رہو۔"

"سب اُمورات سلطنت بہ مشورہ۔"

عربی کی جمع کو بہ طور واحد بھی استعمال کیا ہے۔

"داروغہ کو احکام ہوا۔"

"اِنعام ہر اَقسام کا۔"

"کوئی بڑا اشجار۔"

مجِوّز: بمعنی مُصر یا اصرار کرنے والا۔ عربی کے اعتبار سے غلط اور اُردو میں بھی اجنبی:

"یہ سُن کر وہ اور مجِوّز ہوئی۔"

بعض عربی اسما کی جمع فارسی کے طریقے پر "ان" بڑھا کر اردو میں رائج

کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً عزیز وانیس سے عزیز ان وانیسان وغیرہ
برج موہن دتاتریہ کیفی نے لفظ "برسوں" کے بارے میں لکھا ہے کہ
آج کل تو نہیں، لیکن ناسخ کے زمانے میں لکھنؤ کے شعرا مدتوں اور برسوں
کی جگہ سالہا لکھا کرتے تھے۔[1] کیفی کا یہ بیان صحیح نہیں، کیوں کہ سرور نے
فسانۂ عجائب میں یہ لفظ استعمال کیا ہے:

"برسوں یہ فسانہ کساد بازاری زمانہ سے تہہ رہا۔"

جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے لفظ "اڑواڑ" کے بارے میں لکھا ہے
کہ یہ لکھنؤ کی زبان نہیں۔[2] لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ فسانۂ عجائب
میں یہ لفظ موجود ہے۔

"کھڑی ہو تو سقف فلک کی اڑواڑ ہو۔"

"فسانۂ عجائب" کے بعض دوسرے الفاظ بھی ہمیں اپنی طرف متوجہ
کرتے ہیں جیسے مقرر بہ معنی ضرور:

"ملکہ سمجھی یہ مقرر شہزادۂ عالی تبار ہے۔"

"بے قراری میں اس پر قرار آیا کہ مقرر یہ ہمارا عاشق صادق ہے۔"

"سبحان اللہ مقرر یہ سحر کا کارخانہ ہے۔"

لفظ "مجرا" سلام، کورنش اور ناچ رنگ دونوں معنوں میں لکھا ہے۔
مرتبہ: مقدار کے اظہار کے لیے۔

"مگر یہاں بہ مرتبہ نگہ بانی ہوتی تھی۔"

لفظ "کرکر" کی تکرار خواجہ امان دہلوی نے "حدائق الانظار" (ترجمہ
بوستانِ خیال) میں سرور پر تعریض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اہلِ دہلی" "کرکر" نہیں
لکھتے۔ لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ اس لیے کہ "اہلِ دہلی" کے یہاں جن میں میر امن
اور سر سید سے لے کر غالب اور امام بخش صہبائی تک شامل ہیں، یہ تکرار موجود

---

[1] منشورات ص ۲۰۷ [2] فرہنگ اثر ص ۱۴۳

ہے۔ تاہم سُرورؔ نے فسانۂ عجائب کے زیرِ نظر نسخے میں اس تکرار سے بچنے کی کام یاب کوشش کی ہے۔

عربی و فارسی الفاظ کے درمیان واوِ عاطفہ کا استعمال بھی کم کیا ہے۔

عربی و فارسی کے حروفِ روابط، جارہ و استثنا جیسے اِلاّ، بہ اور در وغیرہ کا جا بہ جا استعمال ملتا ہے۔

"الاّ جانی! ہمارا کہنا آرسی مصحف میں نظر پڑے گا۔"

"الاّ آپ کو خالق نے بادشاہ کیا ہے۔"

"الاّ کہنا منع ہے۔" "اِلاّ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔"

"ہر صبح با خاطرِ شگفتہ، مثلِ نکہتِ گُل کوچ، ہر شام بسانِ فصلِ بہار بہ آسائشِ مقام، روز و شب بہ راحت و آرام رو بہ راہ ہوئے۔"

"دیوِ سفید نے بہ جلدیِ تمام اُس نطفۂ حرام کا ہاتھ پکڑا۔"

"آخر کار بہ مشورۂ ملازمانِ قدیم و بہ تحریکِ حکما و ندیم۔"

"بمجرد (جیسے ہی، جس وقت) نگاہِ دل سے آہ کی۔"

"بمنزلۂ آیت و حدیث ہو جاتا ہے۔"

"دروازے چار ہیں، بُرج گنے نہیں جاتے ہزار در ہزار ہیں۔"

"تاجِ مُرصّع کج سر پر، لباسِ شاہانہ در بر۔"

فسانۂ عجائب میں بعض ایسے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو عربی و فارسی کے قیاس پر وضع کر لیے گئے ہیں، مگر اُصولاً وہ غلط ہیں۔ جیسے نمازت۔ آخرش۔ مُلتہب۔ امرائیت۔

متعدد الفاظ اُسی طرح لکھے ہیں جس طرح عام بول چال میں رائج تھے۔ جیسے خوانخواہ۔ ٹھنڈھا۔ رستا۔ چدّر۔ ڈانماڈول۔ آپی (آپ ہی) شابش۔ بچارہ (بعض جگہ بے چارہ بھی ملتا ہے۔)

بعض مقامات پر ضعفِ تالیف یعنی فصحا کے محاورے کے خلاف لفظ

کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے گالی گلوج (گالم گلوج)، بوڑھے بڑوں (بڈھے بوڑھوں) پانچ چار دن سے (چار پانچ دن سے) پیسا روپیا ہاتھ کا میل ہے (روپیا پیسا.....)۔

کہیں کہیں ضمیر، فعل، یا حرف کو ایسی تقدیم و تاخیر سے استعمال کیا ہے جو روزمرۂ اہلِ زبان کے خلاف ہے۔ مثلاً عطر کی روئی رکھی کان میں، پھر جا بیٹھا کسی اقبو فی کی دکان میں:

"روز باغ کے روبرو میلا ہوتا تھا۔ کسی وقت شہزادہ نہ اکیلا ہوتا تھا۔"

"بندر نے صاف آواز ملکہ کی پہچانی۔"

شُتر گُربہ: "اب آپ سے کیا کیا دار و مدار کیا۔ جو تم اتنی تسکین نہ کرتے۔"

"میں تمھیں اپنا عاشق کبھی نہ سمجھوں گا۔ نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھوں گا۔"

"غریب نواز زبانِ مبارک سے اتنا فرماؤ کہ آج سچا کون ہوا۔ آپ کے باعث جانِ عالم کے ہاتھ یہ لوگ مہر جبیں و ماہ سیما آئے۔"

"فسانۂ عجائب" کا زیرِ نظر متن دو مطبوعہ نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ اصل متن اُس نسخے پر مبنی ہے جو مطبع نول کشور، لکھنؤ سے ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں چھپ کر شایع ہوا تھا۔ اس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ مصنف کی زندگی کا آخری "نظر یافتہ" نسخہ ہے۔ منشی نول کشور نے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں سرور سے "فسانۂ عجائب" کا حقِ تالیف خرید کر رجسٹری کرا لیا تھا۔ اور سال بھر بعد اپنے پریس سے بڑے اہتمام سے خوش خط اور مصوّر شایع کرایا تھا۔ تعدادِ صفحات ۱۷۸ ہے۔ تصحیح کا کام شیخ فدا علی عرف اچھے صاحب عیش (مصنف "گل گشتِ عیش") نے انجام دیا تھا۔ پھر بھی اُس میں املے کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ کہیں کہیں الفاظ بھی چھوٹ گئے ہیں جنھیں بعض دوسرے مستند نسخوں کی مدد سے درست کر دیا گیا ہے۔

دوسرا نُسخہ وہ ہے جو مولوی محمد حُسین کی سعی سے ۲۲ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ / ۲۴ فروری ۱۸۵۱ء کو مطبع محمدی، کان پور سے چھپ کر شایع ہُوا تھا۔ اس اڈیشن کے خاتمۃ الطبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشر نے سُرورؔ سے پوری کتاب پر نظرِ ثانی کرنے کو کہا تھا جسے اُنھوں نے بہ خوشی قبول کیا اور "کوششِ عظیم سے ملاحظہ کر کے" تیار کیا تھا۔ یہ نُسخہ اُس وقت کی یادگار ہے جب کہ سُرورؔ واجد علی شاہ کے مُلازم تھے اور اُن کی توجّہ اور عنایات سے بڑے سُکون کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے دیباچے میں لکھنؤ کے جن باکمال افراد کے ناموں کا اضافہ ملتا ہے، وہ یہ ہیں۔ مولوی مخدوم۔ میرن صاحب مجتہد۔ میر سیّد محمد۔ مرزا نظر علی اور صاحبِ قرطز مرصّع میر محمد حسین عطا خاں تحسینؔ۔ اس نُسخے میں بہ کثرت تبدیلیاں (اصلاحیں) کی گئی ہیں، جن کی بدولت یہ ایک بالکل نیا نُسخہ معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نُسخے کے وہ تمام اضافے جو نول کشوری اڈیشن کی عبارت سے مربوط ہو سکے اور جن سے تسلسُلِ بیان میں کوئی فرق نہیں آیا، اُنھیں زیرِ نظر متن میں بریکٹ [ ] کے اندر جگہ دی گئی ہے۔ اس طرح "فسانۂ عجائب" کے زیرِ نظر نُسخے کو اب ایک سُرورؔ ہی کے اضافہ کیے ہوئے اڈیشن کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

فسانۂ عجائب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ؕ [1]

سزاوارِ حمد و ثنا، خالقِ ارض و سما، جلّ و علیٰ صانعِ بے چون و چِرا ہے۔ جس نے رنگِ بے ثباتی سے بہ ایں رنگا رنگی، تختۂ چمنِ دنیا پُر از لالہ و گُل جز و کل بنایا، اور باوجود ترسِ باغباں و بیمِ صیاد، دلدادۂ رُخِ گُل، بُلبُل کو دے کر دامِ محبت میں پھنسایا، اور عاشقِ باوفا، معشوقِ پُر دغا، کو ایک آب و گِل سے خمیر کر کے پردۂ غیب سے بہ عرصۂ شہود لایا، ایک خلقت سے دو طرح کا جلوہ دکھایا، اور انسانِ ضعیف بُنیان کو اشرف المخلوقات فرمایا۔ جلوۂ حُسنِ بُتاں بہر خدا شیفتگی کا بہانہ ہے، نالۂ بُلبُلِ شیدا گوشِ گُلِ رعنا کا ترانہ ہے۔ اُس کی نیرنگیوں کے مشہور فسانے ہیں، ہم اُس کی قدرتِ کاملہ کے دیوانے ہیں۔ صفت اُس کی محال ہے، زبان اِس تقریر سے لال ہے۔ جس کی شان میں مُخبرِ صادق یہ فرمائے، دوسرا اس عہدے سے کب بر آئے۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ [2]

---

[1] اشارہ ہے قرآنِ مجید: پارہ ۱۹، سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۵۴ کی طرف۔
ترجمہ: وہی خدا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اس کو نسل اور سُسرال والا بنایا اور تیرا پالنے والا ہر بات پر قادر ہے۔

[2] حدیثِ رسول صلعم۔ ترجمہ: جو تیری معرفت کا حق تھا اس طرح ہم تجھے پہچان نہ سکے۔

نعتِ سرورِ کائنات، محبوبِ خدا، برگزیدۂ انبیا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

بعدِ حمدِ خالقِ جن و بشر، حاکمِ قضا و قدر، مبداءِ شام، طالعِ سحر۔ نعتِ سیدِ کائنات، خلاصۂ موجودات، بہترینِ عالم، برگزیدۂ نوعِ بنی آدم کی ہے، جس کے چراغِ ہدایت کی روشنی سے تیرہ بخت گُم گشتۂ کوچۂ ضلالت بہ راہِ راست آئے۔ بہ توفیقِ رفیق اور مدارجِ تحقیق کیا کیا مرتبے بلند پائے۔ اور منحرف کور باطنوں کو فہمِ ناقص کی کجی اور زعمِ فاسد نے کیسے کیسے روزِ سیاہ دکھائے۔ اس کے حق میں یہ حکم [حق] آیا ہے، بہ چشمِ غور دیکھو تو اور کسی نے بھی یہ رتبہ [رفیع اس خاکدانِ پست بنیاد میں] پایا ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ[1]۔ سرحلقۂ اوّلین [باعثِ نمودِ آخرین]، خاتم المرسلین، مظہرِ صنعتِ کریم، احمدِ بے میم [شفیعِ روزِ جزا]، محمد مصطفےٰ صلے اللہ عَلَیْہِ وَآلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ المکرمین وسلّم۔

کسی شاعر نے اس کی شان میں کیا خوب کہا ہے۔ رباعی :

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدہ
اے ختمِ رُسُل قُربِ تو معلوم شد دیر آمدہ زراہِ دور آمدہ

اس مشتِ خاک کا کیا فہم و ادراک، جو شمۂ صفاتِ ذاتِ بابرکات زبان پر لائے۔ جو عجز میں نہ در آئے، کام و زبان، ناکامی سے فوراً جل جائے۔ اور منقبت امیرالمومنین امام المتقین یکّہ تازِ میدانِ لافتیٰ[2]، خلاصۂ مضمون سورۂ ہَلْ اَتیٰ

---

[1] حدیث قدسی۔ ترجمہ : (اے رسول) اگر تمھاری ذات نہ ہوتی تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔

[2] اشارہ ہے لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار (ندائے حضرت جبریل

(بقیہ حاشیہ ص۴۲ پر)

ہی کافی ہے، جیسے پیمبر نے کہا۔ "لَحْمُكَ لَحْمِی وَدَمُكَ دَمِی عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ" اور مدحِ اہلِ بیتِ رسالت کرو۔ لا اُن کی ایمان کی دلیل ہے، اور محبت اُن کی ہر فردِ بشر کو واجب بہ ایں حدیثِ جلیل ہے مَثَلُ اَهْلِ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰی۔[2]

(بقیہ حاشیہ ص۴۲)

جنگِ احد میں) یعنی علیؑ کے برابر کوئی جوان نہیں اور (علیؑ کی تلوار) ذوالفقار کے برابر کوئی دوسری تلوار نہیں۔

تاریخِ احمدی مُصنفہ، احمد حسین خاں تعلقدار پریاواں ص۱

[3] اختصار ہے پارہ ۲۹۔ سورہ دہر کی پہلی آیت: هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ہ کا۔ ترجمہ: بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے جب وہ کسی حیثیت سے قابلِ تذکرہ نہ تھا۔

سورۂ دہر اہلِ بیتِ اطہار کی شان میں اُس وقت نازل ہوا تھا جب کہ حضرت علیؑ کے ساتھ جناب فاطمۂ زہرا، حسنین علیہم السلام اور اُن کی کنیز فضہ نے مسلسل تین دن نذر کے روزوں پر روزے رکھے۔ اور تینوں دن افطار کے وقت بالترتیب مسکین، یتیم اور اسیر کو اپنا کھانا دے دیا۔

قرآنِ مجید، مترجمۂ مولانا فرمان علی مرحوم۔ حواشی متعلق بہ سورۂ دہر۔

---

[1] قولِ رسولِ مقبول صلعم "تمھارا گوشت میرا گوشت اور تمھارا خون میرا خون ہے۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔"

ائمہ ہُدا، مُصنفہ، سید عبدالغفار افغانی۔ صفحہ ۱۱۔ قاہرہ۔ (بقیہ حاشیہ ص۴۴ پر)

مذکورِ شاہِ غیور، قباد شوکت، نوشیروان معدلت، غازی الدین

حیدر پادشاہِ غازی وارثِ دُودمانِ سعادت

پس از حمدِ خدا و نعتِ سرورِ انبیا، لازم و ضرور ہے کہ مدحِ والیِ مُلک بیان کرے۔ قولہٗ تعالیٰ۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔[1] اگرچہ صفتِ شاہ، زبانِ گدا کو بیان کرنا، چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر نامِ نامی، توصیفِ ذاتِ گرامی اس کی وسیلۂ توقیر، اس تحریر کا، اور مفتاحِ بابِ، اس پریشاں تقریر کا، جان کر، شمّہ از شمائل و ذرّہ از خورشید خصائل رقم کرتا ہوں۔ شاہِ کیواں بارگاہ، بلند مرتبہ، عالی جاہ، سرحلقۂ شاہانِ والا تبار، جم شوکت، فریدوں فر، سلیماں اقتدار، کشور گیر، مُلک ستاں، خدیوِ کیہاں، ابوالمظفر معزّ الدین شاہِ زمن غازی الدین حیدر پادشاہ غازی خَلَّدَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ وَسَلْطَنَتَہٗ وَاَیَّدَ اللّٰہُ بِالنَّصْرِ وَالظَّفَرِ جَلَّ جَلَالُہٗ۔[2] اگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳)

۵۲ حدیثِ رسولِ مقبول صلعم۔ ترجمہ: میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیِ (حضرتِ) نوح کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہُوا اُس نے نجات پائی۔ جس نے مخالفت کی وہ ڈوبا اور ہلاک ہوا۔

مشکوٰۃ شریف۔ مترجمہ سید نائب حسین۔ بابِ فضائلِ اہلِ بیت جلد دوم صفحہ ۶۹۳

۱ قرآن مجید: پارہ ۵۔ سورۂ نسا، آیت ۵۹۔

ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسُول کی اور اُن کی جو صاحبانِ امر ہیں۔

۲ ترجمہ: اللہ اُس کے مُلک اور سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے اور نصرت و ظفر اُس کی تائید کرے خدا کی شان بڑی ہے۔

معرکۂ رزم یا صحبتِ بزم اس کی انشا کروں، صفحۂ دُنیا پر نہ لکھ سکوں۔ دمِ رزم رُستم وسام و نریمان، مثلِ پیر زال لرزاں اور وقتِ سخا و عطاے زر و مال، حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال۔ بزمِ طرب میں زُہرہ و مُشتری سرگرمِ نغمہ پردازی و عربدہ سازی۔ ہنگامِ عتاب و خشم، مریخ مُستعدِ جلادی و بیدادی۔ یہ ادنیٰ عنایت [کا ذکر] ہے۔ بیت ؎

چُناں بہ موسمِ سرما دو شالہا بخشید
کہ گرم شد ہمہ بنگالہ سرد شُد کشمیر

بس کہ سحابِ بخشش، اس بحرِ عطا کا، روز و شب، مزرعۂ کہ و مہ پر بارش رکھتا ہے۔ شہر میں سالہا کان مُشتاق، سائل کی صدا کا، اور دیدہ ندیدہ صورتِ گدا کا [رہتا ہے۔] عدل یہ کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے، شیر بکری کی اطاعت کا دَم بھرتا ہے۔ بہ چشم اس کے عہدِ دولت میں ہزاروں نے دیکھا، بکری شیر کے بچے کو شیر پلاتی تھی، کنار میں شفقت سے سُلاتی تھی۔ بازِ تیز پرواز، بچۂ کنجشک کا دم ساز اور نگہبان، بلّی کی عادتِ جبلّی یہ کہ کبوتر سے ہراساں۔ دُودِ دلِ اندوہناک روزنِ ہر خانہ سے مسدود، و شحنۂ داد، رخنہ بندیِ فساد کو موجود۔ اللہ تعالیٰ اس امیدگاہِ عالم و عالمیان کو، اپنے حفظ و امان میں سلامت رکھے، دولت خواہ اُس [صاحبِ افسر] والا جاہ کے با عیش و شادیِ مدام اور دشمنِ رُو سیاہ، بارنجِ نامرادی گرفتارِ آلام رہیں۔ بہ حقِ ربِ ذوالمنن و بہ تصدقِ پنج تن۔

بیانِ مؤلف دربارۂ لکھنؤ و ذکرِ صنعتِ مردمانِ خجستہ رو، و تذکرۂ ہر صاحبِ علم و کمال علیٰ قدرِ حال و نمونۂ مکانات [ایں] شہر

یہ ہیچ مداں، ہیچمداں، محررِ داستاں، مقلدِ گزشتگاں، سراپا قصور، [مرزا]

رجب علی بیگ، تخلص سُرورؔ، متوطنِ خطۂ بے نظیر، دل پذیر، رشکِ گلشنِ جنان، مسکنِ حوُر و غلماں۔ جائے مردم خیز، باشندے یہاں کے ذکی، فہیم، عقل کے تیز۔ اگر دیدۂ انصاف و نظرِ غور سے اس شہر کو دیکھے، تو جہان کی دید کی حسرت نہ رہے، آنکھ بند کرلے [ہر بار یہ کہے] مولف ؎

سُنا، رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

سُبحان اللہ! بجملہ، عجب شہرِ گلزار ہے، ہر گلی دل چسپ، جو کوچہ ہے باغ و بہار ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر باوضع، قطع دار ہے۔ دو رویہ بازار کس انداز کا ہے۔ ہر دُکان میں سرمایۂ ناز و نیاز کا ہے۔ گو، ہر محلّے میں جہان کا ساز و سامان مہیا ہے، پر اکبری دروازے سے، چلوخانے اور پکّے پُل تک کہ صراطِ مُستقیم ہے، کیا جلسہ ہے۔ نان بائی خوش سلیقہ، شیرمال، کباب، نان نہاری، [بلکہ] جہان کی نعمت، اس آب داری کی، جس کی بُو باس سے دل طاقت پائے، دماغ مُعطّر ہو جائے۔ فرشتہ گزرے تو سُونگھے [مست ہو جائے، اونگھے۔] کیسا ہی سیر ہو، ذرہ نہ دیر ہو، دیکھے سے بھوک لگ آئے۔ وہ سُرخ سُرخ پیاز سے نہاری کا بگھار، سُریلی چھنکار۔ شیرمال شنگرف کے رنگ کی، خستہ بھربھری، ایک بار کھائے، نانِ نعمت کا مزہ پائے، تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہ جائے۔ کباب اس آب و تاب کے، کہ مُرغ وماہی کا دل سیخ آہ پر [متصل] حسرتِ محرومی سے کباب۔ اورک کا پُھٹا، میاں خیر اللہ کی دُکان کا، بال سے باریک کترا، ہاضم نایاب۔ حُسینی کے حلوا سوہن پر عجیب جوبن، جس کی شیرینی کی گفتگو میں لب بند، جہان کو پسند۔ پیڑی لذیذ و دبیز، نسبی جسامی، [پستہ و بادام کی ہوائی] ہونٹ سے کھائے، دانت کا اُس پر تمام عمر دانت رہے، لگانے کی نوبت نہ آئے۔ جوزی خوب، حبشی اہلِ ہند کو مرغوب۔ دودھیا

شیر خوارہ نوش کر جائے۔ ہر کنجڑن کی وہ تیکھی چتون کہ آدمی صورت دیکھتا رہے، رُعبِ حُسن سے بات نہ کر سکے بسکہ نیں پری زاد، سروِ قامت، رشکِ شمشاد۔ دُکانوں میں انواع و اقسام کے میوے، قرینے سے چُنے، روزمرے، محاورے، اُن کے دیکھے نہ سُنے۔ کبھی کوئی پُکار اُٹھی، [بیٹھے بیٹھے قہقہہ مار اُٹھی]۔ "میاں ٹکے کو ڈھیر لگا دیا ہے" [کھانے والوں کو زور مزہ ہے"]۔ کوئی موزوں طبیعت یہ فقرہ [برجستہ] سُناتی [جوبن کی جھپک دکھاتی] "مزہ انگور کا ہے رنگتروں میں" کسی طرف یہ صدا آتی ہے۔ "گنڈیریاں ہیں پونڈے کی"۔ ایک طرف تنبولی سُرخ روئی سے یہ رمز و کنایہ کرتے، بولی ٹھولی میں چبا چبا کر ہر دم یہ دم بھرتے۔ "مکھی کا مُنھ کالا ہوا، گرد کر ڈالا = [کیا خوب ڈھولی ہے، ابھی کھولی ہے] عبیر ہے نہ گُلال ہے، کتھے چُونے سے اَدھی میں مکھڑا لال ہے۔"

گلیوں میں گجردم یہ آواز آتی۔ "شیرمال ہے گھی اور دودھ کی۔ کدھر لینے والے ہیں، نمش کی قُلفیاں، کھیر کے پیالے ہیں"۔ "مُفلس کا دل اُچاٹ ہے ٹکوں کی چاٹ ہے۔" "کیا خوب بھُنے بھر بھرے ہیں، چنے، پرمل اور مُرمُرے ہیں"۔ جیٹھ، بیساکھ کی وہ گرمی جس میں چیل انڈا چھوڑتی، دو پیسے کو برف کی قُلفی جمی، دو کھائے، بدن تھرائے، زیادہ ہو کا کرے، لقوے اور فالج میں مرے۔

سرِ چوک ہمیشہ شانے سے شانہ چھلا، نسیم و صبا کو سیدھا رستہ بلا۔ شیخ کولی کی مٹھائی، جس نے کھائی، جہان کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا، بنارس کا کھُلا بھولا متھرا کے پیڑے کا ٹھٹھا ہوا۔ برفی کی نفاست، بُو باس [کھوئے نے ہوش کھوئے] وہ اُس کا ورق زرا پن، نقرئی ورق کا جوبن۔ کسی اور شہر کا رکاب دار، اگر دیکھ پائے یا ذائقہ لب پر آئے، زندگی تلخ ہو [جب تک جیتا رہے] ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے۔ امرتی مُسلسل کا ہر پیچ، ذائقے کو پیچ و تاب دیتا، یاقوتیِ مفرح

کا [جواب دیتا] جب مُنھ میں رکھّا، اصل تو یہ ہے کہ غسلِ مُصفّا، جنّت کی نہر کا، حلق سے اُترا۔ پراچیوں کی گلی کی کھجوری، لذّت ٹپکتی، ذائقے میں چوکھی۔ بہترا انگور بے نہایت، آب و تاب، ہم خُرما ہم ثواب۔ بالائی نورا کی دُکان پر جب نظر آئی [بلّور کی صفا سے دل مُکدّر رہتا] بے قند و شکر، شکر [خدا] کر کر، نُورٌ علیٰ نُور کہہ کر چُھری سے کاٹ کر کھائی۔ مداریے حُقّے وہ ایجاد ہوئے، کسگر ایسے اُستاد ہوئے کہ جب تراقا اُن کا سُنا، پیچوان کا دم بند ہوا، [سب کو پسند ہوا]۔ مٹھانا [کی دُکان] کا تنباکو، مُشک و عنبر کی خوش بو؛ جس نے ایک گھونٹ کھینچا، اسی کا دم بھرنے لگا۔ [رنگ ریز، سُبک دست، طبیعت کے تیز۔ جو پھول دکھایا، اُنھوں نے کپڑے پر اُس سے ڈہڈہا گُل کِھلایا] علی الخصوص مردِ تماش بین کے واسطے یہ شہر خراد ہے؛ ہر فن کا یہاں اُستاد ہے۔ سیکڑوں گھامڑ، بدگِل، کُندۂ ناتراش، [اپنے زعم میں عیاش] اطراف و جوانب سے آئے، ہفتے عشرے میں چھیل چھبیلا وضع دار ہو گئے، [گومتی میں غوطہ لگایا، دل میں مزہ سمایا، دھبّے دھو گئے]۔ جب ابو تُراب خاں کے کٹرے میں جا، میاں خیراتی سے کسی کی خیرات میں خط بنوایا، بارہ برس کے سِن کا گالوں سے مزہ آیا۔ چار پہر کھونٹی ٹٹولی، پتا نہ پایا، کاتبِ قُدرت کا لکھا مِٹتا ہے، ایسا خط بناتا ہے۔

سید حسین خاں کے [کٹرے کے] دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دُکان، جائے نشست ہر وضع دار نوجوان ہے۔ دو پیسے میں بیلے [اور] چنبیلی کا تیل، [یا جنا کا] ریل پیل، فتنہ برپا کرنے والا، ایسا مَلا، کہ سُہاگ کا عطر گرد ہوا، جون پور سے دل سرد ہوا۔ [پھر] عطر کی روئی رکھی کان میں، جا بیٹھا کسی افیمی کی دُکان میں۔ سفید سفید چینی کی پیالیاں، خوب صورت رنگتیں نرالیاں۔ افیون فیض آبادی [گُلاب باڑی والی] لائی گئی، وہ رنگین جس نے تریاکِ مصر کے نشے کِرکِرے کیے زیادہ

پی جانے والوں کو جان کے لالے پڑے، ایسے متوالے ہوئے۔ جھکڑ بادۂ ارغوانی و زعفرانی کا پیدا [یاقوت رشک سے ہیرا کھاتا]۔ [تبدیل ذائقہ کو] زردی کے خوانچے، نقرئی ورق جمے، پستے کی ہوائی چھڑکی ہوئی مہیا۔ [یا] بمبئی کا پونڈا، نرم، لاکھ گندہ، قند و شکر کا سینچا، اگر پوپلا منہ، ڈھول سے چبائے، شربت کا گھونٹ حلق سے اُتر جائے۔ ادھر چُسکی پی یا اشکِ بلبل کا دورِ تسلسل ہوا، آنکھوں میں گل کھلا۔ پھر [ایک دم کے بعد حُقّے کا دم کھینچا، آنکھوں میں سُرور موجود ہوا، [حجاب کا پردہ اُٹھ گیا۔]

وہاں سے بڑھا، کان میں آواز آئی: "بیلے کے ہار [پُربہار] ہیں، شوقین البیلے کو، پہن لے، چلا جا فرنگی محل کے میلے کو۔" جب یہ سج بنی، بگڑا، بانکوں کے بل چلا، یہ پھولا، وطن کی چال ڈھال رہ و رسم بھولا۔ اکثر باہر سے آ، یہ دھج بنا، جون پور کے قاضی ہونے کو مُفتی میں راضی ہو گئے ہیں، جمع پونجی پریشان ہو کے کھو گئے ہیں۔]

برسات کے موسم میں شہر کا یہ عالم ہے، ادھر مینھ برسا، پانی جا بجا [سے] بہہ گیا، گلی کوچہ صاف [ہو کر] رہ گیا۔ ساون بھادوں میں زرد وزری جوتا پہن کے پھرے، [سلیقہ شرط ہے] کیچڑ تو کیا، مٹی [پاؤں میں] نہ بھرے۔ فصلِ بہار کی، صنعت پروردگار کی، رضوان چمن [کی دید] کا شائق، دیکھنے کے لائق۔ روز عیش باغ میں تماشے کا میلہ، ہر وقت چین کا جلسہ۔ موتی جھیل کا پانی، چشمۂ زندگانی کی آب و تاب دکھاتا، پیاسوں کا دل لہراتا۔ سڑک کے درختوں کی فضا، جدھر جا گھوما، موجیں اڑاتا۔ [اُدھر] ہار سنگار کے جنگل میں لوگوں کا جمگھٹ، رنگا رنگ کی پوشاک، آپس کی جھانک تاک۔ تختۂ لالہ نافرمان، جن پر قربان۔ وہ بندہ ہائے خاص کی [آموں کے تلے] سبک روی خرامِ ناز، ہر قدم پر کبکِ دری چال بھول کر،

جبینِ نیاز رگڑتی، شاخِ سرو اُن کے رو بہ رو نہ اکڑتی۔ شائق ہزار در ہزار، شمع پروانوں کا عالم، غول کے غول باہم۔ آم کے درختوں میں ٹپکا لگا، خاص جھو، لا وہیں پڑا، جھولنے والوں پر دل ٹپکا پڑتا۔ محبت کے پینگ بڑھتے، دیکھنے والے دُرود پڑھتے۔ باغ میں کوئل، پپیہے، مور کا شور، جھولے پر "گھٹا ری ادبی گھنگھور"۔ ساون بھادوں کے جھالے، وہ رنگین جھولنے والے۔ دشتِ غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے، دل پاش پاش ہو کر کلیجا مُنھ کو آتا ہے۔ نہ کہ کان پور کی برسات، ہیہات ہیہات، دخل کیا، دروازے سے باہر قدم دھرے اور پھسل نہ پڑے۔ گلی میں پاؤں رکھا، کیچڑ کا چھپکا سر پر پہنچا۔ وہ اس فصل میں باہم نہ دیکھے، مگر چھیلے کے پھنسے، اور جنھیں سواری کا مقدور نہیں، دخل کیا جو وہ جائیں کہیں۔ اُن کے حق میں [ناحق] برسات، حوالات [اور] گھر جہل خانہ، [کیچڑ کے مقید] نہ کہیں جانا، نہ آنا۔ اگر خواب میں کہیں نکل گئے تو چونک پڑے کہ پھسل گئے۔ اور جو بازاری کاروباری ہیں، اُن کا یہ نقشہ دیکھا ہاتھ میں جوتیاں، پائینچا چڑھا، کیچڑ میں لت پت، یہاں گرے وہاں گرے، خدا خدا کر، جیتے گھر پھرے، اور جو شیخی کے مارے ننگے پاؤں نہ نکلے تو۔ شعر

دیکھی ہے یہ رسم اس نگر میں
جوتا ہے گلی میں آپ گھر میں

پھر بر سر مطلب آیا، خاص بازار کہ شہر وسیع و خوش قطع ہے، اُس کے نقشے سے مانی و بہزاد نے خار کھایا، شبیہہ کشی تو کیا، خاکہ خاک نہ کھنچا، ہاتھ تھرایا۔ کوٹھیاں فرح بخش و دل کشا، برج ہر ایک جہاں نما۔ سلطان منزل اور راستی منجن، نشاط افزا، توبہ شکن۔ انسان کو دیکھ کے شگفتہ ہو جائے، کام اُن کا وہم و قیاس میں نہ آئے۔ سر راہ کی بارہ دری، جواہر سے جڑی، پری کی صورت کی

قریب نہر جاری' تکلف کی تیاری۔ پائیں باغ اُس کا' جس نے دیکھا' باغِ ارم سمجھا' سوسن صفت ہزار زبانیں بہم پہنچیں' تعریف نہ کر سکا' گو نگے کا سپنا ہوا۔

رُومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے' گزرگاہ ایک جہان کا ہے۔ اگر اس پر چڑھ جائے' بامِ فلک پست معلوم ہو' فرشتوں کا مشورہ کان میں آئے۔ سپہر اطلس اس کی زمیں ہے۔ شش جہت میں دوسرا نہیں ہے۔ مسجد انتخاب ہے' امام باڑہ لاجواب ہے۔ مقبرے عالی شان' وہ نادر مکان' کہ فلک بہ دیدۂ انجم نگراں ہے۔ ان کی نظیر کی جستجو میں مشعل مہ و خورشید روز و شب روشن کیے کو بہ کو' سرگرداں ہے۔ اگر پاؤں پھیلانے کی جگہ ان میں ہاتھ آئے' سرو دست مر جانے کو جی چاہے۔ گومتی کے انداز سے [ہر بار] نہر کی کیفیت نظر آتی ہے' طبیعت لہراتی ہے۔ دو رویہ آبادی' عمارت' کہیں رمنے' کسی جا باغ بنے۔ صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ شامِ اَوَدھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے۔ شہر نفیس' مجمع [اُمرا مسکن] رئیس' ہر [علم و] فن کا کامل یہاں حاصل ہے۔ خوش نویس حافظ [محمد] ابراہیم صاحب سا' اس قطع کا قطعہ لکھا' جو میر علی [ا] آغا [رشید] جیتے ہوتے' [تو] اپنے لکھے کو روتے اشکِ حسرت سے وصلیاں دُھوتے۔ مرزائی صاحب [کی مشق] کا یہ حال تھا' کوئی پرچہ اُن کا' اُن کی نظر پڑ جاتا' نیر ملا۔ ریزہ ریزہ کہتا' یاقوت رقم میرا لکھا' مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخِ کہن نے مسلم الثبوت اُستاد کیا۔ علم موسیقی میں یہ کمال بہم پہنچایا' اس طرح کا دُھرپت' خیال' ٹپا گایا اور بنایا' جو کبھی کسی نایک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا۔ ایک رنگین احاطہ کھینچا ہے' جو اس میں آیا' پھولا پھلا' وہ اُن کا پیچھے رُو رہا' اور جس نے

ڈھنگ جُدا کیا وہ ٹکسال باہر بدرنگ ہُوا۔ اگر تان سین جیتا ہوتا، ان کے نام پر کان پکڑتا، بھیک مانگ کھاتا مگر نہ گاتا۔ ہزاروں شاگرد جگت اُستاد ہوا، مولوی سب میں پری زاد ہُوا۔ امیروں میں حُسین علی خاں، بلبلِ ہزار داستاں، خوش الحان۔ مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر، صاف باطن، نیک ضمیر، خلیق، فصیح، مردِ مسکین، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے، ناظمِ خوب، دبیرِ مرغوب، سکندر طالع، بہ صورتِ گدا، بارِ احسانِ اہلِ دُوَل کا نہ اُٹھایا، عرصۂ قلیل میں مرثیہ، سلام کا دیوانِ کثیر [مرتب] فرمایا۔

طبیب ہر ایک مسیحائی کرتا ہے، قُم بِاذنی کا دم بھرتا ہے۔ جسے دیکھا، بُقراط، سُقراط، جالینوسِ زماں ہے، اس معنی میں یہ خطّہ رشکِ زمینِ یونان ہے۔ میرک جان صاحب، بیرنے کے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردُم بحر و بر سرگرم ثنا ہوئے۔ شاعر زباں داں ایسے کہ عرفی و خاقانی کی غلطی بتائی، فردوسی و انوری کی یاد بُھلائی۔ شیخ امام بخش ناسخ نے یہ ہندی کی چندی کی اور روزمرے کو ایسا فصیح و بلیغ کیا کہ کلامِ سابقین منسوخ ہوا۔ فُصحائے شیراز و اصفہان اُس سیفِ زبان کا [جوہر دیکھ کے] لوہا مان گئے۔ اپنے قبح پر منفعل ہوئے، اس زبان کا حُسن جان گئے۔ زمینِ شعر کو آسمان پر پہنچایا، سیکڑوں کو اُستاد بنایا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی، شرر افشانی سے، دل جلوں کے سینے میں سوز و گداز ہے، مردِ قانع، شاعرِ ممتاز ہے۔

فرنگی محل کا حال کیا لکھوں، کہاں زبان و دست کا یارا جو شمّہ لکھا۔ مولویانِ فاضل، عدیم المثال، [جامع الکمال] ہر شخص جمیع عُلوم کا اُستاد، کُتبِ درسی، ابتدا سے انتہا تک یاد۔ منقول و معقول میں دقیقہ باقی نہ رہا، ریاضی

کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا۔ مولوی انوار کا پرتوِ فیض، جہان میں روشن۔ مولوی مبین، ذُوذہین، سراج انجمن [مولوی مخدوم جامعِ علوم]، مولوی ظہور اللہ، سُبحان اللہ، ایسے فقیہ محقق کہاں ہوتے ہیں، یہی لوگ نادرالزماں ہوتے ہیں۔

اُدھر رُکنِ دین، بلا کد [میرن صاحب اور] میر سید محمد مجتہد مُستند۔ مرزا کاظم علی مُتقی [بڑے ولی] اخوند محمد رضا، رضائے خُدا کا جویا، [نہ دیکھا نہ سُنا] حاملِ قرآں، ہمہ داں، کسی علم میں عاری نہیں، روئے زمین پر آقا محمد تبریزی سا قاری نہیں۔

مگر وہ جو مثل [مشہور] ہے، نیک اندر بد، بد اصل [مذکور] ہے۔ لب معشوقِ مولویوں سے وہ رنڈیاں مہ رو، پری شمائل، زُہرہ جبیں، ہر زن رہزنِ دین، مُشتری خصائل، ستم ناز، غضب انداز، سحر کرشمہ، طلسم غمزہ، آفت عشوہ، قہر ادا، قیامت گات، کرامت بات کی کہ ہاروت اور ماروت تو کیا، معاذ اللہ اگر سب فرشتے، عرش سے فرشِ زمین پر آئیں، ان کی چاہ میں لکھنؤ کے کنوئیں پھر جائیں۔ گھڑی بھر ان سے زانو بہ زانو بیٹھے، توبۂ نصوح ٹوٹے، ان کا دروازہ نہ چھوٹے۔ لوٹی چرخ [بلا گرداں] ان پر نثار ہے۔ ہر ایک، خوش روش، آفتِ روزگار ہے۔ خوش مزاج، مردم شناس، روزمرہ شُستہ، وہ تقریر رمز و کنایہ۔ اسی کوچے کے فیض سے انسان آدمیت بہم پہنچاتا ہے، تراش خراش، اثر صحبت سے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

کلاونت [اور] قوّال، بے مثال [جیسے] چھجّو خاں [یا] غلام رسول، سب کو موسیقی میں کمال حصول۔ شوری کی منہ زوری کی [دُنیا میں] دھوم ہے۔ ٹپّے کا موجد ہوا، سب کو معلوم ہے۔ بخشو اور سلاری نے طبلہ ایسا بجایا، کہ پکھاوج

کو شرمایا۔ [اتنا ہاتھ بڑھایا] پتنگ ایسا بنا [اور] ایسا لڑا کہ نزدیک و دور مشہور ہے۔ ستر بہتر تار ڈور، اس کا پتنگ جھٹکا یا خیراتی کے بات کا، لڑائی کی گھات کا، رستم کی عافیت تنگ کرنے والا۔ منحنی ہاتھ پاؤں پر مولوی عمدو نے ایسا لڑایا عمدہ اتنا بڑھایا کہ کروڑوں سے [اس پیچ میں] عبادت چھوٹ گئی، زور ڈوڑ کر ڈور ٹوٹی، آنکھ بچا کر بیٹھا تو لڑا، فرشتے خاں کا پتنگ نہ چھوٹا۔ [مرزا المفر علی نے ہاتھ اور نظر میں یہ زور بہم پہنچایا کہ ساتھ تاؤ کا پتنگ، ڈھا پھینک کر بڑھایا۔ یہ چھ سات سیر ڈور پر گھسیٹ، بڑھ دیکھی اُکتا کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ [مردان بیگ مانجھا دینے والا، [ایسا جلد دست] دیکھا نہ بھالا۔

غرض کہ جو چیزیں یہاں نئی بنیں اور ایجاد طبیعت سے کاری گروں نے نکالیں، سلطنت سے آج تک نہ ہوئی تھیں۔ زردوزی ایسی بنی، یہ باریک بھنی کہ باہر بند و اورگی کی پٹی جو پائیں، بہ جائے جیغہ و سرپیچ [اپنے] سر پر لگائیں [انتہائی حیرت کی بات ہے، ستر اسّی روپے کی اورگی، کلابتوں کی، سادی اور] جوتا [گھیتلا] خورد نوک کا، [میاں] امیر علی نے اس نوک جھونک کا بنایا کہ جہاں کو پسند آیا، آرام پائی، جس کے ہاتھ آئی، دل نے چین پایا، [ایسا تکلف بہم پہنچایا، پانچ اشرفی ادنی کہاری دھنیا نے دے کر جوتا منجوایا] چالیس سال جہان کی دیکھ بھال کی، ایسا شہر، یہ لوگ نظر سے نہ گزرے۔ اور تو اور شہدا، پیر بخارا کا، ٹھما سا، سید الشہدا [کے نام] کا شیدا، برس روز میں جو پیدا کیا، عشرۂ محرم میں محتاجوں کو نذرِ حسینؑ کھلا دیا۔ یہ یک رنگی مزاج میں سمائی، تمام سن جوا کھیلا، دو سے کے داؤں پر ادھی نہ لگائی۔ ایک روپیا ہوا خواہ سُو، کہہ دیا پو۔ سیکڑوں داؤں کھنچے گئے، مُنھ سے نہ کھنچے گئے۔ وہاں بھی ایک چوک لگا رہتا ہے۔ آدمی کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں، جب وہ لوگ نظر آتے ہیں۔

مشائخ، فقیروں کے مزار خوب، خواب راحت میں آسودہ، سالک و مجذوب، شاہ مینا، شاہ پیر محمد، شاہ خیر اللہ، ایک سے ایک سبحان اللہ۔ بہ ظاہر مردہ، حقیقت میں [یہی لوگ] جیتے ہیں، اشیائے لطیف کھاتے پیتے ہیں۔ مولوی عبدالرحمن، برگزیدۂ یزدان۔ عالم باعمل، درویش اکمل، خواجہ باسط اور میر نصیر جن کا عدیل نہ نظیر۔ خواجہ حسین و حسن سرگروہِ انجمن۔ بس کہ طبیعت مصروف بہ اختصار ہے، ایک ایک فقرہ لکھا ہے، وگرنہ ان بزرگواروں کی صفت میں کتابیں تحریر کرے تو بجا ہے۔ مگر، شعر:

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد

ہر چہ گیرید مختصر گیرید

اس [قول] پر عمل کیا، منصف سے انصاف طلب ہیں، ہٹ دھرم سے کیا کہیں، جھوٹے کے آگے سچا رو دیتا ہے۔ بالفرض [اگر] معترض کہے، یہ لوگ کہاں کے تھے تو یہ جواب شافی کافی ہے کہ یہ شہر ایسا تھا، جیتے جی یہاں سے نہ نکلے، مر گئے پر یہیں رہے۔ اور یوں تو ع

کس نہ گوید کہ دوغِ من ترش است

جو گفتگو، لکھنؤ میں کو بہ کو ہے، کسی نے کبھی سنی ہو سنائے، کہیں لکھی دیکھی ہو دکھائے۔ عہدِ دولت بادشاہ سے، تا سلطنت اکبر ثانی، کہ مثل مشہور رہے نہ چوٹھے میں آگ، نہ گھڑے میں پانی۔ دہلی کی آبادی ویران تھی، [خلقت منتشر و حیران تھی] اب بادشاہوں کے عصر کے روزمرے لہجہ، اردوئے معلیٰ کی فصاحت تصنیف شعرا سے معلوم ہوئی، [غور کیا تو] یہ لطافت اور فصاحت و بلاغت کبھی نہ تھی، نہ اب تک وہاں ہے۔ قطع نظر اس سے، لوگ... اس خلقت کے [ہیں، اگر] سے کھوئیں اور جلسہ کریں۔ چناں چہ ایک بندے کے شفیق، بھگت آشنا،

مرزا محمد رضا، مجمعِ خوبی از پا تا فرق، تخلّص برقؔ۔ فی الحقیقت کلام بلاغت نظام ان کا صاعقۂ خرمنِ ہستیِ حاسد ہے، بھائی بند شاعروں کا بازار اُن کے روبہ رو کاسد ہے۔ جوان، خوش رو، بہادر، آشنائے بامزہ، نیک خو، شب ماہ صحبتِ مُشاعرہ بہ دولت خانہ مرزا معیّن ہے۔ رئیس [شہر] امیر صغیر و کبیر تشریف لاتے ہیں۔ [لطف بے حد اُٹھاتے ہیں۔] اُس مکانِ وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلّت ہوتی ہے۔ ہوا [بھی] کشمکش سے باریاتی ہے، جب پنکھے کی سعی اُٹھاتی ہے۔ سخن سنج، بے رنج، خوش گو، نازک فہم، باریک بیں، نیک خو، جمع ہوتے ہیں، لوگ ان جیسے دو لوگوں سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ تلامذۂ مرزائے ممدوح خدمت کو حاضر، کورے کورے مدار پیلے دم بدم، گلوریاں ورق لگی، کتھا بسا، چونا سنگ مرمر کا متواتر۔ قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے۔ کوئی پیتا ہے، کوئی کھاتا ہے۔ اگرچہ کسی کو چائے کی ہوتی، [تو فوراً] دودھ پیتے بچے تک شیر چائے موجود کی۔ ہمیشہ صبح اُس شام کے جلسے کی ہو جاتی ہے، طبیعت نہیں گھبراتی ہے۔ گھر جانے والوں کو صدائے مرغِ سحر، ندائے اللّٰہ اکبر آتی ہے۔ ہر چند سب لوگ یہاں کے قہر ہیں، مگر یہ بزرگ وار زینتِ شہر ہیں۔ اور لکھنؤ کے جیسے بازاری ہیں، کس شہر کے ایسے ہفت ہزاری ہیں؟ دلاّل [تک] مرفّہ حال، خوش پوشاک، چمکے چمکائے اور ملکوں کے سیٹھ، یا کروڑپتی، [لاکھ السیٹھ سے] گاڑھے میں لنگوٹی یا دھوتی۔ جب بڑا تکلّف کیا، گاڑھے کا مرزائی پہن لیا۔ کلمۂ حق کہنے والے کا مدار دار پر ہوتا ہے۔ منصور نگر اس کا محلّہ ہے، یہ نکتہ بہ گوشِ دل و جان سُن، اَلْحَقُّ مُرٌّ ۱؎

۱؎ حق تلخ ہے۔

حاسدوں کے خوف سے یہ مذکور مختصر کیا، اگر زیادہ لکھنا قصہ ہوتا۔ کوتاہ بیں لکھنؤ کے نام سے چڑ جاتے ہیں، رشک کھاتے ہیں، [بے ہودہ] افترا پردازی کرتے ہیں، [کھپ کر] جل مرتے ہیں۔

مذکورِ عہدِ حاتم دوراں سُلطان ابن سُلطان میرزا نصیر الدّین

حیدر بادشاہِ نوجواں

اچھّے آغاز کا انجام بہ خیر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مشقّت کسی کی بے کار نہیں کھوتا ہے ۔ یہ فسانہ بہ عہدِ دولت شاہ غازی الدّین حیدر شروع ہوا تھا، اور تمام بہ عصرِ سُلطان بن سُلطان ابوالنصر نصیر الدین حیدر دام مُلکہ، ہوا۔ اللہ اللہ عجب جم جاہ [اریکہ نشین] ہوا کہ حاتم کا نام صفحہ، سخا سے مثلِ حرفِ غلط مٹا دیا، فقیروں کو امیر بنا دیا۔ عیش و نشاط کی طرف طبیعت جو آئی، ایک ایک ادنیٰ کنچڑن ہفت ہزاریوں سے اعلا بنائی، محمد شاہ کی گور تھرّائی۔ شہ زادیوں کو کہاریوں پر رشک آیا، خواصوں کو صاحبِ نوبت کیا، چنڈول سُکھپال میں چڑھایا، [ہاتھی، پالکی کو جلو میں پھرا دیا] ہزار بارہ سے چلیے والی، حور وش، برق کردار، کبک رفتار، نغز گفتار، [نور کا عالم] از پا تا فرق، دریائے جواہر میں غرق، دست بستہ [ہر دم] ادب سے روبرو کھڑی رہی، جہاں کی نعمت اُن کے سامنے پڑی رہی۔ اصیلوں کو کروروں روپے دیئے، پیش خدمتوں نے پادشاہت کے چلن کیے۔ قدسیہ محل پر طبیعت جو آئی، مع رفعت و شانِ فلکِ ہفتم پر پہنچائی۔ کئی کرور روپے [چند روز میں] اُس منظورِ نظر نے صرف کیے [طرفۃ العین میں] خزانے خالی کر، محتاجوں کے گھر بھر دیے۔ [تجربہ کاروں کا قول تھا کہ اُن کے بعد یہ شہر ویران اور تباہ ہو گا، نہ اس ہمت کی بیگم ہو گی،

نہ اس مجوسیے کا پادشاہ ہو گا۔[ہر وقت راجا اِندر کی صحبت سے بہتر جلسہ رہا ہر دن] میں عطرِ بہار، مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلک گرداں نے حسرت سے ہو کر چکّر کھائے۔ اندراسن، گلشنِ اِرم کہ ایسا باغ اور اس طرح کی کوٹھی، چشم و گوشِ عالم نے دیکھی نہ سُنی۔ دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخِ گرداں کو اور خواب میں نظر نہ آئی۔ اندراسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا، تمام شہر مہکتا رہا۔ مُغلانیوں نے گوٹے، کناری کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اُٹھائے۔ خاصے والیوں نے لونگ، الایچی [اور] زعفران کے، اپنے گھروں میں خاصے ڈھیر لگائے۔ مکاں خیالِ مالِ دُنیا سے مالا مال ہے، استغنا کا دم بھرتا ہے، سینا تو کیا، ٹانکا کم بھرتا ہے۔ بجز غمِ حسین، شہر یار کو اندوہ و غم نہیں، کون ہے جو اس زمانے میں شاد و خُرّم نہیں۔ اربعین تک عزاداری ہوتی ہے۔ خلقِ خدا ماتمِ حسینؑ میں رُوتی ہے۔ لاکھوں روپیا اس راہ میں صرف ہوتا ہے۔ چالیس شب [کوئی] نہیں سوتا ہے۔ تخمِ عملِ نیک مزرعۂ آخرت میں بوتا ہے۔ روزِ تولّدِ ہر امام و شبِ وفاتِ جگر بندانِ خیرُالانام لاکھ لاکھ روپے کا صرف ہے۔ اُس کی ہمت کے آگے فیاضانِ گزشتہ پر حرف ہے۔ حسن، صورت، شوکت و حشمت، جاہ و ثروت، جتنی دُنیا کی خوبیاں ہیں، اللہ نے سب دی ہیں۔ ہر شب شبِ برات، روز عیدین کے ہیں۔ سیرِ دریا کی دفعتاً جو لہر آئی، گنگا سے نہر منگائی۔ اس میں بھی غُربا نہال، کارندے مالا مال ہو گئے۔ بس کہ خامۂ مؤلف اختصار رقم ہے [مگر] جتنا اُس کی صفت میں لکھیے، بہت کم ہے۔ لہٰذا اس غزل پر [مطلب کو] اختتام کیا۔ [یہ داستاں وہ نہیں جو کہی جائے] ناچار تمام کیا۔ [اَلعَاقِلُ تَکفِیہِ الاِشَارَۃُ ۔ مؤلف][لہ]

لہ عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

غزل

تا ابد قائم رہے فرماں روائے لکھنؤ
یہ نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ
گو ملے جنت بھی رہنے کو یہ جائے لکھنؤ
چونک کر میں اٹھتا ہوں اس پر کہہ کے ہائے لکھنؤ
رشک کیا ہاں گر خدا مجھ سے چھڑائے لکھنؤ
تب میں جانوں دل سے جب تیرے بھلائے لکھنؤ
یاد ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ
اُن کے استغنا سے کیا کیا آرزو کرتی ہے رشک
جام جم پر تف نہیں کرتے گدائے لکھنؤ
کیوں گمان زاغ بلبل کے ترانے پر نہ ہو
یاد آجائیں جو وہ نغمہ سرائے لکھنؤ
ہر محلے سے جلاتا جی ہے عیسیٰ کو محال
چھوڑتے جیتا نہیں معجز نمائے لکھنؤ
جن و انس و وحش و طائر کیوں نہ سب محکوم ہوں
ہے سلیماں ان دنوں فرماں روائے لکھنؤ
وحشت غربت میں کیا سرور وحشت نے تڑپایا
دل سے اُڑتی ہے لگی اپنے جدائے لکھنؤ
یہ رہے آباد یا رب تا بہ دورِ مشتری

ہیں کہیں ہند میں نانگتا ہوں پر دعائے لکھنؤ

بلبلِ شیراز کو ہے رشکِ ناسخ کا سخن
اصفہاں اُس نے کیے ہیں کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی بہ حرمتِ سیدِ ابرار، احمدِ مختار، و بہ تصدق ائمۂ اطہار، لکھنؤ کو آباد رکھ، والیِ ملک کو یہاں کے کاربرار، رعیت پرور، سریرِ حکومت پر دل شاد رکھ۔ جب تک گنگا جمنا میں پانی بہے، یہ خطۂ دل چسپ فرح افزا آباد رہے۔ فرد

الٰہی لکھنؤ بستا رہے تا دورِ قیامت تک
سرِ ذرہ دشت پیما کا کبھی وہ شہر مسکن تھا

اور مقلدی میں یہاں کے لوگ صاحبِ کمال ہیں۔ باریک بیں، دقیقہ رس، زود فہم، نازک خیال ہیں۔ یہ عجب ان صاحبوں کا لیکھا ہے، مقلدی میں موجد ہو جاتے انھیں کو دیکھا ہے۔ اس شہر میں کئی مطبعے سنگی ہیں، گویا وہ نیرنگی ہیں۔ لیکن ایک ہمارے عنایت فرما ہیں، جناب میر حسن صاحب، صاحبِ حسن و جمال، جوان خوش رو، صاف باطن، حمیدہ خصال، حسنِ خلق اُن کا خلق میں مشہور ہے۔ عجب و نخوت اُن کے نزدیک سے دور ہے۔ موسمِ شباب ہے، چہرے پر جوانی کی آب و تاب ہے۔ بیتِ ابرو، کاکلِ مشک بو، صفحۂ رخسار، نقلِ بے خار از سرتاپا، ہر شے دیوانِ وجاہت میں انتخاب ہے۔ محمود نگر میں اُن کا چھاپہ خانہ جدید ہے۔ غیاذاً باللہ چھاپا گلشنِ بے خزاں ہے کہ دید و شنید ہے۔ عقل دنگ ہے، کارخانہ کیا ہے تختۂ ارژنگ ہے۔ ایک سمت خوش نویس ثانیِ آغا میر ہفت قلم، ایک طرف فاضل صاحبِ درس و تدریس ہر ایک بے نظیر، شیر و شکر کی طرح باہم۔ ایک جا نازی تلی جسے دیکھ کر جی بے کل ہو گیا ہے۔ کیا کہوں، ہوا اترتی چلی جاتی ہے۔ اگر ایک کاپی میں ہاتھ کانپے، یہ دخل ہے جو

بے دریافت کیے دس فقرے نکالے۔ اس کی بدگمانی کو، کارِ مانی کہوں بدگمانی ہے۔ بہزاد کی عقل کو حیرانی ہے۔ پرزے پرزے پر جِلا ہے، صفا ہے، یدِ سحر کا ڈھلا ہے۔ کہیں پتھر صاف صاف شفاف، جن کے سنگ کا، ترشنگوں نظر نہ آئے، مردمِ دیدہ اگر اس کی صفا کو نظر بند کریں، آنکھ پھسل جائے۔ ہر پتھر ہم سنگ، کوہِ طور ہے۔ کسی پر جلی لکھا، کوئی قلم سے مسطور رہے۔ کاری گر ہر ایک سرگرمِ فرماں روائی ہے۔ کتبِ کہن از سرِ نو زندہ ہوتی ہیں، ثبوتِ اعجازِ مسیحائی ہے۔ سُبک دست، چُست و چالاک اُستاد ہیں۔ طبعِ بلند اُن کا مطبوعِ دل پسند، اپنے کام میں ذی استعداد ہیں۔ لن ترانی کہتا ہوں، نئی تشبیہ ہاتھ آئی ہے، جیلن کی سیاہی میں صاف کیفیت روشنائی ہے۔ قریم ہر ایک مرقع کی تصویر ہے۔ لکھا مٹتا نہیں، گویا خطِ تقدیر ہے۔ الٰہی جب تک فلک کی کل چلتی رہے اور کارخانہ چرخِ زنگاری رہے، یہ کارفرما سلامت رہے، کارخانہ جاری رہے۔

بندۂ کم ترین تلامذہ اور خوشہ چینِ خرمنِ سخن جنابِ قبلہ و کعبہ اُستاد و شاگرد نواز، معزز و ممتاز، مجمعِ فضل و کمال، نیک سیرت فرخندہ خصال، خرد آگاہ دانش آموز، یادگارِ جنابِ میر سوز، عرفیِ عصر، سعدیِ زماں، رشکِ انوری و خاقانی [آغا] نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی تخلص نوازش کا ہے۔ حقیقتِ حال یہ مقام ہے کہ طرزِ ریختہ اور روزمرۂ اُردو کا اُن پر ختم ہے۔ شعر اُن کے واسطے وہ شعر کی خاطر موزوں ہیں۔ کہنے کے علاوہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے: اگر طفلِ مکتب کا شعر زبانِ معجز بیان سے ارشاد کریں، فیضِ دہان، تاثیرِ بیان سے زینتِ طبعِ سحبان وائل ہو۔ فی زمانہ تو کیا، سابقین جو موجدِ کلام، کوسِ لمن الملکی بجاتے تھے۔ اُن کے دیوانوں میں دس پانچ شعر

(حاشیہ صفحہ ۹۲ پر)

تناسبِ لفظی یا صنائع بدائع کے ہوں گے، وہ ان پر نازاں تھے اور متأخرین تحریر انھیں سند گردانتے ہیں؛ لہٰذا جس شخص کو فہم کامل یا اس فن میں مرتبۂ کمال حاصل ہو، اور طبع بھی عالی ہو، آپ کا دیوان بچشمِ انصاف و نظرِ غور سے دیکھے، کوئی غزل نہ ہوگی جو ان کیفیتوں سے خالی ہو۔ ہر مصرع گواہِ ہزار صنعت، ہر شعر شاہدِ لاکھ معنی، بالکیفیت۔ مطلع سے مقطع تک ہر غزل پری کی صورت، اکثر اشعار آپ کے نثر کا دمیں تیمناً بہ طریقِ یادگار بندے نے لکھے ہیں۔ جہاں لفظِ استاد ہو، وہ آپ کا شعر ہے، یاد رہے۔

باعثِ تحریر اجزائے پریشاں و سرگذشتِ مجمعِ دوستاں، متکلف ہونا محبوب کا، بیان داستانِ مرغوب کا

حسبِ اتفاق، ایک روز مع چند دوستِ صادق و محبانِ صفا کیش و موافق باہم بیٹھے تھے۔ مگر نیرنگیِ زمانۂ ناہنجار اور کج رویِ فلکِ سفلہ پرور، دوں نواز، جفا شعار سے سب یہ دلِ حزیں و زار، اور بہ ہجومِ اندوہ و یاس سے اور بہ کثرتِ حرمان و افکار سے، کہ ہر دم یہ پاس تھے، دل گرفتہ، سینہ ریش اور اداس تھے۔ یہ انھوں نے کہا کہ "شعبدہ بازیِ چرخِ نیلی فام [چنبری] از زمانِ آدم [علیہ السلام] تا ایں دم یوں ہی چلی آتی ہے" اور تفرقہ پردازی اس کی، سوائے رنج و محن زیادہ مشہور ہے۔ یہ اور برائی ہے، مگر یہی غنیمت

(حاشیہ صفحہ ۱۶)

۱؎ اشارہ ہے آیۂ لِمَنِ الْمُلْک۔ پارہ ۲۴، سورۂ مومن ۴۰، آیت ۱۶ کی طرف۔ "آج کس کی بادشاہت ہے؟"

جانیے اور لازم ہے کہ اس کا بڑا احسان مانیے کہ اس دم تم ہم، باہم تو بیٹھے ہیں۔ [بہ قولِ] اُستاد ؎

جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں، سُنو یہ دم غنیمت ہے
یہ ہنسنا بولنا ہو جائے تو کیا کم غنیمت ہے

اور واقعی شدّتِ رنج و الم میں، دوستِ صادق، یارِ موافق، ہم نشیں ہو تو الم خیال میں نہیں آتا [دل بہ ہر کیف بہل جاتا ہے] اور صحبتِ غیرِ جنس میں اگر تختِ سلطنت میسّر آئے، تختۂ تابوت سے بدتر ہو کے کاٹے کھاتا ہے۔ سعدی ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

لیکن زمانے کی عادت یہی ہے کہ با وجودِ کثرتِ غم و شدّتِ اندوہ و الم دو شخص باہم نہیں دیکھ سکتا۔ مرزا [رفیع سودا] ؎

پھینکے ہے منجنیقِ چرخ، تاک کے سنگِ تفرقہ
بیٹھ کر ایک دم کہیں، ہنس دیں، جو ہم کلام دو

جب سلسلۂ سخن یہاں تک پہنچا، اس زمرے میں ایک آشنائے باصفا، پُرمزہ بندے کے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا: "اس وقت تُو کوئی قصّہ یا کہانی بہ شیریں زبانی، ایسی بیان کر، کہ رفعِ کدورت و جمعیتِ پریشانیِ طبیعت ہو، اور غنچۂ سربستۂ دل، [جو] ہُجومِ حوادث سے مُضمحل ہے، بہ اہتزازِ نسیمِ تکلّم، کھِل جائے۔"

فرماں بردار نے بہ جُز اقرار، انکار مناسبِ وقت نہ جانا، چند کلمے گوش گزار کیے۔ "اگرچہ گریہ کردن رادل خوش می باید" مگر اس نظر سے کہ۔

مصرع: ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

یہ فسانہ اُنھیں بہت پسند آیا، کہا۔ "اگرچہ بہ دل جمعی تمام، تو اس قصۂ پراگندہ کو از آغاز تا انجام، زبانِ اُردو میں فراہم اور تحریر کرے تو نہایت منظورِ نظرِ اہلِ بصر ہو، لیکن تقصیر معاف ہو، لغت سے صاف ہو۔"

بندے نے کہا۔ "طبیعتِ ابنائے روزگار بیشتر متوجہِ عیب جوئی و ہنر پوشی ہے۔ بہ قولِ دلگیر

شعر ؎ قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر
اور یہاں حسن شناسانِ سخن تھوڑے ہیں"

وہ بولے۔ "چشم داشتِ صلہ، طلبِ اُجرت کسی سے متصوّر نہیں، فقط ہماری خوشی مدِ نظر رکھو، جیسا مطلب دیا بس کہے گا، ہمیں پسند ہے۔ بہ شرطے کہ جو روزمرّہ اور گفتگو ہماری تمھاری ہے، یہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ رنگینیٔ عبارت کے واسطے دقت طلبی اور نکتہ چینی کریں، ہم ہر فقرے کے معنی فرنگی محل کی گلیوں میں پوچھتے پھریں۔"

نیاز مند نے کہا۔ "یہ تو مقدمہ تحریر ہے، اگر سر سرکار کے کام آئے، جائے تقریر نہیں۔ مگر جلدی نہ کرنا، فرصت میں لکھوں گا۔"

وہ تو یارِ شاطر نہ بارِ خاطر تھے، کہا۔ "اچھا۔" فقیر کو اُسی دن سے ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا۔ عدمِ فرصت سے نہ لکھتا تھا۔ آخر الامر بہ مقتضائے عادت تلاشِ معاش کے حیلے میں، فلکِ تفرقہ پرداز، گردونِ عربدہ ساز نے، صورت مفارقت کی دکھائی، مہاجرت [وطنِ آوارہ کی] استقبال کو آئی۔ مسرت

؎ بہ وقتِ لقمہ خوردن اے مسرت گفت لبہا کم
کہ روزی می کند از ہم جدا یارانِ ہم دم را

ربیع الثانی کے مہینے میں کہ سنہ ہجری نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ سو چالیس تھے، آنے کا اتفاق مجبور کردہ کان پور میں ہوا۔ بس کہ یہ بستی [ویران] پوچ و بے تجربے۔ اشراف یہاں عنقا صفت ناپیدا ہیں۔ احیاناً جو ہوں گے تو گوشہ نشین، عزلت گزیں۔ مگر چھوٹی امت کی بڑی کثرت دیکھی۔ یہ طور دیکھ کر دلِ وحشت منزل [اس مقام سے] سخت گھبرایا، کلیجا منہ کو آیا۔ قریب تھا جنون ہو جائے، تیرہ بختی سے روزِ سیاہ پیش آئے۔ لیکن بہ شربتِ عنایت و معجونِ شفقت، ارسطو فطرت، بقراط حکمت، [حسار دیار و زمانہ دیدہ، تجربہ رسیدہ] حکیم سید اسد علی صاحب شیر بیشۂ علم وکمال [معدنِ قال و مقال] سخن فہم، ظریف [طبع] خوش خصال، طبع دوا نیز اور سر جنوں انگیز، کو آرام و تسکین حاصل ہوئی۔ وہ [اکثر] حالِ فقیر، دل گیر پر الطاف و کرم فرماتے تھے [تشریف لاتے تھے] تدبیریں نیک و احسن، دافعِ رنج و محن بتاتے تھے۔ ایک روز ان سے بعد اظہارِ حال، مکلف فسانہ دوستی یہ بھی کہا کہ "[حسب وعدہ] ایک کہانی لکھا چاہتا ہوں۔" سن کے [یہ] فرمایا۔ "بے کار نشیاں کچھ کیا کر۔"

میرؔ

میرؔ نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے

نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیے

اس وقت یہ کلمہ توسنِ طبع کو تازیانہ ہوا [تحریر کا بہانہ ہوا]۔ اگرچہ اس ہیچ میرز کو یہ یارا نہیں کہ دعوائے اردو زبان برلائے، یا اس فسانے کو بہ نظر نثاری کسی کو سنائے۔ اگر شاہ جہاں آباد کہ مسکن اہلِ زبان، کبھی بیت السلطنت ہندوستان تھا، وہاں چندے بود و باش کرتا، فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا [مقرر] دم بھرتا۔ جیسا میر امن صاحب نے [قصہ] چار درویش کا باغ و بہار نام رکھ

کے خار کھایا ہے، بکھیڑا اچھایا ہے، کہ ہم لوگوں کے ذہن کے حصے ہیں یہ زبان آئی ہے مگر بہ نسبت مؤلّفِ اوّل عطا حسین خاں کے، سو جگہ منہ کی کھائی ہے، لکھتا تو ہے کہ ہم دلّی کے روڑے ہیں، بر محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے، مفت میں تیک بدنام ہوتا ہے۔ بشر کو دعوا کب سزاوار ہے، کاملوں کو بیہودہ گوئی سے انکار، بلکہ ننگ و عار ہے، مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید، وہی مثل سُننے میں آئی کہ اپنے منہ سے دھنا بائی۔ لیکن تحریر اس کی الفاے تقریر ہے، یہ قصہ دل چسپ، بے نظیر ہے۔

[القصہ] اُمید ناظرین پُر تمکین سے یہ ہے کہ بہ چشمِ عیب پوشی و نظرِ اصلاح ملاحظہ فرما کر، جہاں سہو یا غلطی پائیں، با اصلاح مُزیّن فرمائیں۔ کیسی ہی طبیعت عالی ہو، ممکن نہیں جو بشر خطا سے خالی ہو۔ اس کے مطالعے سے خاطر عاطر شاد کریں، عاصی کو دُعاے خیر سے یاد کریں۔ نیازمند کو اس تحریر سے نمودِ نظم و نثر و جودتِ طبع کا خیال نہ تھا، شاعری کا احتمال نہ تھا۔ بلکہ نظرِ ثانی میں جو لفظ بہ دقّت طلب، غیر مستعمل، عربی یا فارسی کا مشکل نظر آیا، اپنے نزدیک اُسے دور کیا، اور جو کلمہ سہلِ ممتنع [روزمرے یا] محاورے کا تھا، وہ رہنے دیا۔ دوست کی خوشی سے کام رکھا، "فسانۂ عجائب" اس کا نام رکھا۔ اَنَّہٗ المُبدِعُ[1] وَ اِلَیہِ المَآبُ، عنایتِ ایزدی سے تمام ہوئی کتاب۔

آغازِ داستان، نادر بیان، صاحبِ سریرِ سلطانی، مالکِ دیہیمِ کامرانی، زینتِ تاج و تخت، شاہنشاہِ گردوں بارگاہ

---

[1] وہی اللہ امید ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔

شاہِ فیروز بخت، اور پیدا ہونا شاہ زادہ جانِ عالم کا، اور شادی ماہ طلعت سے

اُستاد — مثل ہی ہے نہ الفاظِ تلازم ہے یہ خالی ہے
ہر اک فقرہ کہانی کا گواہِ بے مثالی ہے
لا اعلمُ — یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ
سُن رکھو تم، فسانہ ہیں ہم لوگ[1]

گرہ کشایانِ سلسلۂ سخن و تازہ کنندگانِ فسانۂ کہن، یعنی محرّرانِ رنگیں تحریر، و مورخانِ جادو تقریر نے، اشہبِ جہندۂ قلم کو میدانِ وسیع بیان میں باکرشمۂ سحر ساز و لطیفہ ہائے حیرت پرداز گرم عنان و جولان یوں کیا ہے کہ سرزمینِ ختن میں ایک شہر تھا مینو سواد، بہشت نژاد، پسندِ خاطرِ محبوبانِ جہاں، قابلِ بود و باشِ خوبانِ زماں، شمیم صفت، اس کی معطّر کُنِ دماغِ جان، مسکّنِ التہابِ قلب، دافعِ خفقان۔ زمین اس کی رشکِ چرخِ بریں، رفعت و شانِ چشمک زنِ بلندیِ فلکِ ہفتمیں، گلی کوچہ خجلتِ دِہِ گلشن، آبادی گلزارِ نیسانِ تختۂ چمن۔ بازار ہر ایک بے آزار، مُصفّا ہموار، دُکانیں نفیس، مکان نازک [اور] پائدار، خلقِ خدا با خاطرِ شاد، اُسے قسمت آباد کہتی تھی۔ سب طرح کی خلقت، [ہر طور کی رعیت،] رغبت سے اُس میں رہتی تھی۔ والیِ مُلک وہاں کا شاہِ گردوں وقار، پُر تمکین با افتخار، سکندر سے ہزار خادم،

---

[1] منتظر لکھنوی شاگردِ مصحفی۔ دیوانِ منتظر (قلمی)، مخزونہ کتب خانۂ ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

دارا سے لاکھ فرماں بردار، قُبادِ شوکت، کاؤس حشم، مالکِ تاج و تخت، والا مرتبت، عالی مقام، شاہنشاہ فیروز بخت نام۔

موجِ بخشش سے اُس بحرِ جُود و عطا کے [ہزاروں] ساکنانِ لب تشنہ سیراب اور نائرۂ غضب کے شعلے سے [لاکھوں] دشمنِ بدباطن، جگر سوختہ بے تاب۔ دبدبۂ داد دہی و غلغلۂ عدالت سے، دشمن دوستِ جانی۔ چور مسافر کے مال کا نگہبان۔ ڈکیتوں کو عہدۂ پاسبانی۔ مُلک وافر، سپاہ افزوں از قیاس، خزانہ لاانتہا، [بے کراں]۔ وزیر و امیر جاں فشاں، تاج بخش و باج ستاں، محتاج اور فقیر کا شہر میں نام نہیں۔ داد و فریاد، آہ و نالہ سے کسی کو کام نہیں۔ رعیت راضی، سپاہ [سر فروش]، جاں نثار، دوست شاداں، دشمن خائف۔ شمع کا چور سرِ محفل لرزاں۔ اس نام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پاتا تھا۔ دزدِ حنا کا رنگ نہ جمتا تھا۔ سرِ دست ہاتھ باندھا جاتا تھا۔ آنکھ چرانے سے لوگ چشمک کرتے تھے۔ کارِ خیر سے اگر کوئی جی چراتا تو نامردی کی تہمت اُس پر دھرتے تھے۔

لیکن باایں حکومت و ثروت، کاشانۂ اُمید کا چراغ گُل [تھا]، اولاد بالکل نہ تھی۔ خواہشِ فرزندِ دلبند نہ ہونے کی کاہش متصل۔ حسرتِ پسر میں رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ۔[1] ہر ساعت بر زبان، رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا[2] وظیفۂ زبان۔ لڑکے کی تمنا میں بادشاہ

---

[1] پارہ ۱۷۔ سورۂ انبیاء آیت ۸۹۔

ترجمہ: پالنے والے مجھے تنہا نہ چھوڑ (لاولد) اور تُو تو تمام وارثوں سے بہتر ہے۔

[2] اشارہ ہے پارہ ۱۶۔ سورۂ مریم آیت ۵۔ (بقیہ حاشیہ ۶۹ پر)

مثلِ گدا دست دراز۔ ایسا لاپروا، بے نیاز کی قدرت سے با نیاز۔ آخرش جنابِ باری میں تضرّع و زاری اُس کی منظور ہوئی۔ لاولدی کی بدنامی دور ہوئی۔ ساٹھ برس کے سن میں، بڑھاپے کے دن میں ایک گوہرِ آب دار، دُرِّ شاہ وار، صدفِ بطنِ بانوے خجستہ اطوار سے پیدا ہوا، چھوٹا بڑا اُس کی صورت کا شیدا ہوا۔

اُس رُوح افزا کا فیروز بخت نے جانِ عالم نام رکھا، شب و روز پرورش سے کام رکھا۔ حُسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیّرِ اعظم چرخِ چہارم پر رعبِ جمال سے تھرّایا، اور ماہ، باوجودِ داغِ غلامی، تابِ مشاہدہ نہ لایا۔ اُس نقشِ قدرت پر تصوّر مانی و بہزاد حیران، اور صنّاعی آزری، ایسے لعبتِ حقیقت کے روبرو پشیمان، کاسۂ سر، سراسر شورِ جوانی، زورِ شباب سے معمور، آنکھیں جھپکانے والی دیدۂ غزالانِ ختن کی، شرابِ عشق کے نشے سے چکنا چور۔ چہرے پر جلالِ شاہی شوکتِ جہاں پناہی نمایاں، حُسنِ درخشندہ کی تڑپ، بہ از انجم و اخترِ تاباں۔ مصحفیؔ ؎

اُسے دیکھ طفلی میں کہتی تھی دایہ
یہ لڑکا طرحدار پیدا ہوا ہے

مرزا قتیلؔ ۔۔۔ ع پارہ خواہد شد ازیں دستِ گریبانے چند

لکھا ہے کہ جب وہ مہرِ سپہرِ سلطنت، بُرجِ حمل سے جلوہ افروز ہو، زینت بخشِ کنار مادر و زیب دہِ آغوشِ دایہ ہوا، درِ خزانہ و محبس کُھلا۔ ہزارہا قیدی رہا نہ

(بقیہ صفحہ ۶۸)

ترجمہ: پالنے والے تو مجھے اپنی بارگاہ سے ایک جانشین (فرزند) عطا فرما۔

اپنے گھر آیا اور سیکڑوں لونڈی غلام نے فرمانِ آزادی پایا۔ شہر میں محتاج
ناپیدا تھا، مگر اشرفی روپیا حاجیوں کے واسطے مکہ معظمہ اور زائروں کی خاطر
کربلائے مکرم میں [اپے ہم] بھیجا۔ ایک سال کا خراج رعیت محتاج کو معاف
ہوا۔ شہزادے کے نام کے گنج آباد ہوئے۔ مسجدیں، مدرسے، مہمان سرا،
مسافر خانے تعمیر ہوئے۔ اہلِ شہر دل شاد ہوئے۔ نجومی، پنڈت، جفر دان
حاضر ہوئے۔ بہت سوچ بچار کر [پہلے] ا۔ رہمنوں نے عرض کی "مہاراج کا بول
بالا، جاہ و حشم مرتبہ دو بالا، اعلا رہے۔ ہماری پوتھی کہتی ہے بھگوان کی دیا سے
شہزادے کا چندرماں بلی ہے، چھٹا سورج ہے، جو گرہ ہے وہ بلی ہے۔ دیگ
تیگ کا مالک رہے۔ دھرم مورت یہ بالک رہے۔ جلد راج پر براجے۔ پرتھمی میں
دھوم مچے، ایسی شادی رچے۔ مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئے گی۔
سنیچر پاؤں پڑے گا۔ ایک پکھیرو سوئے کے بن میں ہاتھ آئے گا۔ تریا کی
کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ راج پاٹ چھوڑ، دیس سے بدیس نے جائے
گا۔ نگر میں شہزادہ بھٹکے [گا] کوئی انس پاس نہ پھٹکے [گا]۔ ساتھی چھٹیں،
اپنے ڈیل سے ڈانواں ڈول رہے۔ پھر ایک منکھ ٹھاکر کا بیوک کرپا کرے، راہ
لگائے۔ کوئی کامنی لوبھی ہو، کشٹ دکھائے۔ وہاں سے جب چھٹے، رانی مہاسند
رئے۔ وہ چرن پر پران وارے۔ پتا اس کا گیانی، گن کی تھتی دے۔ اس سے کئی کچھ
ارہے دکھ میں آڑے آئے، بگڑے کاج بنائے۔ جب اس نگر پہنچے، جس کی
چنتا میں گھر چھوڑے تو لابھ بہت ہو، دربار کھنے ہاتھ آئیں۔ دور سب کلیس
ہو جائیں۔ پر ایک ہتی سن کا بیٹی، استری پر دو چت ہو، گھٹانی کرے۔ جھجھ پڑیں۔
زناری تریں اور کچھ جل میں بھی ہل چل پڑے۔ بری لوگ چھوٹ جائیں۔ نگر نگر
کھوج میں پھر آئیں [پھر] سب بچھڑے مل جائیں۔ ماتا پتا کے ڈھنگ آئیں۔ استری

تین ہو، دو کا پرمان رہے، ایک کی ضمین ہو۔ بڑا راج کرے، دیا دھرم کے کاج کرے۔ گُسیاں کی کرپا سے جان کی خیر ہے۔ بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے۔

یہ سُن کر بادشاہ گو نہ ملول ہوا۔ پھر مستقل مزاجی سے یہ کلمہ فرمایا۔ فِعْلُ الْحَکِیْم لَا یَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ۔ [1] ان سب کو بہ قدرِ حال، و فراخورِ کمال۔ مالا مال کیا۔ خلعت و انعام دیا [اور] بہ بشاشتِ تمام، سرگرمِ پرورش صبح و شام رہا۔ کوئی [تو] برسوں میں بڑھتا ہے، وہ نہالِ نو دمیدۂ بُستانِ سلطنت، گھڑیوں [میں] بلند و بالا ہوتا تھا۔ چند عرصے میں بہ حول و قوتِ الٰہی وہ ہاتھ پاؤں نکالے کہ دس برس کے سن میں اس غزال چشم نے ہرن کے سینگ چیر ڈالے۔ دستِ بازو میں یہ طاقت آئی کہ درندۂ فیل سست ہُوا، جوانِ رعنا، بہ چہرہ زیبا، رستم شوکت بہ مرتبہ زبردست ہوا۔ جو اس کا روئے منور دیکھتا، یہ کہتا: [2] لا اعلم

مُنھ دیکھو آئینے کا تری تاب لاسکے

خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

تصویر تیری کھینچے مصوّر تو کیا مجال

دستِ قضا تو پھر کوئی تجھ سا بنا سکے

تحصیلِ علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا، جتنے فنِ سپہ گری ہیں اُن کا مشّاق ہوا۔ [غرض کہ] جمیعِ علوم اور فنون میں طاق ہوا۔ جلّ جلالہٗ باپ ویسا، بیٹا ایسا خوب۔ محبت میں بسانِ یوسف و یعقوب۔ جب وہ ہلالِ سپہرِ شہر یاری، [بہ فضلِ بارِ کلا] بدرِ کامل ہُوا، اور چودھواں برس بھر گیا، جوانوں میں شامل ہُوا، بہ صلاح و صوابدید

---

[1] حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

[2] یہ قطعہ میر سوز دہلوی کا ہے۔

ارکانِ سلطنت و ترقی خواہانِ دولت، شادی کی تجویز ہوئی۔ بہ تلاشِ بسیار و تجسسِ بے شمار، ایک شہزادی پری پیکر، خوب صورت، نیک سیرت، حور نژاد گُل اندام، سیم بر، رشکِ سرو، غیرتِ شمشاد، ماہ طلعت نام، ذی شان والا سے مقرر ہوئی۔ وہ جو آئینِ شاہی، طریقِ فرماں روائی ہے، اسی طرح، اس کے ساتھ اُس اخترِ تابندہ کو ہم قرن کیا۔ [نکاح پڑھوا دیا۔]

ترانہ سنجیِ عندلیبِ خامۂ گُلشن، بیانِ سواری شہزادہ جانِ عالم میں اور خریدنا توتے کا، اور کج بحثی ماہ طلعت کی توتے سے اور مذکورِ حُسنِ انجمن آرا، اور شہزادے کا عاشق ہونا

بُلبُلِ نواسنج، ہزار داستان، طوطیِ خامہ زمزمہ ریز، خوش بیان گلشنِ تقریر میں یوں چہکا ہے کہ بعدِ رسمِ شادی، سیر و شکار کی اجازت، سواری کا حُکم، شاہِ ذوی الاقتدار سے حاصل ہُوا۔ [اب] گاہ گاہ شام و پگاہ، جانِ عالم سوار ہونے لگا [شکار کھیلنے لگا، سیر کرنے لگا، عالم سے دوچار ہونے لگا۔] ایک روز گزر اُس کا گُذری میں ہوا۔ انبوہِ کثیر، جمّ غفیر نظر آیا اور غُلغلۂ تحسین و آفرین از زمیں تا چرخِ بریں بلند پایا۔ شہزادہ اُدھر متوجہ ہوا۔ دیکھا ایک مردِ پیر* نحیف، ستر اسّی برس کا سن، نہایت ضعیف، پنجرا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ اُس میں ایک جانور، مانندِ ساکنانِ جناں، سبز پوش، طائرِ بے مروّت، خانہ بر دوش، بامنقارِ گُل نار، لطیفے لطیف، رنگین اور نکتے قابلِ تعریف پُرتمکین، مثالِ طوطیِ پسِ آئینہ بیان کر رہا ہے، [آدمیوں کی کثرت سے بازار بھر رہا ہے۔]

لا اعلم سہ

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

شہزادے کے دیکھتے ہی، توتا اپنے مالک سے بولا کہ "اے شخص! کوکبِ بخت تیرا، افلاس کے بُرجِ تیرہ سے نکلا، نصیب چمکا، طالع برسرِ یاری و زمانہ آمادۂ مددگاری ہُوا۔ دیکھ ایسا شہزادہ حاتم شعار، ابر گُہربار متوجہ اس مُشتِ پر، ذرۂ بے مقدار پر ہُوا ہے۔ وہ بے کار سنئے کارگاہِ بے ثبات ہیں ہوں، جس کا طالب نہیں کہیں۔ بہ حدّے کہ جانور ہوں اور بلّی کا کھاجا [نہیں] مگر جو یہ نظرِ عنایت کرے، ابھی تیرا ہاتھ پُر زر ہو، دامن گُہر سے بھرے۔"

جانِ عالم نے یہ سخنِ ہوش رُبا، کلمۂ حیرت افزا کو سُن، تو نے عقل کے اُڑا، پنجرا اُس طائرِ ہمہ داں، جانورِ سحر بیاں کا ہاتھ میں لے لیے، مالک سے قیمت پوچھی۔ توتے نے کہا۔ مولف

کب لگاتا ہے کوئی اس دلِ بے حال کا مول
سب گھٹا دیتے ہیں، مُفلس کے غرض مال کا مول

مگر جو حضور کی مرضی"۔

جانِ عالم نے لاکھ روپے، خلعت کے سوا عنایت کیے اور پنجرا ہاتھ میں لیے دولت سرا کو روانہ ہُوا۔ گھر میں جا، ماہ طلعت کو توتا دکھا، یہ مصرع انشا [انشا اللہ خاں] کا پڑھا۔ انشا

ع بازار ہم گئے تھے، اک چوٹ مول لائے

توتے نے شہزادے کو سُخنانِ دل چسپ، قصصِ عجیب، حکایاتِ غریب، شعرِ خوب، خمسہ ہائے مرغوب سُنا، اپنے دامِ محبت میں اسیر کیا۔ یہ نوبت پہنچی کہ سوتے جاگتے، دربار کے سوا، [ایک دم] جُدا نہ ہوتا۔ جب دربار جاتا پنجرا

با تاکیدِ حفاظت، ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار، بہ شوقِ گفتار بے قرار جلد پھر آتا۔

ایک دن [حسبِ دستور] شہزادہ دربار گیا، توتا محل میں رہا۔ اُس روز ماہ طلعت نے غُسل کیا اور لباسِ مکلّف سے جسم آراستہ، زیورِ پُر تکلّف سے پیراستہ ہو، جواہر نگار کرسی پر بیٹھی، ہوا جو لگی، آئینے میں صورت دیکھ [کر] خود محوِ تماشا ہوئی۔ بحرِ عُجب و نخوت میں آشنا ہوئی۔ خواصوں سے، جلیسوں سے، جو جو دم ساز، محرمِ راز تھیں، اپنے حُسن [و صورت] کی داد چاہی۔ ہر ایک نے موافقِ عقل و شعور تعریف کی۔ کسی نے کہا: "ہلالِ عید ہو"۔ کوئی بولی: "خدا جانتا ہے، دیدہ ہو نہ شنیدہ ہو، اللہ تعالیٰ نے باایں کثرتِ مخلوقات، تمھارا ہمسر از قسمِ جن و بشر بنایا نہیں، پری نے یہ قدِ بالا، حور نے یہ حُسن کا جھمکڑا پایا نہیں!"

جب وہ کہہ چکیں، ماہ طلعت نے [دل سے] کہا: "توتا بہت عقل مند، ذی شعور، سیاحِ نزدیک و دور ہے، اُس سے بھی پوچھنا ضرور ہے۔" [اِدھر] مخاطب ہوئی، کہا کہ "اے مرغِ خوش خو، طائرِ زمرّد لباس، سُرخ رو، بذلہ سنج، بے رنج، سچ کہنا، اس سج دھج کی صورت کبھی تیرے طائرِ وہم و خیال کی نظر سے گزری ہے؟ نیرنگیِ چرخِ کج رفتار، فتنہ پردازیِ گردونِ دوّار عیاں ہے۔ آگاہ سب جہاں ہے۔"

اُس وقت توتا رنجیدہ دل، آزردہ خاطر، مضمحل بیٹھا تھا، چُپ ہو رہا۔ شہزادی نے پھر پوچھا۔ توتے نے بے اعتنائی سے کہا: "ایسا ہی ہو گا ---" یہ رنڈی معشوق مزاج، طُرّہ یہ کہ شہزادے کی جورو، شہرہ مالکِ تخت و تاج، برہم ہو کے بولی: "میاں مٹھو! جینے سے خفا ہو جو ہمارے رو بہ رو چبا چبا

سے گفتگو کرتے ہو۔"

توتے نے کہا: "سوال و جواب اور دھمکاتا اور حکومت سے ڈراتا اور غصے کی آنکھ دکھاتا اور ہے، کیوں الجھتی ہو، شاید تمہیں بھی ہو۔"

پھر تو شعلۂ غضب کا تنورِ سینۂ شہزادی میں مشتعل ہوا [کباب دل ہوا] کہا: "کیوں جانورِ بے تمیز [مُشتِ پَر] ناچیز تیری موت آئی ہے کیا بے ہودہ بیں بیں مچاتی ہے۔ ذاتی [تباہی] ایک راہ ہے۔ ہمارا مرتبہ [پاس ادب] نہیں سمجھتا ہے!"

توتے کے منہ سے نکلا: "کیوں اتنی [بدمزہ اور] خفا ہوتی ہو، اپنا منہ ملاحظہ کرو، صاحب تم بڑی خوب صورت ہو۔"

یہاں تو یہ تھیں، نہیں لگتی کہ جہانِ عالم تشریف فرما ہوا۔ عجیب صحبت دیکھی کہ شہزادی بچشمِ پُر آب و بہ دلِ کباب، غیظ میں آ، کفر اکفرا توتے سے بحث رہی ہے۔

شہزادے نے فرمایا: "خیر باشد؟"

توتا بولا: "آج ذاتِ شریف، خیر بخیر آمد گر چند بے حیاتِ مستعار اس دشتی کی، اور آپ وو دانۂ قفس [میں] پینا کھانا باقی تھا، اگر آپ اور گھڑی بھر دیر لگاتے، تشریف نہ لاتے، تو میرا طائرِ روح گرُبۂ غضب شہزادی سے مجروح ہو، پرواز کر جاتا۔ [غلام کو] ہرگز جیتا نہ پاتے، مگر پنجرا خالی دیکھ [کے] [مزاجِ عالی پریشان [درہم] ہوتا، بحسرت و افسوس یہ فرماتے۔ انشاء ح

توتا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا[1]

(حاشیہ صفحہ ۷۶ پر)

ماہ طلعت ان باتوں سے [اور] زیادہ مُکدّر ہوئی، شہزادے سے کہا کہ "اگر میری بات کا [یہ] تو صاف جواب نہ دے گا، تو اس نگوڑے کی گردن مروڑ اپنے تلووں سے اس کی آنکھیں ملوں گی؛ جب دانہ پانی کھاؤں پیوں گی۔"

جانِ عالم نے کہا: "کچھ حال تو کہو۔"

توتے نے گزارش کی کہ "حضور! یہ مقدمہ غلام سے سُنیے "آج شہزادی صاحب اپنی دانست میں بہت نکھر۔ بقا: ع

دیکھ آئینے کو کہتی تھیں کہ اسندری ہیں[۲]

پھر مجھ سے فرمایا کہ "تو نے ایسی صورت کبھی دیکھی تھی؟ مجھ اجل رسیدہ کے منھ سے [رو میں] نکلا، خدا نہ کرے۔ [بس] اس جُرمِ قبیح پر، [میں] ناکردہ گناہ شہزادی کے نزدیک کُشتنی، سوختنی و گردن زدنی ہوں، بہ قولِ میر تقی [میرا]۔

شعر:

بے جُرم تہہِ تیغ ہی رکھتا تھا گلے کو
کچھ بات بُری منھ سے نہ نکلی تھی بھلے کو

جانِ عالم نے کہا: "تم بھی کتنی عقل سے خالی، حُمق سے بھری ہو، تم تو

(حاشیہ صفحہ ۷۵)

[۱] بہ تغیر الفاظ یہ مصرع میر سوز کے ایک قطعہ بند کا ہے۔
دیکھیے اردو ے معلیٰ میر سوز نمبر ص۱۳۱

[۲] بہ تغیر الفاظ یہ مصرع شیخ بقا اللہ بقا کا ہے۔ دیکھیے دیوانِ بقا۔ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی ص۲۱

پری ہو، [اور] جانور کی بات پر اتنا آزردہ ہوتا، گو، گویا ہے، پھر طائر ہے [نادانی اس کی ظاہر ہے۔]"

میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی، آنکھ بدل کے روکھی صورت بنائی اور ٹیں سے بولے، "خداوند نعمت! جھوٹ جھوٹ ہے، سچ سچ ہے، ہم سر جس کا کوئی نہیں، وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے، اس کے سوا ایک سے ایک بہتر اور برتر ہے۔ [سب کو یہ خبر ہے]۔ وہ خود فرماتا ہے۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1] میں نے تو جھوٹ اور سچ دونوں سے بچ کر ایک کلمہ کہا تھا، اگر راستی پر [نہ] ہوتا، گردن کج کیے، سیدھا گھر میں سوتا۔ یہ سن کے وہ اور بھی مجبور ہوئی مثل مشہور ہے، راج ہٹ، تریا ہٹ، بالک ہٹ۔

جانِ عالم نے مجبور ہو کے کہا، "جو ہو سو ہو، مٹھو پیارے سچ کہہ دو۔"

توتے نے بہ منت عرض کی، "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" مجھ سے سچ نہ کہلوائیے، میرا منہ نہ کھلوائیے، انہیں انجام راستی [میں] حضور کے دشمنوں کو دشت نوردی، بادیہ پیمائی، غریب الوطنی، کوچہ گردی نصیب ہوگی۔"

شہزادے نے کہا، "یہ جملہ تم نے اور نیا سنایا اب جو کچھ کہنا ہے کہا چاہیے، بہت باتیں نہ بنائیے۔"

اُس نے کہا، "میں نے ہر چند چاہا، آپ رنج سفر، مصائب شہر بہ شہر ایذائے غربت سے باز رہیں، کہ سفر اور سقر [میں نقطے کا فرق ہے مگر] صورت

---

[1] پارہ ۱۵۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۱۔
ترجمہ: ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

ایک ہے۔ [بہرکیف] اُس سے بچنا نیک ہے، مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مُقدر میں یہ اَمر لکھا ہے، میرا قصور اِس میں کیا ہے۔ [مرزا] رفیع سوداؔ[1]

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

سُنیے قبلۂ عالم! یہاں سے برس دن کی راہ، شمال میں ایک ملک ہے عجائب زرنگار، ایسا خطّہ ہے کہ مرقّعِ خیالِ مانی و بہزاد میں نہ کھنچا ہوگا، اور پیرِ دہقانِ فلک نے مزرعۂ عالم میں نہ دیکھا ہوگا۔ شہر خوب، آبادی مرغوب، رنڈی، مرد، حسین، طرح دار، مکان بلّور کے، بلکہ نور کے، جواہر نگار، عقل باریک بیں، مشاہدے سے دنگ ہو۔ خلقت اس کثرت سے بستی ہے کہ اس بستی میں وہم۔ فکر کو عرصہ تنگ ہو۔ خورشید ہر سحر، اُس کے دروازے سے ضیا پاتا ہے، بدر، کامل اُس شہر میں [دو دن نہیں رہتا]، غیرت سے کاہیدہ ہو [ہو] ہلال نظر آتا ہے۔ وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا۔ اس کا تو کیا کہنا! کہاں میری زبان میں طاقت اور دہان میں طلاقت، جو شمّہ مذکورِ شکل و شمائل اُس زُہرہ جبیں، فخرِ لعبتانِ لندن و چین کا سُناؤں۔ اُستاد؎

ایک ہیں ہم کیا خوب! اگر دیکھے اُسے حسن آفریں
اپنی صناعی پہ حیراں خود وہ صورت گر رہے

---

[1] قدرت اللہ قاسم نے یہ شعر (بہ تغیرِ الفاظ) جعفر علی خاں ذکی سے منسوب کیا ہے۔ جو یوں چھپا ہے؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر اگر سیتی رہے

تذکرہ مجموعہ نغز۔ ص ۲۶۲

لیکن سات سے خواص، زریں کمر، تاجِ دلبری بر سر، ماہ رو، عنبریں مو، سر گروہِ خوبانِ جہاں، جانِ جاں، آرامِ دلِ مشتاقاں، اس کی خدمت میں شب و روز سرگرمِ خدمت گزاری، بڑی تیاری سے رہتی ہیں۔ اگر اُن کی لونڈیوں کو شہزادی صاحب بہ نظرِ انصاف دیکھیں، اور کچھ غیرت کو بھی کام فرمائیں، یقین تو [یہ] ہے کہ چُلّو بھر پانی میں محجوب ہو کے ڈوب جائیں۔"

ماہ طلعت [تو] یہ سُن کے سُن ہوئی، سر جھکا لیا۔ جانِ عالم [کچھ اور ہی دُھن ہوئی] پنجرا [ہاتھ میں] اُٹھا لیا، اور دیوان خانے میں لے جا، مفصل حال دریافت کرنے لگا۔ [جی کا حال کچھ اور ہی ہو گیا]، ہر دم، دمِ سرد [دلِ پُر درد سے] بھرنے لگا۔ [بہ قولِ] مولوی جامی سے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد
درآید جلوۂ حُسن از درِ گوش　　زِ جاں آرام بُرباید ز دل ہوش
زِ دیدن ہیچ اثرے درمیانہ　　کُند عاشق کساں را غائبانہ

توتے کو شہزادے کی طرزِ گفتگو، رنگِ رو، آنکھ کی تری، ہونٹھ کی خشکی، دل کی دھڑک، کلیجے کی پھڑک سے کہ یہ نشانِ عشق، گُمانِ خبط سب ہیں، ثابت ہُوا کہ شہزادے کا دل پُرزے پُرزے اور دماغ [کا ایاغ بادہ] عقل سے خالی ہُوا، خیالِ محال وِصال انجمن آرا ابھرا۔ [خُوب عالی ہُوا] سخت نادم و خجل ہو کے دل سے کہا: "کم بخت زبان نے، حُسن کے بیان سے غضب کیا، منتر کارگر ہوا، پڑھا جن سر پر چڑھا، حضرتِ عشق کا گزر ہُوا۔" چاہا کہ بہ لطائف الحیل اس عزمِ بے جا سے باز رکھّے، [عشق اور عقل میں امتیاز رکھّے۔

گھبرا کر کہا۔ ”اے نادان، دشمنِ جان! یہ قصد لاحاصل ہے، عمداً اس کوچے میں پاؤں نہ دھر، اپنے خون سے [اپنے] ہاتھ نہ بھر۔ بہ قولِ مؤلف سے

خدا کو مان، نہ لے نام عاشقی کا سرور
کہ منفعت میں بھی اس کے ہیں سو ضرر پیدا

[مفصل] بیان اس کا محال ہے، مگر مختصر سا یہ حال ہے۔ عقل اس کام میں دور ہو جاتی ہے، وحشت نزدیک آتی ہے۔ لب خشک، چشم تر، چہرہ زرد، دل خون ہوتا ہے، بھوک پیاس مر جاتی ہے، خواب میں نیند نہیں آتی ہے۔ جانِ شیریں تلخ ہو، کلیجے میں درد، آخر کو جنون ہوتا ہے، لختِ جگر کھاتا ہے، خونِ دل پیتا ہے، مر مر کے جیتا ہے۔ رقیبوں کے طعنوں سے سینہ فگار رہتا ہے، لڑکوں کے پتھروں سے سر [کا رنگ] گلنار ہوتا ہے۔ دن کو ذلت و خواری، رات کو انتظار میں اختر شماری، بے قراری سے قرار [رہتا ہے۔ [اپنے بیگانے کی نظر میں ذلیل و خوار رہتا ہے۔ جنگل میں [منگل یعنی] جی لگتا ہے، بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے۔ در بہ در پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے، تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دل جلتا ہے، دیدے سے دریا اُبلتا ہے [سینہ آتشِ غم سے تنور رہتا ہے، آنکھوں سے طوفان کا ظہور رہتا ہے۔ عقل کا چراغ گل، تپِ فراق سے دل جلتا ہے۔] نخلِ تمنا بے برگ و بار رہتا ہے، پھولتا ہے نہ پھلتا ہے۔ جوانی کا گھن، پیری تک اُدھیڑ بن رہتی ہے۔ گونگا بہرا [بے بہرہ] بن جاتا ہے۔ [ہر دم] طبیعت سُن رہتی ہے۔ ابھی پہلی بسم اللہ ہے۔ ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو، لب پر آہ ہے، دیکھا نہ بھالا ہے، سینے کے پار عشق کا بھالا ہے۔ آئینہ ہاتھ میں لے کے منھ تو دیکھو، نقشہ کیا ہے۔ معشوق باوفا گوہرِ سرخ [اور] لعلِ سفید سے نایاب سوا ہے، کہاں ملتا ہے۔ خاک میں ڈھونڈھتے

ڈھونڈتے خواہاں ملتا ہے۔ [اور] یہ جو زمانے میں مشہور بامہر و وفا ہیں، [بے وفا] بانیِ صد جور و جفا ہیں۔ عشق کم بخت بے پیر ہے۔ اوا نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے۔ سُنا نہیں، کوہکن نے جانِ شیریں کس تلخی سے کھوئی؟ یوسف کی چاہ میں زلیخا نے کیسے کنوئیں جھانکے۔ کیا کیا روئی۔ مجنوں کو اس دشت میں جُنوں ہُوا، لیلیٰ کا کیا بگڑا؟ پرویز کا اس کوچے میں خُون ہوا، شیریں نے کیا کیا۔ افسوس تو ہے کہ اتنا بھی کوئی نہ سمجھا! جامی ؎

غم چیزے رگِ جاں راخراشد
کہ گاہے باشد و گاہے نہ باشد

ذلت اس کام میں [عین] عزت ہے، درد کا نام یہاں راحت ہے۔ دل اس کش مکش میں ٹوٹ جاتا ہے، رستم کا اس معرکے میں جی چھوٹ جاتا ہے۔ اسفندیار سا روئیں تن ہو تو موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے، حسرت ہی حسرت رہ جائے۔ لوگوں نے ہزاروں رنج [اور] صدمے اس کام میں اُٹھائے، بعدِ خرابیِ بسیار یہی نا تجربہ کار کہلائے۔ لیکن یہ وہ بُرا کام ہے، [ناکامی جس کا آغاز، بدنامی انجام ہے]۔ اس میں مشاق ہو یا مُبتدی دونوں کی رائے ایک سی ہوتی ہے۔ [صدمۂ دوری، اَلَمِ حضوری، دونوں کو شاق ہے]۔ اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے۔ مؤلف ؎

مرضِ عشق میں کوئی دوست گرفتار نہ ہو
دوست تو دوست ہے دُشمن کو یہ آزار نہ ہو

مُسَدَّس

کیا میں اس کافرِ بدکیش کا احوال کہوں

یہی خوں خوار پیا کرتا ہے عاشق کا خوں
زار کر دیتا ہے انسان کو یہ اور زبوں
رفتہ رفتہ یہی پہنچاتا ہے نوبت بہ جنوں
یہی خوں ریز تو خوں خوار ہے انسانوں کا
دین کھوتا یہی کافر ہے، مسلمانوں کا

یہی کرتا ہے ہر اک شخص کو رسوا ظالم
یہی کرتا ہے ہر اک چشم کو دریا ظالم
کوہ دکھلاتا ہے گاہے، گہے صحرا ظالم
کیا بتاؤں تمھیں کرتا ہے یہ کیا کیا ظالم
در بہ در، خاک بہ سر، چاک گریباں کر کے
جان لیتا ہے، ولے، بے سر و ساماں کر کے

یہی بانی تو زلیخا کی بھی تھا خواری کا
یہی باعث دمن و نل کی ہُوا یاری کا
یہی فرہاد کا حامی تھا، تبر زاری کا
عشق کہیے نہ اسے، قہر ہے یہ باری کا
تلخ کامی ہوئی شیریں کو اسی سے حاصل
کیے بے پردہ وہ برباد ہزاروں محمل

اس نے مجنوں سے بنائے ہیں بہت دیوانے
اس نے خود رفتگی میں اپنے کیے بیگانے
گو کہ مشہورِ جہاں اس کے ہیں سب افسانے
پر جو اس کام کا مشتاق ہو وہ ہی جانے

کبھی معشوق کے پردے میں نہاں ہوتا ہے
کبھی سر چڑھ کے یہ عاشق کے عیاں ہوتا ہے

ناقۂ لیلیٰ مُضطر کا شُتربان یہ تھا
نجد میں قیس سے پہلے ہی حُدی خواں یہ تھا
چاہ میں ڈال کے یوسُف کا نگہ باں یہ تھا
جانِ ہر شیر کی لینے کو نیستاں یہ تھا

حُسن بن جاتا ہے انداز کہیں ناز کہیں
دردِ دل ہے یہ کہیں، سوز کہیں ساز کہیں

مثلِ فرہاد، بہت مر گئے، سر پھوڑ حزیں
دی ہے شیریں کی طرح کتنوں نے جانِ شیریں
پاس عذرا کے گیا اور کوئی وامق کے قریں
اس سے آوارہ بچا اور نہ بچا گوشہ نشیں

اس سے ملتا ہے جسے رنج و محن ملتا ہے
گور ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

طور کو نور کے جلوے میں جلایا اس نے
کبھی آتش کو ہے گلزار بنایا اس نے
جان چھوڑی نہیں، جیتا جسے پایا اس نے
اور نیرنگ، جہاں اپنا دکھایا اس نے

کام مُردوں سے لیا زندوں کو ناکام رکھا
درد کا نام کبھی، بے دردو نے آرام رکھا

اِس کے افسانے ہیں دنیا میں بہت طول طویل

جس کا ہم دم یہ ہُوا ہو گیا وہ خوار و ذلیل
اس کا بیمار پڑا رہتا ہے بستر پہ علیل
دھونس دے دے کے بجا دیتا ہے یہ کوسِ رحیل
رنج و ماتم کے سوا اور یہ کیا دیتا ہے
وصل کی شب سحرِ ہجر دکھا دیتا ہے

یہی اخفا ہے بہ صد زیب رگِ ہر گل میں
سوز و نالہ یہ اُسی کا ہے دلِ بلبل میں
یہی ہے جز و میں، گر دیکھو، یہی ہے کل میں
گر فرشتہ ہو تو آجاتا ہے اس کے جُل میں
خون بے جرم زمانے کا بہاتے دیکھا
میل چتون پہ کبھی اُس کے نہ آتے دیکھا

ایک شمّہ ہے لکھا حال جو میں نے اس کا
جس پہ اس دیو نے الطاف کا سایہ ڈالا
دشتِ غربت میں وہ آوارہ و سرگشتہ ہوا
دوست بھی چھوٹتے ہیں، شہر بھی چھوٹے اپنا
پاس جس کے یہ گیا خلق سے وہ دُور ہوا
کون سا شیشۂ دل تھا کہ نہ وہ چور ہوا

ہجر کے رنج میں کتنوں کا ہُوا اس میں وصال
لے گئے سینے میں فُرقت کا سبھی درد و ملال
اس کی گردش سے ہر اک ماہ ہوا بدرِ ہلال
کس کی طاقت ہے جو تحریر کرے اس کا حال

زیست کرنا غمِ ہجراں سے ہے یہ سب کو شاق
جان دے دیتے ہیں کہہ کہہ کے یہی "ہائے فراق!"

وصل میں گو، مزہ ہے؛ ہجر کا رنج دے لے جاں گزا ہے۔ چاہ کنوئیں جھکواتی ہے، یہ وہ بیماری ہے جو جان کے ساتھ جاتی ہے۔ ہمیشہ سے اس کام والے، آہ و نالے رکب، خاک بہ سر، چاک گریباں سب رہے ہیں۔ اگر [چہ] عاشق کی عزت و توقیر ہوتی تو دنیا میں اس سے بہتر کوئی شے نہ تھی۔ کچھ کچھ ان لوگوں کے مرتبہ شناس، قدرداں ہیں؛ مگر ہر جگہ کہاں ہیں، اور یہ قصہ، جو میں نے کہا، فقط بات کی پچ کا جھگڑا تھا، ورنہ کہاں مُلکِ زرنگار، کجا شہزادی عالی تبار۔"

جانِ عالم نے کہا: "استغفر اللہ، اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ فقرہ کب سچ ہے! یہ تو نری کھڑ پچ ہے۔ سوز ؎

خُدا ہی کی قسم، ناصح! نہ مانوں گا کہا اب تُو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

اسی تقریر میں یہ حال ہوا کہ دل میں درد، چہرہ زرد ہونے لگا، لب پر آہِ سرد [آئی، جاں بہ لب ہُوا] گرفتارِ رنج و تعب [ہُوا]۔ عشق کے آثار سب ظاہر ہوئے [شہزادے صاحب جامے سے باہر ہوئے]۔ ضبط کا پردہ درمیان سے اُٹھا، شور و فغان سے اُٹھا۔ جنونِ پیرامونِ عقل [ہُوا] بے چارہ تو گرفتارِ سلسلۂ محبت میں اسیر [یہ دل دل گیر] بہ قولِ [مولفِ دریائے عشق، یعنی تقی] میر ہو گیا۔ [طالع بیدار دفعتاً سویا، فتنہ جاگا، دل پہلو سے نکل بھاگا۔] میر ؎

طبع نے اک جنوں کیا پیدا اشک نے رنگِ خوں کیا پیدا

ہاتھ جانے لگا گریباں تک چاک کے پاؤں پھیلے داماں تک
بے قراری نے کچھ ادائی کی تاب و طاقت نے بے وفائی کی[٭]

توتا یہ حال دیکھ کے [سخت] متعجب ہوا کہ ناحق رنڈی کی کج بحثی سے شہزادے کو مرگ کا مستعد کیا۔ بیٹھے بٹھائے خونِ بے گناہ اپنی گردن پر لیا۔ اب اس طرح کا سمجھانا، مانع ہونا، ابھارنا، بھڑکانا بلکہ بڑا چلاتا ہے۔ گھبرا کر تسکین و تشفی کرنے لگا اور زخمِ شمشیرِ عشق کو مرہمِ مژدۂ وصال سے بھرنے لگا۔ کہا، "آپ ہوش و حواس بہ جا رکھیے، اگر مجھے ایسا [ہی] سچا جانا کہ میرا جھوٹ سچ مانا، اس شرط سے آپ کو لے چلوں گا، جو میرا کہا نہ مانو گے، زک اٹھاؤ گے، دھوکا کھاؤ گے، پھر مجھ کو نہ پاؤ گے، پچھتاؤ گے۔"

جانِ عالم نے فرمایا۔ "اے رہبرِ کامل، رنج کے غمگسار، راحت کے شامل! [ہرگز] تیرے جادۂ اطاعت سے قدم باہر نہ دھروں گا، جو تو کہے گا وہی کروں گا، مگر جلد حالِ مفصّل اور بُعدِ منازل و سمتِ شہرِ دوست سے نشانِ کامل دے۔ وگرنہ یہ دلِ بے تاب، خجالت دہِ بے قراریِ سیماب کہ قطرۂ خوں سے فزوں نہیں، تڑپ کر از راہِ چشمِ نادیدہ روئے دوست نکل جائے گا، پھر بجز حسرت و افسوس تیرے کیا ہاتھ آئے گا۔ میر

ع
دل تڑپتا ہے متصل میرا
مرغِ بسمل ہے یا کہ دل میرا

توتے نے کہا۔ "اضطراب کا کام خراب ہوتا ہے، ناحق حجاب ہوتا ہے۔ اتنی جلدی موقوف کیجیے، آج کی رات اس شہر میں کاٹ، صبح ادھر کی راہ لیجیے۔ اگر

٭ مثنوی دریائے عشق

کششِ صادق اور طالع بھی موافق ہے، انشاء اللہ منزلِ مقصود کو پہنچیں گے، عزم بالجزم درکار ہے، دیرِ شہرپناہ پر خانہ یار ہے۔"

جانِ عالم یہ خوش خبری سن کے بشاش ہوا، پھر کہا۔ اُستاد

مژدہ وصل ہے کل رات کی نیت ہو حرام
دے اگر طالعِ برگشتہ نہ، تدبیر اُلٹ

اس رات کی بے قراری، گریہ وزاری، اختر شماری، شہزادے کی کیا کہوں؟ ہر گھڑی بحالِ پریشاں، سوائے آسماں، مضطر نگراں تھا، کہ رات جلد بسر ہو، [کہیں] نمایاں رخِ سحر ہو، تا عزمِ سفر ہو اور یہ کہتا تھا۔ سعدی

سعدیا نوبتِ امشب دُہل صبح نہ کوفت
یا مگر صبح نباشد، شبِ تنہائی را

آخرش تاثیرِ دعائے سحری، اثرِ نالۂ نیم شبی سے ظلمتِ شب بہ نورِ روز منور ہوئی۔

وزیرزادے کو با وجودِ خود فراموشی یاد فرمایا۔ لڑکپن سے تا زمانۂ عشق انجمن آرا اس سے بھی [بہت] الفت رکھتا تھا، جب وہ حاضر ہوا، حکم کیا۔" دو گھوڑے صبا رفتار، برق کردار، جن کی جھپٹ نسیم تُند رو کو کند ڈالے، ان کے قدم سے کمیتِ صرصر کی ڈپٹ، پاؤں آگے نہ نکالے جلد لا۔" بمجردِ ارشاد اصطبلِ خاص میں جا، دو گھوڑے حاضر کیے، [پھر] کچھ اسبابِ ضروری، وہ بھی بہ مجبوری لے کے، وہ دونوں خستہ تن، بقولِ میر حسن چل نکلے۔ [میر حسن]

نہ شُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی[1]

---

[1] مثنوی سحرالبیان

پہلا سفر عازمِ شہرِ دلدار کا، مع وزیرزادہ اور رہبر ہونا توتے کا، ہرن کا ملنا، اور تفرقہ باہم کا، ملاقات مرشدِ کامل کی، پھر حوض میں کودنا شہزادے کا، طلسم کی گرفتاری، جانِ عالم کی بے قراری، پھر بدولتِ نقشِ سلیمانی رہائی پانی۔

بادیہ پیمایانِ مرحلۂ محبت و صحرا نوردانِ منازلِ مودت، رہ روانِ دشتِ اشتیاق و طے کنندگانِ جادۂ فراق، مسافرانِ بادِ ناکامی بردوش، بجز راہِ کوچۂ یار، دین و دنیا فراموش، عشق سر پر سوار، خود پیادہ زیست سے دل سیر، مرگ کے آمادہ۔ لکھتے ہیں کہ جب بااین ہیئت کذائی، وہ پروردۂ دامنِ ناز و آغوشِ شاہی، گھر سے نکلا اور درِ شہر پناہ پر پہنچا، پھر کر عماراتِ سلطانی، بسے ہوئے شہر کو بہ نظرِ پریشانی دیکھ، آہِ سرد [دلِ پُردرد سے] کھینچی، [بیابان پہ نظر کر] غریب الوطنی پر کمرِ ہمت چست کی، اور فراقِ یارانِ وطن میں دل کھول کے [وہ خستہ تن] خوب رویا۔ پھر فاتحہ خیر پڑھ کر آگے بڑھ کر، توتے کو پنجرے سے کھول دیا، گھوڑوں پر شہزادہ اور وزیرزادہ سمندِ صبا پر میاں مٹھو پیادہ، نیا دانہ کھاتے نیا پانی پیتے، روانہ ہوئے۔

بعد طے منازل و قطع مراحل، ان کا گزر ایک دشتِ عجیب، صحرائے غریب میں ہوا، ہر تختہ جنگل کا بروشِ باغ تھا، جو پھول پھل تھا تازہ کُنِ دل، معطر کنائے دماغ تھا۔ جہاں تک پیکِ نگاہ جاتا بجز گل ہائے رنگین و یاسمن و نسرین اور کچھ نظر نہ آتا۔ شہزادہ شگفتہ خاطری سے

صناعیِ باغبانِ قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا۔ ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن برق وش، صبا کردار، سبک جست، [بہ چشم سیاہ مست] تیز رفتار سامنے آئے، زربفت کی جھولیں پڑیں، جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں، گلے میں مغرق ہیکلیں مثلِ معشوقِ طنّاز، عربدہ ساز، سرگرمِ خرامِ ناز، چھم چھم کرتے چوکڑیاں بھرتے۔ جانِ عالم بے چین ہوا، وزیر زادے سے کہا "کسی طرح ان کو جیتا گرفتار کیجیے [جانے نہ دیجیے "۔]

اس سعی میں گھوڑے ڈالے، یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے، جب گھوڑوں کی آمد دیکھی سنبھلے، کنوتیاں بدل، چوکڑی تیز، یا جست و خیز بھرنے لگے۔

انھوں نے [بھی] گھوڑے ڈپٹائے۔ ان کا گھوڑے دوڑانا، وہ طائرِ فرزانہ، چوکڑی بھول، کے پکارا ـــ "ہاں ہاں، اے نوجوان کیا غضب کرتا ہے۔ یہ دشتِ پُر سحر ہے، یہاں وہ کیوں قدم دھرتا ہے۔" ہر چند پکارا، سر دے [دے] مارا، سناٹے میں کسی نے نہ سنا، توتے نے لاکھ سر دھنا، اور مجبور ایک درخت [کی ٹہنی] پر بیٹھ رہا۔ وہ چلے گئے۔ دو چار کوس دونوں ہرن ساتھ بھاگے۔ پھر ایک سمت [ایک] دوسرا اور طرف چلا۔ ایک کے ساتھ شہزادہ دوسرے کے تعاقب میں وزیر زادہ۔ یہ بھی جدا ہوئے۔

القصّہ تا غروبِ آفتاب، وہ شمسِ سپہرِ سلطنت، گھوڑا بگٹٹ پھینکے گیا۔ دفعتاً ہرن نظر سے غائب ہوا۔ اس نے باگ روکی، گھوڑا غرق عرق، خود پسینے میں غرق۔ سر سے پا تک تر، باحالِ مضطر، حیران پریشان، نادم پشیمان، یکہ و تنہا وزیر زادہ نہ توتا، آپ یا دشتِ پُرخطر۔ گھبرا کر ادھر ادھر [بہت] دیکھا، بُو سے انسان و حیوان، مشامِ جان تک نہ آئی، طبیعت سخت گھبرائی۔ [کہ

یہ کیسی آفت آئی۔] جب کسی کو نہ دیکھا، [بصد یاس] یہ کہا۔ اُستاد۔

ارے یہ ترنگ جوانی کی، کیا جس نے مجھ کو جلا وطن
ہوا ایسا بیش ازیں کا ہے کو، میں نکل کے گھر سے خراب تھا

اور کبھی جو یادِ یارانِ ہمراہی جی میں آتی، تو یہ شعرِ دردناک میر سوز، بہ دلِ صد چاک و آہِ جگر دوز پڑھتا۔ [مطلع] میر سوز

کہیو اے بادِ صبا! بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہی نہیں دشت کے آواروں کو

کچھ آگے بڑھا، چشمۂ آب نظر پڑا۔ گھوڑے سے کود، ہاتھ منہ دھویا، اپنی تنہائی پر خوب رویا۔ اسی حالتِ گریہ و زاری میں دستِ دعا بجنابِ باری اُٹھا کر پکارا کہ: ” اے کسِ بے کساں و اے مددگارِ رہ گم کردگاں، مجھ خستہ و پریشاں، دُور اُفتادہ از یاراں، کی رہبری کر۔ تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں ملا، گھر سے ہاتھ اٹھا، آوارۂ صحرائے غربت، مبتلائے رنج و مصیبت ہوا ہوں۔ لاعلمہٗ ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم
حدیثِ دل بکہ گویم، عجب غمے دارم

تیری ذات ہے یا یہ جنگلِ وحشت انگیز، [دشتِ] بلا خیز، جہاں بوئے عمارات نہیں آتی [ہے، خوف سے جان جاتی ہے “]۔ یہ کہہ کے زار زار، مانندِ ابرِ نوبہار، رونے لگا، [دامن و گریبان بھگونے لگا۔] فریاد و زاری، تڑپ اور بے قراری، اُس کی بہ درگاہِ مجیب الدّعوات قبول ہوئی۔ [تیرِ دُعا ہدفِ اجابت سے لبِ معشوق ہوا۔ [تمنائے دلی حصول ہوئی]۔ ایک پیر مرد، سفید داڑھی والے، سبز عمامہ سر پر،

عبائے عنابی کندھے پر ڈالے، ہاتھ میں عصا، خضر صورت، بزرگ سیرت پارسا، وارد ہو کر پکارے۔ "السلام علیک! اے نوبادۂ چمن سلطنت! وا ے گرفتارِ محنت و محبت"۔

شہزادے نے آنسو پونچھ، سلام کا جواب دیا۔ پیر مرد نے فرمایا۔ "اے عزیز! کیا حاجت رکھتا ہے بیان کر"۔

یہ سُن کر ایسا خوش ہوا کہ رنج، راہ بھُولنے کا، بھُولا۔ وزیر زادے اور توتے کی جُدائی بھی یاد نہ آئی۔ کہا۔ "آپ کو قسم اسی کی، جس نے میری رہبری کو بھیجا ہے، جلد نشان ملک زرنگار دکھا دیجیے، یا درِ دلدار تک پہنچا دیجیے"۔

وہ ستودہ صفات ہنسا، اور کہا۔ "اللہ ری بے خودی، ابھی بلائے ناگہانی، آفت آسمانی، جس میں آپ پھنسے ہیں، اسی سے نجات نہیں پائی، معشوقہ یاد آئی!"۔

جانِ عالم نے کہا۔ "کوئی آفت و ستم، بلائے ہجرِ جاناں اور مفارقتِ دوست سے سوا نہیں ہے"۔ میر سوز

نہ لگے دردِ جُدائی کو قیامت کا رنج

روزِ محشر کو نہ میری شبِ ہجراں سے ملا

اس صافی باطن نے فرمایا۔ "صاحبزادے یہ صحرائے غضب، دشت پُرتعب ہے۔ ہر تختہ اس کا دامِ ستم، گُل اور بوٹا زار خارِ غم و الم ہے، یہاں کا پھنسا اُلجھا، حشر تک نہیں چھوٹتا۔ یہ سب کارخانۂ طلسم ہے"۔

شہزادے نے کہا۔ "ہم سحرِ محبت میں گرفتار ہیں، [کچھ نہیں سوجھتا] ہمیں جینا مرنے سے فزوں ہے، دل کا حال دگرگوں ہے"۔ شیفتہ

ہمیشہ آگ نکلتی ہے اپنے سینے سے
الٰہی موت دے گزرا میں ایسے جینے سے[1]

اُس کریم النّفس کو اُس کے حال پر رحم آیا۔ فرمایا: "بد حواس نہ ہو، نظر بہ خدا رکھ کہ وہ چارہ سازِ عالمین جامع المتفرقین ہے۔"

شہزادے نے کہا: "فی الحقیقت، مگر برائے خدا، ایک نظر ملک زرنگار اور وہ معشوقِ طرحدار اگر نظر آئے، جانِ زار بچ جائے، زیست کا کیا اعتبار ہے، مرگ ہر دم ہم کنار ہے، حسرتِ دید تو نکل جائے۔"

اُس خدا پرست نے فرمایا: "آنکھ بند کر۔" پلک سے پلک [جو] شہزادے کی لگی، ملکِ زرنگار میں گزر ہوا، [آفتِ تازہ سے دو چار ہوا]۔ صورت اس حُور کردار کی نظر پڑی۔ مجرد نگاہ، دل سے آہ کی، بے ہوشی ساری، غشی طاری ہوئی۔ مردِ بزرگ نے سمجھایا: "اس امرِ لاطائل سے کیا حاصل، زندگی درکار ہے، ایک روز دوست بھی ہمکنار ہے۔"

سمجھانے سے [بارے] اتنی تسکین ہوئی، کہ آنکھ کھولی، رات ہو گئی تھی۔ پیر مرد نے کچھ کھلا، لب بہ چشمہ سُلایا۔

جس وقت اُفقِ چرخ سے، راہ گم کردہ مسافرِ مغرب یعنی آفتابِ عالم تاب جلوہ افروز ہو، حصۂ چہارم آسمان پر آیا، شہزادے کی آنکھ کھُلی۔ وہاں آپ کو [بیٹھا] پایا، جہاں سے ہرن کے پیچھے گھوڑا اٹھایا تھا، سجدۂ شکر ادا کر، سرگرمِ رہِ دوست ہوا۔ راہ کا پتا اس رہبرِ خیلِ سبز پوشاں سے پوچھ

---

[1] یہ شعر حکیم مرزا رضا قلی آشفتہ کا ہے۔ دیکھیے تذکرہ ہندی ص 19 و تذکرہ مجموعۂ نغز ص 35

لیا تھا، قدم بڑھایا۔ جاتے جاتے ایک روز آفتاب کی تمازت بدرجۂ اتم تھی، پیاس کی شدت ہوئی۔ آب وہاں گوہر نایاب تھا، خضر تک اُس دشت میں لاعلاج، پانی کا محتاج تھا۔ زبان میں کانٹے پڑے، ریت کی گرمی سے تلوے جلتے تھے، دو گام قدم نہ چلتے تھے۔ لوں کا شعلہ یہ سرگرم آزار، جگر سوختگاں تھا۔ کہ پرندے پتوں میں منھ چھپاتے تھے، کوسوں وونڈے نظر نہ آتے تھے۔ دشت کورۂ آہن گراں تھا، ہر طرف شعلۂ جوالہ تھا۔ ریگ صحرا کیفیت دریا دکھاتی تھی، پیاسوں کی دوڑ دھوپ میں جان جاتی تھی۔ صدائے زاغ و زغن سے سناٹا، دھوپ کا تڑاقا، دشت کا پتھر تپنے سے انگارا تھا، جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا۔ وہ تابش شمس، جس سے ہرن کالا ہو، دُکو سے زبان میں چھالا ہو۔ بادِ سموم سے وحشیوں کے منھ پر سیاہ تاب تھا، لوں سے گاوِ زمیں کا جگر کباب تھا۔ [سیپیوں نے گرمی کے مارے لب کھولے تھے، حباب دریا کی چھاتی کے پھپھولے تھے، ہر ذی حیات حرارت سے بے تاب تھا، سوا نیزے پر آفتاب تھا۔] مچھلیاں پانی میں بُھنتی تھیں، جل جل کر کنارے پر سر دُھنتی تھیں۔ سرطانِ فلک جلتا تھا، کیکڑا لبِ دریا اُبلتا تھا۔ ایسے موسم کے سفر میں سفر کیوں کر ہو۔ مُسافر خواب میں بڑاتے۔ "چُلّو بھر پانی دو۔" درخت خشک، سوکھے پتے کھڑکھڑاتے تھے، جانور پَر کھولے پھڑپھڑاتے تھے۔ چار پائے ایک سمت ہانپتے کھڑے تھے، گرمی کے خوف سے کانپتے تھے۔ یہ حرارت مستولی تھی، کہ دوستوں کی گرمی سے جی جلتا تھا، مُسافر وہم پائے گمان سے راہ نہ چلتا تھا۔ خورشیدِ حشر کی طرح آفتاب تاباں تھا، صحرائے قیامت وہ بیاباں تھا۔

اسی حالتِ خراب میں شہزادہ سرگشتہ، دل برشتہ، حیران، پریشان،

ایک طرف درخت گنجان، سایہ دار دیکھ کر آیا، تو وہاں حوضِ مُصفّا، پانی سے لبالب بھرا پایا۔ پانی دیکھ کے جانِ رفتہ تن میں آئی، آنکھوں نے لہر دی سے ٹھنڈک پائی۔ گھوڑے سے اُتر، پانی پینے کو جھکا، چرخ [کہن] نے [نئی] نیرنگی دکھائی، وہی معشوقۂ مرغوبہ، مطلوبہ، جس کے لیے تلاش میں غریقِ محیطِ الم، گرفتارِ لطمۂ غم، مثلِ پرِ کاہ بہا بہا پھرتا تھا، حوض میں نظر آئی۔ آنکھ چار ہوتے ہی وہ بولی۔ "اے شناورِ بحرِ محبت، وا اے غوّاصِ چشمۂ اُلفت! دیر سے تیری منتظر تھی۔ للہ الحمد، تُو جلد پہنچا، تامل نہ کر، کود پڑ۔" انھیں تو آنکھ بند کرنے کا نقشہ ہر پل مدِ نظر تھا۔ بے تامل نہنگِ آفت کے منھ میں کود پڑا، زیست سے سیراب ہو، یہ شعر پڑھا۔

[اُستاد]

کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

کودتے ہی، سر تلے، ٹانگیں اوپر، غلطاں پیچاں، تحت الثریٰ کو چلا، گھڑی بھر میں تہ کو پاؤں لگا۔ آنکھ کھولی، نہ حوض نظر آیا، نہ اُس دُرِ شاہوار کو پایا۔ مگر صحرائے لق و دق، جسے دیکھ کے رستم و اسفندیار کا رنگ فق ہو، دیکھا۔ اُس وقت سمجھا [یہ] دوسری زک اُٹھائی، تو تے کی بات آگے آئی۔ مصرع

وا ے برباد گرفتاری ما

یہ کہہ کے آگے چلا، دُور سے چار دیواری معلوم ہوئی، جب قریب آیا، باغ اور عمارت مفصل دیکھی۔ در باغ، بسانِ آغوشِ مشتاق وا، سرد سرد ہوا۔ یہ تو گرمی کا مارا تھا، [وطن آوارہ تھا] بے تکلف اندر قدم رکھا۔ باغ

میں آیا، قطعہ دلچسپ [پھولا پھلا] پایا۔ تختہ بندی معقول، پیڑ خوش قطع، خوبصورت پھول، روشیں صاف، نہریں شفاف، چشمے ہر سمت جاری، نئی تیاری۔ درختوں پر جانورانِ نغمہ سرا، برگ و بار و گل سے بالکل باغ بھرا۔ باغبانیاں پری وش، ہر روش پر بہ روشِ دلبری خراماں، شاخوں پر بلبلیں غزل خواں۔ بیچ میں بارہ دری عالیشان، سب تکلّف کا سامان۔ اُس کے متصل چبوترہ سنگِ مرمر کا، بادلے کا سائبان کھنچا، مسند مغرّق بچھی۔ ایک عورت خوبصورت، عجب آن بان سے [اس پر] بیٹھی۔ خواصیں [دست بستہ] گرد و پیش۔ وہ سروِ رنگین دجمالِ خویش۔ شہزادے کو دیکھ کے، ایک خواص پکاری۔ "اے صاحب! تم کون ہو، جان نہ پہچان، بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے۔"

یہ تو [بہ درجہ] زیست سے بیزار، مرگ کا طلب گار تھا، اسے جواب نہ دیا، بے تامل مسند پر، برابر جا بیٹھا، یہ شعر پڑھتا [تھا۔] [اُستاد]

بھڑ بیٹھے ہم، دو زانو و صبح مؤدب اس سے
دشمنی جو تھا، تو ہم کو دابِ ادب نہ آیا

وہ تو فریفتۂ قدیم تھی، ہنس کے چُپ ہو رہی۔ پوچھا۔ "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"؟

شہزادہ متحیر باغ کو دیکھ رہا تھا، جو پیڑ تھا، پر دار جانور کی صورت۔ پھول کھلے، پھل تیار، آپس میں سرگرم گفتار، جس میوے پر رغبت ہو، اس درخت کا جانور سامنے آ، رقص کرے۔ پھل بے ہاتھ لگائے منہ کے پاس آئے۔ جتنا اسے کھاؤ، ثابت پاؤ۔ جب طبیعت سیر ہو، اُسے درخت میں دیکھ لو۔

یہ حرکتیں اُس کی خواصیں شہ زادے کے دکھانے کو، در پردہ ڈرانے کو کرتی تھیں ۔ اس قرینے سے جانِ عالم کو یقین ہوا کہ یہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے۔ پیر مرد سچ فرماتا تھا۔ افسوس بُرے پھنسے۔ یہ تو ان خیالوں میں تھا، اس نے مکرّر پوچھا۔ شہ زادے نے جواب دیا کہ "ہمارا آنا جانا تمھیں خُوب جانتی ہو، اجنبی ہیں، لیکن تم پہچانتی ہو۔"

وہ مُسکرائی، [پھر] خواصوں سے کہا۔ "آپ مہمان ہیں، مُروّت شرط ہے۔"

انھوں نے کچھ اشارہ کیا، [فوراً] کشتیاں شراب کی، قابیں گزک وکباب کی، مع جام وصراحی خود بخود آئیں اور مینائے بے زبان، پنبہ دہاں، رقصاں، یہ بولی ۔ حافظ ؎

اگر شراب خوری جرعہ فشاں بر خاک
ازاں گناہ کہ نفعے رسد بہ غیر چہ باک

پھر دفعتاً جام لبریز [ہوا] ، ریز ریز کہتا، خنداں زناں، جانِ عالم کے قریب آکے بولا۔

حافظ ؎

بنوش بادہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
چناں نہ ماند و چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

شہ زادے نے انکار میں مصلحت نہ دیکھی، ڈرا کہ اگر عُذر کروں اور اسی طرح یہ شراب بے قصد حلق میں اُترے، تو کیا لُطف رہے [مگر صاحب خانہ سے آنکھ ملا، بصد حسرت یہ شعر پڑھا۔]

[میر سوز صاحب] ؎

یہ کوئی صحبت ہے ساقی، واہ یہ بیہودہ بزم   یار سے بے لطف، مے کا آہ یہ بیہودہ بزم[۱]

پھر اُس جام کو نا کام ہاتھ میں لے کے، لہو کے سے گھونٹ، گلا گھونٹ گھونٹ پیے۔ وہ دورۂ بے سر انجام [پُر اندوہ تہ] آلام گردش میں آیا۔ جیسے دو چار ساغر متواتر جادو گرنی نے پیے، کاسۂ دماغ سے عقل دور، دلولۂ مستی سے معمور ہو، چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ شہزادہ اس کا اختلاط، کج بحثی سے بدتر جانتا تھا۔ مجبورِ گردشِ گردونِ دوں دیکھ کے سرنگوں رہو، کچھ ہاں ہوں کر دیتا [تھا۔] [اور] سچ ہے جسے جی پیار کرتا ہے، اس کی گالی بدرچی کے بوس و کنار سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

اسی صحبت میں آدھی رات گزری، خاصہ طلب کیا، دو چار نوالے بجانِ عالم نے بہ جبر پانی کے سہارے سے اُگل اُگل حلق کے نیچے اتارے۔ اُس مربھکی نے قرار واقعی ہتّے مارے۔ کھانا زہر مار کر، شہزادے کا ہاتھ پکڑ، بارہ دری میں لے گئی۔ جواہر نگار مسہری [بچھی تھی اس] پر بٹھایا۔ ایک تو شراب کا نشہ، دوسرے عالمِ تنہائی، بیٹھتے ہی شرم و حجاب کا پردہ اٹھا، لپٹ گئی۔ وہ سرکا، پھر تو خفیف ہو کے بولی۔ "تو نے سنا ہوگا شہپال جادو [کا نام، [شہنشاہانِ ساحرانِ جہاں، فخرِ سامری تجے پال — میں اُس کی بیٹی ہوں۔ تمام باغ بلکہ نواح اس کا سب سحر کا بنا ہے۔ برسوں سے تیری فریفتہ اور شیدا ہوں، بہ تمنائے وصال، خراب حال جیتی تھی۔ جز لختِ جگر اور خونِ دل کچھ نہ کھاتی نہ پیتی تھی۔ آج لات و منات کی

---

[۱] تذکروں میں یہ شعر میر فضل علی فدوی سے منسوب کیا گیا ہے۔ بہ تغیرِ الفاظ یہ شعر کلیاتِ مرزا محمد علی فدوی صفحہ ۲۴ میں بھی ملتا ہے۔

مدت سے تو میرے اختیار میں آیا، دل کا مطلب بھر پایا۔ جس چیز کا شائق و طلب گار ہو، جو شے تجھے درکار ہو، بجز ملاقاتِ انجمن آرا جہان کا سامان مہیا ہے۔ یہ شرطِ اطاعت و اظہارِ محبت، [ورنہ خدا جانے تیرا آل کار کیا ہوگا، او بے مروت"۔]

جانِ عالم پہلے [تو] ڈرا، پھر جی مضبوط کر کے بولا۔ "یہ سب سچ ہے، جو تو نے کہا، مگر تیری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ تو راہ و رسمِ محبت سے آشنا ہے، نوشِ وصل، نیشِ فصل کا مزہ چکھا ہے۔ انصاف کر، جس کے واسطے خانماں آوارہ، غربت کا مارا، سرگرداں ہوا ہوں، تو اسی کے نام کی دشمن ہے، میں تیری دوستی پر کیوں کر اعتماد کروں۔ دُنیا میں تین طرح کے دشمن ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو صریح اپنا عدو ہو، دوسرا دشمن کا دوست، تیسرا دوست کا دشمن۔ یہ سب سے بُرا ہے، اس سے کنارا اچھا ہے یا یہی شرطِ محبت ہے کہ ایک شخص کا نام خراب کرے، جہاں آسائش ملے، وہاں بیٹھ رہے۔ فکرِ سلطنت، جستجوئے دولت میں سر بہ صحرا نہیں ہوا ہوں، جو تیری جاہ و ثروت پر اکتفا کروں۔ تجھے معلوم ہوگا، اللہ کی عنایت سے، گھر کی حکومت چین کرنے کو کافی تھی، مگر میرا تو یہ حال ہے۔ میر تقی [میر]:

اک مدت پائے چنار رہے، اک مدت گلخن تابی کی
برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے، عشق نے خانہ خرابی کی

یہ سُن کے وہ کھسیانی کُتیا سی جھنجھلائی، کہا۔ "قدرت سحر میری سُن لے [تجھے] مغرب و مشرق کا فاصلہ، گردشِ چشم ہے، زرنگار جانا کیا پشم ہے۔ ادھر پلک جھپکائی، اتنے عرصے میں زرنگار گئی اور آئی۔ خیر اگر میری ہم صحبتی کر، یہ جانتا ہے، تیری امید بھی قطع کر دیتی ہوں۔ ابھی انجمن آرا کو لا، تیرے

روبہ رو، جلا، اپنا دل ٹھنڈا کرتی ہوں۔"

جانِ عالم بدحواس ہوا کہ رنڈی کے غصے سے ڈرا چاہیے۔ سخت غضب میں گرفتار ہوئے، انکار میں قتلِ معشوق مدِ نظر؛ اور اقرار کرنے میں اپنی جان کا ضرر؛ دونوں طرح مشکل ہے۔ حیران ہو کے آل کار سوچنے لگا، مُنھ نوچنے لگا۔ واقعی یہ مقدمہ بہت پیچیدا ہے، جس پر گزرا ہو وہ جانے۔ دل کا حال یہ ہوتا ہے، جدھر آیا، آیا، جس سے پھرا، پھرا۔ اور یہ کیا عذابِ عظیم ہے، فراقِ محبوب وصالِ نامرغوب۔

آخرکار شہزادے کو بہ جز اطاعت، مصلحت نہ بن پڑی، دل کو تسکین دے کر کہا "اگر اس سے موافقت کرو گے، انجمن آرا کی اور اپنی زندگی ہوگی، خالق رَحْمَۃٌ لِلْعالَمِین، جامعُ الْمُتَفَرِّقِین ہے، کوئی [تو] صورت [ایسی] شکل آئے گی کہ اس بلا سے رہائی، درِ دلدار تک رسائی ہو جائے گی۔ اِتّقا حیلہ شرط ہے۔ یہ سوچ کر ساحرہ سے کہا "ظالم! ہم تیرا جی دیکھتے تھے، ہم نے سنا تھا کہ عاشق، معشوق کے نازبردار ہوتے ہیں، مگر یہ جھوٹ تھا۔ دھمکاتے ہیں، ڈراتے ہیں؛ عاشقی میں حکومت کسی نے کانوں سے نہ سنی ہوگی، ہم نے آنکھوں سے دیکھی۔ تو یہ نہ سمجھی ایسا احمق کون ہوگا، جو تجھ سا معشوق، عاشق خوش خصال اور یہ سلطنت لازوال چھوڑ کے، امرِ نادیدہ کی جستجو کرے، امیدِ موہوم پر جنگل جنگل ڈھونڈھتا پھرے۔ یہ نقد اختلاط تھا۔ یہ کہہ کے گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ [بات کو ٹال دیا۔] وہ تحبہ تراز رکھوے بیٹھی تھی، لپٹ گئی، ناچار باخاطرِ افگار، اُس تیرہ بخت کا مُنھ کالا کر، [کیا، غنچۂ نافرمان کو لالہ کیا اور] ہاتھ مُنھ دھو، [مجبور] اسی کے ساتھ سو رہا۔ وہ چڑُ مرانی، بدمست لیٹتے ہی جہنم واصل ہوئی، [دل کی تمنا حاصل ہوئی۔] یہاں نیند کہاں؟ جی سینے میں

بے قرار، پہلو میں وہ خار، ہر دم آہِ سرد، دلِ پُر درد سے بلند، چشمہ چشم جاری، فریاد و زاری دو چند۔ جگر میں سوزِ فراق نہاں، لب سے دودِ نہاں عیاں [سینہ، جگر، دل و جگر سینہ] یہ رباعی برزبان ہے لا اعلم[1]

کسی کی شبِ وصل سوتے کٹے ہے
کسی کی شبِ ہجر روتے کٹے ہے
ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی
نہ سوتے کٹے ہے، نہ روتے کٹے ہے[1]

مگر جب وہ کروٹ لیتی، اُس کی جان خوف سے نکلتی، دم بخود ہو جاتا، جھوٹ موٹ سو جاتا۔ اسی حال سے بہ ہزار خرابی و مشاہدۂ بیتابیِ جانِ عالم، گریبانِ سحر چاک ہوا، [رات کا قصہ پاک ہوا۔] جادوگرنی اٹھی، شاہزادے کو حمام میں لے گئی۔ وہاں بھی عجائباتِ سحر دکھلائے، نہا کر دونوں باہر آئے۔ خاصہ چُنا گیا [ناچ دیکھا، گانا سُنا،] بعدِ فراغِ صحبت و [جلسہ] طعام [جادوگرنی] نے یہ کلام کیا کہ "میرا معمول ہے، اس وقت سے [تا شام، علی الدوام] شہپال کے دربار میں حاضر رہتی ہوں، تیری اجازت ہو تو جاؤں [دربار کا رنگ دیکھ آؤں۔"]

جانِ عالم نے دل میں کہا "الحمد للہ جو دم، تیری صورتِ [نحس] پُر کدورت نہ دیکھیے، غنیمت ہے۔ مگر ظاہر میں زمانہ سازی [دغا بازی] سے کہا "فرقت [تمہاری] گوارا نہیں، روکنے کا یارا نہیں۔ [دیر نہ لگانا

---

[1] یہ رباعی نہیں بلکہ قطعہ ہے۔ صاحبِ تذکرۂ مجموعہ نغز نے اس قطعہ کو نواب آصف الدولہ بہادر سے منسوب کیا ہے۔ دیکھیے تذکرہ مذکور ص ۳۵

جس طرح بنے جلد آنا۔"

ساحرہ اس کلام سے بہت خوش ہو، چل نکلی۔ اس کے جاتے ہی [تمام] باغ سنسان، ویران، وحشت انگیز، ہُو کا مکان ہوا۔ تنہا شہزادہ باخیالِ دلبر، پھر تو بے تکلّف ہو، جی کھول کے رویا۔ [میر تقی] میرؔ

غم دل کو زبان پر لایا

آفتِ تازہ جان پر لایا

کہا، ہم سا بھی بدنصیب، دُور از حبیب، دوسرا نہ ہوگا، جس کا یار نہ مددگار، جس سے دل کا درد کہیے، تا تسکین ہو۔ صحبت ان کی ملی ہے جنھیں دیکھ [کے] چُپ ہو رہیے، کہ عشق اور کار ان کے ذہن نشین ہو۔ ایک جانور جو رہبر تھا، اُڑ گیا، دوسرا وزیرزادہ جو لڑکپن سے جاں نثار اور یاور تھا، وہ چھُٹا۔ [مرزا تقی] ہوسؔ:

سوائے اندوہ و یاس و حرماں، ہوا نہ حاصل جہاں سے ہم کو

اُٹھائیں کاندھے پہ بار ہستی، سفر ہی بہتر ہے یاں سے ہم کو

[نہ رفیق ہے، نہ شفیق، حیران و پریشان، بے سر و سامان ہوں، خیالِ دوست ہے اور میں نیم جاں ہوں۔ مصحفیؔ:

بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام

اس قدر یار کو غم ہے، مری تنہائی کا]

اسی سوچ میں [بیٹھا تھا۔] چھ گھڑی دن باقی رہا، جادوگرنی چمکی چمکائی آئی، جانِ عالم کو اُس کی صورت دیکھ کے رونا آیا، لیکن ڈر کے مارے [جو

۱؎ مثنوی دریائے عشق

ہنسنے لگا، نالہ گلے میں پھنسنے لگا۔ پھر وہی اکل و شرب کا چرچا مچا۔ جب نصف شب گزری، [لہو و لعب سے فرصت ملی]۔ تو وہ [پلنگ پر] سو رہی۔ ان کو [پھر] بیداری، اختر شماری نصیب ہوئی۔ فرد

شاہد رہیو تو اے شبِ ہجر
جھپکی نہیں آنکھ مصحفیؔ کی

اسی انداز سے دو مہینے گزرے۔ جانِ عالم کا رونگی کوفت سے یہ عالم ہوا کہ سوکھ کے کانٹا ہو گیا، بدن ڈھانچا ہو گیا [تھا]۔ اُستاد

ہوں کاہ سے کاہیدہ بس زار اِسے کہتے ہیں
عیسیٰ سے نہ ہوا اچھا بیمار اِسے کہتے ہیں
بن ہاتھ لگے دس کے، جا سے نہیں ہلتا میں
لاغر اسے کہتے ہیں، تیار اسے کہتے ہیں
تصویرِ مرقع ہوں، سکتے کا سا عالم ہے
جنبش ہی نہیں نقشِ دیوار اسے کہتے ہیں

قضارا ایک روز وقتِ رخصت، ساحرہ بولی۔ "جانِ عالم! تیری تنہائی کا اکثر مجھے خیال، بلکہ ملال رہتا ہے۔ تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہو گا، خالی [مکان اور] باغ کاٹے کھاتا ہو گا، مجبور ہوں، کوئی تیرا دل بہلانے کی گوں نہیں جس کو [یہاں] چھوڑ جاؤں۔ یہ رنڈیاں بدسلیقہ ہیں، ان کو کہاں تک آدمیت سکھاؤں، ہنوز انھیں نشست، برخاست کا قرینہ نہیں آیا۔ تو ان سے اور برخاستہ خاطر ہو گا۔"

شہزادے نے کہا۔ "ہم کیا گھبرائیں گے، [دل بہلانے والا کہاں سے لائیں گے] تنہا پیدا ہوئے، تمام عمر اکیلے رہے، ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں۔ ہم صحبت ہمارا خدا نے [خلق میں] خلق کیا نہیں، لیکن یہ اندیشہ [البتہ] ہمیشہ رہتا

ہے، کہ کوئی ہمیں [یہاں] مار ڈالے، تو دن بھر مُفت مٹی خراب رہے، تم سے کون جا کر کہے، ہنسنے کی جا ہے، رونے والا ناپید ہے۔"

وہ بولی: "یہ طلسم کا مکان ہے، یا تو مُخالف کا گزر محال ہے، تیرا کدھر خیال ہے؟"

شہ زادے نے کہا۔ "اگر کوئی جادوگر یہ قصد کرے [تو] اسے کون روکے؟"

وہ تو فریفتہ بہ شدّت تھی، [وہم ہوا] بند ہوئی۔ [سمجھی] کہ میرے بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے، مار ڈالنا کیسا، یہاں سے اڑا لے جائے تو، تو کہاں پائے۔ سب محنت برباد جائے۔ فرطِ محبّت، نشۂ اُلفت میں انجام کا نہ سوچی۔ بے تامّل نقشِ سُلیمانی، [جو بزرگوں سے امانت اور وراثتاً چلا آتا تھا] صندوق سے نکال، اُس کے بازو پر باندھا، [پھر] کہا۔ "اب نہ تاثیرِ سحر، نہ دیو کا گُزر، نہ پری سے ضرر ہوگا، دل کا کھٹکا مٹا، مزے اڑا۔"

یہ کہہ کے وہ تو بدستور چلی گئی۔ جانِ عالم کے سر پر خرابی آئی، وہی بلبلا کا شور مچانا، باغ کو سر پر اُٹھانا، اور گاہ انجمن آرا کے تصوّر سے یہ کہنا، کہ آہ، ع:

لکھا ہوا یہی قسمت کا تھا، نہ جان ملا
کہ میری خاک میں محنت سے آسمان ملا

ہزار صدمے پہ دل نے ہمارے اُف بھی نہ کی
جو اک رفیق ملا، وہ بھی بے زبان ملا

نہ ہم نے چین بہ زیرِ فلک کبھی پایا
عنایتِ ازلی سے عجب مکان ملا

تری تلاش میں در در بھٹکتے پھرتے ہیں
ملا نہ تو ہی تو، حق سے، گو جہان ملا

نہ کہہ تو پیرِ فلک پر رکھے گی ساری خلق
کہ خاک میں ترے جوروں سے کیا جوان ملا

بہت جہان کی، کی سیر اے سرورِ حزیں
پہ بے خزاں نہ ہمیں کوئی بوستان ملا

ایک دن عالمِ تنہائی میں جانِ عالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی تعریف اُس نے بہت کی تھی، کھولوں تو شاید عقدۂ کاربستہ کھلے۔ یہ سوچ کے اُسے کھولا، اس کا یہ نقشہ تھا۔ بست در بیست کا نقش، ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع ترکیب و تاثیر تحریر تھے۔ دیکھتے دیکھتے خانۂ مطلب پر نظر پڑی، لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی قید میں اگر ہو تو یہ اسم پڑھے [تو] نجات پائے، یا مکانِ طلسم میں پھنسا ہو، [تو] اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے، اور جو کوئی سحر کرتا ہو [تو] اُس پر دم کر [کے] پھونک دے، اُسی دم اس کی برکت ساحر کو پھونک دے۔

یہ سانحہ اس میں دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو [جائے] جلد جلد وہ سب اسم یاد کر، نقش بازو پر باندھا۔ اس عرصے میں جادوگرنی موجود ہوئی۔ جانِ عالم کے تیور بُرے دیکھے، پوچھا۔ "آج مزاج کیسا ہے"؟

وہ بولا "الحمد للہ بہت اچھا ہے۔ دیر سے تیرا منتظر تھا، لے تجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا، ہمارا اللہ نگہبان ہے۔"

یہ سنتے ہی رُوح قالب سے نکل گئی۔ سمجھی [کوئی] پیچ پڑا، جانِ عالم چل نکلا۔ سحر سے روکنے لگی، تاثیر نہ کی، [نہ رُکا]، اس وقت [سر پیٹ کر کہا۔

سعدی؎ کس نیاموخت علمِ تیر از من
که مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

یہ کہہ کے ناریل زمین پر مارا، وہ پھٹا ہزار ہا اژدرِ شعلہ فشاں پیدا ہوا شہزادے نے کچھ پڑھا، وہ سب [کے سب] پانی ہو گئے، [ہستی سے] فانی ہو گئے پھر تو منّت کرنے لگی، پاؤں پر سر دھرنے لگی، جادوگرنیاں سمجھانے لگیں کہ یہ شرطِ مُروّت نہیں، جو اپنا دالہ و شیدا ہو، اُس سے دغا کیجیے، بھلائی کے عوض بُرا کیجیے۔"

شہزادے نے کہا۔ "گریبان میں مُنہ ڈالو، سوچو تو ہم بھی کسی کے عشق میں [خود رفتہ و وحشی] عزیزوں سے جُدا، مُصیبت کے مبتلا، سر بھرا ہوئے تھے، ہمیں جبر سے قید کیا، ہزار طرح کا الم مُفارقت دیا، یہ احسان کچھ کم ہے کہ ہم نے طلسم [کو] درہم برہم جو نہ کیا۔" وہ سمجھیں یہ [ہرگز] نہ ٹھہرے گا۔ عاشقی کا کام نصیحت و پند، قید و بند سے نہیں ہوتا، اور جبر کا کام [اگر اختیار کیا] حبابِ آسا ناپائیدار ہے، اس کا کیا اعتبار ہے جس؎

ع سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں؎

اور یہ قضیہ اتفاقیہ ہے، [جو کبھی ہو، نہیں تو]

مصرع ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے

حسن؎ کبھی یوں بھی ہے گردشِ روزگار؎
کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار

لیکن سوچو تو لاکھ طرح کا راحت و آرام ہو، [جہاں کا چین صبح و شام ہو] جو جی

؎ د ؎ مثنوی سحر البیان

نہ لگے، ترک کرے۔ اُستاد ؎

دولتِ کونین حاصل ہو تو اُٹھیے لات مار

پھر نہیں لگتا ہے جی، جس جا سے ہو جس کا اُچاٹ

الغرض وہ تو سر پیٹتی رہیں، جانِ عالم نے بہ برکتِ اسمائے الٰہی اس طلسم سے رہائی پائی۔ اپنی راہ لی۔ چند روز میں پھر اُسی حوض پر وارد ہوا، [دیکھا تو] اسپِ وفادار، پتھروں سے سرمار، مار مر گیا تھا، اس کی لاش دیکھ کے دل [و جگر] پاش پاش ہوا، خوب رویا۔ اب اور رنج پیادہ پائی کا، قدم بوس ہوا [پاؤں اُٹھانا کالے کوس ہوا]۔ سبحان اللہ! کہاں وہ شہزادہ پروردۂ نعم و ناز، کہاں یہ پیادہ پائی کا سفرِ دُور و دراز، ہر قدم خار، ہر گام آزار، مگر تدبیر یار پیشِ نظر، ہر قطرۂ اشک بیں سوختۂ جگر۔ آہ و نالہ وردِ ہاں، [ناسخ کا] یہ شعر ہر ساعت برزباں۔ ناسخ ؎

مانعِ صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں

دل دکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جاتا خار کا

کیوں نہ کھٹکوں آسماں کو رات دن میں ناتواں

آبلے کی شکل اس میں، جھ میں عالم خار کا

رنگ رُو فق، دل میں قلق، سینہ فگار، پا آبلہ دار، چھاتی غم و دُوری سے شق، کبھی حکایت شکایت بیز، گاہ [نالہ قیامت خیز، اور کبھی مؤلّف کی]۔ یہ غزل درد آمیز پڑھتا چلا جاتا تھا۔ مؤلّف

توڑ کر خم اور پٹک کر آج پیمانے کو ہم

بستۂ مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے کو ہم

شمع رو محفل میں کب دیں بار پروانے کو ہم
ایک کیڑے سے بھی کیا کچھ کم ہیں جل جانے کو ہم
خواب سا کرتے ہیں ہم ایام عشرت کو قیاس
دھیان میں لاتے ہیں جس دم گزرے افسانے کو ہم
کل تلک تھا جس مکاں پر شمع رویوں کا ہجوم
چھانتے ہیں اب وہاں پر خاک پروانے کو ہم
اشکِ گلگوں کے نشاں چھوٹے، کچھ پتا ملتا نہیں
جب خزاں میں ڈھونڈتے ہیں اپنے کاشانے کو ہم
جرم کچھ صیاد کا اپنی اسیری میں نہیں
روتے ہیں کنجِ قفس میں آب اور دانے کو ہم
رشکِ زلفِ یار سب عقدے ہیں میرے اور سرو
اور اُلجھ اُٹھتے ہیں بیٹھیں جب کہ سلجھانے کو ہم

چشم تر، رنگ زرد، آہ سرد، دل میں درد، پاؤں کہیں رکھتا، آبلہ پائی سے کہیں اور جا پڑتا تھا، نہ راہ میں بستی نہ گاؤں، نہ میل، نہ سنگ نشانِ راہ کا سر پڑ پاؤں۔ راہِ صفا منزل میں عزم کر آج درِ دلدار تک پہنچے۔ آبلوں کو انسِ خار، شدت بدحواسی تھی۔ کانٹوں کی زبان، تلووں کے خون کی پیاسی تھی۔ نہ کوچ کی طاقت، نہ یارائے مقام۔ گھبرا کے وہ ناکام یہ کہتا۔ مؤلف

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے
الٰہی تو تو رب العالمیں ہے
اور اس پہ نقدِ جاں دے کر بدل لیتا ہوں
گر دلِ بے رنج چڑھ جاتا کسی کے دھیان میں

اور جب جنونِ عشق کا ذلولہ از حد ہوتا، تو سر پکڑ کر روتا، اور یہ کہتا۔

[غزل] مؤلف ؎

قرار پاتی نہیں جانِ زار بن تیرے
ستا رہا ہے دلِ بے قرار بن تیرے
گھمنڈ تھا مجھے جن جن کا سب وہ بھاگ گئے
حواس و ہوش و شکیب و قرار بن تیرے
سرِ در گشتۂ مجوب، خاک شرح کرے
بسر جو کرتا ہے لیل و نہار بن تیرے

خلاصۂ کار یہ کہ اسی حالِ خراب اور دلِ بے تاب سے ہر روز سرگرمِ منزل تھا، دیدۂ دیدار طلب سے رواں خونابۂ دل تھا۔

رہائی طلسم سے اُس گرفتارِ محبت کی، اور پہنچنا وادیٔ فرحناک بے خس و خاشاک میں، پھر ملاقات بانیٔ مہر و وفا یعنی ملکہ مہر نگار، پُر تمکین با وقار سے، پیر مرد کا لوح دینا، شہزادے کا رستا لینا

عشق ہے تازہ کار، تازہ خیال ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے کہیں یہ خونچکاں حکایت ہے
گہہ نمک اُس کو داغ کا پایا گہہ پتنگا چراغ کا پایا
کہیں طالب ہوا کہیں مطلوب اس کی باتیں غرض ہیں دونوں خوب

له مثنوی دریائے عشق

یہاں سے دشت نوردانِ وادیِ سخن، جگر افگار و غربت زدگانِ پُرمحن، سینہ ریش، با پائے زخمدار و دلِ خار خار، بیان کرتے ہیں، کہ وہ مسافرِ صحرائے اندوہ و حرماں، [عازمِ سمتِ جاناں] بے توشہ و زادِ راہ، ہر روز بادلِ پُرسوز گرم راہ، بادیہ گردی کرتا، جیتا نہ مرتا، ایک روز نواحِ دلِ کشا، دِ صحرائے فرح افزا میں گزرا۔ دیکھا کر باغبانِ قدرت نے صفحۂ دشت، گُل ہائے [گوناگوں] مختلف رنگ سے بوقلموں، بہشت ہشتم، رشکِ صحنِ چمن [بنایا ہے] اور بوٹا بوٹا، گھانس کا بہ از گلِ باغِ ارم، خجالت دِہِ نسرین و نسترن کر دکھایا ہے۔ گردِ جدول آبِ رواں، چشمہ ہر ایک چشمۂ حیواں، اور لالہ ہائے ابر نے چھڑکاؤ سے عجب رنگ جمایا تھا، نسیمِ بہار اور درختِ گلزار سے، میدان رشکِ ختن و تاتار تھا، نہ کہیں گرد تھی، نہ غبار تھا۔ درختوں پر فیضِ ہوا اور ترشح سے سرسبزی تھی، چمک کا جوبن تھا۔ گلہائے خودرو سے جنگل نمونۂ گلشن تھا۔ یہ تو مدتوں کا مسافت دیدہ مسافرت کشیدہ تھا۔ وہ زمینِ خجستہ آئین بہت پسند آئی۔ دل میں آیا کہ آج کی شب اسی جا سحر کیجیے قدرتِ حق بہ نظر کیجیے۔ ایک سمت زمین ہموار درخت گنجان، چشمہ ہائے آبِ رواں دیکھ کے، جا بیٹھا۔ جنگل کی کیفیت جی بے کل کرنے والی جانوروں کی چھل بل، اُچھل کود کی دیکھا بھالی۔ [ان کی] خوش فعلی کی سیر کھیل ہیں وحش و طیر۔ بوباس ہر برگِ گُل کی، دھوم دھام طائروں کے غل کی۔ بوٹے بوٹے کی نشو و نما، سرِ دست سرسبز ہوا۔ [کوسوں تک پہاڑ کی ڈانگ، اس پر عجائب غرائب صنعت نقاشِ ازل کی سانگ۔ ایک سمت] ابر سیاہ [گھرا،] کہیں سرخ، سفید، اُودی، ساون بھادوں کی گھٹا۔ [چرخِ کہن نئے نئے رنگ بدلتا، کبھی بجلی چمک جاتی، آنکھ جھپک جاتی۔] رعد زور شور سے منخوار و

کرتا، یہ کہہ رہا ہے۔ میر سوز ؎

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج

ندیاں نالے چڑھے، دریا بڑھے، جھیلیں، تالاب [سب البریز، ڈبرے [جا بجا] موج خیز۔ پپیہے کا مستوں سے مخاطب ہونا، پی پی کہہ [کے] آپی جان کھونا۔ کوئل کی کُو کُو، اور تو تُو تُو سے کلیجا منھ کو آتا تھا۔ مور کا شور، برق کی چمک، بجلی کی کڑک، ہوا کا زور، [زور] رنگ دکھاتا تھا۔ شام کا وقت، غروبِ آفتاب کا عالم، جانوروں کا درختوں پر بیٹھنا باہم۔ زمین پر [یکسر] فرشِ زمرّدیں بچھا، [کوسوں تک] دھان لہریں لے رہا۔ آسمان پر رنگا رنگ کی شفق پھولی، شام اودھ کی سیر بھولی۔ ایک سمت قوسِ قزح جیسے دھنک کھنچے ہیں، بصد عظم و شان، فلک پر نمایاں۔ سُرخ، سبز، زرد، دھانی لکیریں عیاں۔ جنگل کے جھیجے، درخت سر سبز لہلہے۔ کوسوں تک سبزہ زار، پھولوں کی بہار، کہیں ہرن چرتے، کہیں پرند سیر کرتے، کسی جا طاؤسانِ طنّاز سرگرمِ خرامِ ناز۔ لبِ چشمۂ آب، مرغابی آبی دستر خاب۔ کبھی نمودِ ہوتا ماہ کا، [ستاروں کا چمکنا]، چکور کا دوڑنا، بھرنا آہ کا، دونوں وقت ملتے۔ اس دید کی خراش سے دل پاش پاش، زخمِ جگر چھلتے، یہ سیر جو ہجرِ جاناں میں نظر سے گزر جائے کیوں کر دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور چھاتی [کس طرح نہ] بھر آئے۔ استاد ؎

کارِ اخگر کرتی ہے ہر بوند تن پر یار بن
کیا عجب گر ہوں ہرے داغِ جگر برسات میں

قاعدہ ہے جب آدمی کو سامانِ عیش و نشاط، [اور] اس طرح کی سیر [پر] فرحت و انبساط میسّر ہوتی ہے، [تو] جسے جی پیار کرتا ہے وہ یاد

اُٹھتا ہے۔ شہزادے نے مدّت کے بعد یہ فرحت جو پائی، یار کی یاد آئی۔ [آنکھیں بند کر کے پڑھا۔] شعر

میں وہ نہیں جو کروں سیرِ بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ مُنھ کیجیے باغباں تنہا

اس سوچ میں بیٹھا تھا، ایک طرف سے سواری کا شور اٹھا، [ادب سے اور مُلاحظے سے"۔ یہ غُل آسمان پر جاتا تھا، غور جو کیا، رنڈیوں کا غول چلا آتا تھا۔] یہ دھوکا تو پا چکا تھا، [جنگل میں غوطہ کھا چکا تھا۔] سنبھل بیٹھا اور اسمائے ردِّ سحر پڑھنے لگا۔ بموجبِ مثل "دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک پیتا ہے۔" جب وہ آگے بڑھیں، غور سے دیکھا، چار پانچ سے عورت پری زاد، حُور وش، [غیرتِ سرو، خجلت دہِ شمشاد،] زرّیں کمر، نازک تن، سیم بر، چُست و چالاک، کم سن، اٹھتی کے دن، اُچھلتی، کودتی، [مردانہ وار] پیادہ اور جواہر نگار، ہوادار پر، ایک آفتابِ محشر سوار۔ گِرد [ان] پریوں کی قطار تاجِ مرصّع کج سر پر، لباسِ شاہانہ پُر تکلّف در بر، نیمچۂ سُلیمانی اس بلقیس وش کے ہاتھ میں، سیماب وشی بات بات میں، صید کرنے کی گھات میں [اور] بندوقِ چقماقی [خاص لندن کی] طائرِ خیال گرانے والی، برابر رکھے۔ شکار کھیلتی، سیر کرتی چلی آتی ہے۔ حُسن [خداداد] بے مثال، کاہشِ بدر، غیرتِ ہلال، [عجب سن و سال]

میر حسن ؎

لہ بہ تغیرِ الفاظ یہ شعر سودا کا ہے۔ دیکھیے کلیاتِ سودا مرتبہ آسی صفحہ ۳۳۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سِن جوانی کی راتیں، مرادوں کے دن[1]

طالع بیدار، یاورِ اقبال دمساز، غمزہ و عشوہ [جلو میں] انداز و ادا [روبرو] آفتِ جانِ عاشق، سرمایہ ناز۔ جان عالم نے بآوازِ بلند کہا۔ میر تقی [میر] کا شعر:

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے
کیا بدن کا رنگ ہے، تہ جس کی پیراہن پہ ہے

یہ صدا جو اہتمامِ سواری آگے آگے کرتی تھیں، اُن کے کان میں پڑی اور نگاہ، جمالِ جانِ عالم سے لڑی۔ [دفعتاً] سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹھک گئیں، کچھ سکتے کے عالم میں سہم کر جھجک گئیں۔ کچھ بولیں۔ "ان درختوں سے [کیا] چاند نے کھیت کیا ہے؟" کوئی بولی "نہیں ری سورج چھپتا ہے۔"

کسی نے کہا۔ "غور سے دیکھو، ماہ ہے۔" ایک جھانک کے بولی۔ "یا اللہ ہے۔" [مگر چودھویں کا چاند ہے۔" کسی نے کہا۔ "اس کے روبرو تو چاند بھی ماند ہے۔"] ایک نے غمزے سے کہا۔ "سُنا چاند نہیں تو تارا ہے۔" دوسری چٹکی لے کے بولی۔ "اُچھال چھکا تو بڑی خام پارہ ہے۔" ایک بولی۔ "چمنِ حُسن وخوبی کا سرو ہے یا شمشاد ہے۔" دوسری نے کہا۔ "تیری جان کی قسم، پرستان کا پری زاد ہے۔" کوئی بولی [یہ تو] غضب کا طرار ہے۔" کسی نے کہا۔ "دیوانیو! چُپ رہو، خدا جانے کیا اسرار ہے۔"

ایک نے کہا۔ "چلو، نزدیک سے دیکھو، آنکھ سینک کے دل ٹھنڈا کریں۔" کوئی بھلا آدمی بول اٹھی۔ "دُور ہو، ایسا نہ ہو، تمام عمر اسی حسرت میں جل جل مریں۔" ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا۔ "خدا جانے تم سب کے دیدے

---

[1] مثنوی سحرالبیان

ہیں کہاں کی چربی چھا گئی ہے، کیا ہوا ہے یہ تو ہٹا کٹا، بھلا چنگا مردوا ہے۔"
سواری جو رُکی، ملکہ نے پوچھا۔ "خیر ہے"؟

سب نے [ڈرتے ڈرتے] دست بستہ عرض کی۔ "قربان جائیں، جان کی امان پائیں، تو زبان پر لائیں۔ ہمیشہ سواری حضور کی، اسی راہ سے جاتی ہے، مگر آج خلافِ معمول، ان درختوں میں سے، ایک شکلِ دل چسپ ایسی نظر آتی ہے کہ۔ فرد ؎

سنا یوسف کو حسینانِ جہاں بھی دیکھے
ایسا بے مثل طرح دار نہ دیکھا نہ سنا

ملکہ متعجب ہو کے پوچھنے لگی۔ "کہاں؟"
ایک نے عرض کی۔ "وہ حضور کے سامنے۔"

جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ بے نظیر، صورتِ دل پذیر جانِ عالم پر پڑی دیکھا کہ ایک جوان رشکِ مہِ پیرِ کنعان، رعنا، سرو قامت، سہی بالا بحرِ حسن و خوبی کا دُرِّ یکتا، کاسۂ سر سے فرِ شاہی نمایاں، یا وہ حسنِ دل فریب سے معمور ہے۔ دماغ کشور ستانی ہے، اٹھتی جوانی ہے، نشۂ شباب سے چکنا چور ہے۔ خمِ ابرو محرابِ حسیناں، سجدہ گاہِ پردہ نشیناں، چشمِ غزالیں، سرمہ آگیں ہے، آہوِ رم دیدہ، کشورِ چیں ہے، چتون سے رمیدگی پیدا ہے۔ مستِ مئے محبت ہے، اس پر جو کتا ہے۔ دیدے کی سفیدی اور سیاہی، لیل و نہار کو آنکھ دکھاتی ہے۔ سوادِ چشم [دیکھ کے] حورِ سویدائے دل، صدقے کیا چاہتی ہے۔ حلقۂ چشم میں کتنے ہموار مردم دیدہ دھرے ہیں، صانعِ قدرت نے موتی گوٹ کوٹ کے بھرے ہیں۔ مژہ نکیلی، اس کمان ابرو کی، دل میں دو سار ہونے کو تیس ہے۔ رشکِ لیلیٰ باغیرتِ قیس ہے۔ ناوکِ نگاہ سے سپرِ چرخ تک

پناہ نہیں، دل دوزی بے گناہوں کی، اس کی لذت میں ثواب ہے، گناہ نہیں۔ لوحِ پیشانی تختۂ سیمیں یا مطلعِ نور ہے، یا طباشیرِ صبح یا شمعِ طور ہے۔ کاکلِ مشکیں سے زلفِ سنبل کو پریشانی ہے۔ بو باس سے ختن والوں کے ہوش خطا ہوتے ہیں، حیرانی ہے۔ عنبریں مویوں کو زندگی وبال ہے، بال بال پر پیچ اور خمدار ہے۔ روئے تاباں، بسانِ چشمۂ حیواں، ظلمت سے نمودار ہے۔ ہُما اپنے پر و بال سے، اس صاحب اقبال کا مگس راں ہے۔ رُخِ تابندہ کی چمک سے نیرِ اعظم لرزاں ہے۔ لبِ گل برگِ تر پر سبزے کی نمود ہے، یا دھواں دھار مشتاقوں کے دل کا دود ہے۔ نظر کام نہیں کرتی، تجلّیِ قدرتِ ربِّ ودود ہے۔ ہر حلقہ گیسوئے معنبر کا کمند گرہ گیر ہے۔ مگر بالوں کے اُلجھنے سے کُھلتا ہے کہ کسی کی زلفِ پیچاں کا خود بھی اسیر ہے۔ خندۂ دنداں نما سے ہونٹ لعلِ بدخشاں کا رنگ مٹاتا ہے، دانتوں کی چمک سے گوہرِ غلطاں بے آب ہو کر لوٹا جاتا ہے۔ معشوقوں کا ان پر دانت ہے، دل و جان وارتے ہیں، جو نظر سے نہاں ہوں تو داڑھیں مارتے ہیں۔ دمِ تقریر دُرجِ دہاں جو کھولتا ہے، تو سامع موتی رولتا ہے۔ ہر کلمہ اعجاز نما ہے، بیمارِ محبت کا مسیحا ہے۔ ہاتھ ہر ایک نہالِ اُلفت کی شاخِ باردار ہے، دل کی دستبرد کو اور خزانۂ قاروں بانٹ دینے کو سر دست تیار ہے۔ کفِ دست کی لکیریں دستاویزِ محبت، یدِ قدرت سے تحریر ہے، سرنوشت سے یہ کُھلتا ہے کہ سلسلۂ اُلفت میں کسی کے رگ و پے بستۂ زنجیر ہے۔ براتِ سینہ میں عکس افگن کوئی صاحبِ جمال ہے۔ مدِّ نظر کسی کا خیال ہے۔ کمرِ نازک جستجو پر چُست باندھے ہے گو بیٹھا سُست ہے پر ناسپَلنے کو مثلِ صبا آندھی ہے۔ پاؤں وادیِ تلاش میں سرگرمِ رفتار ہیں، زیرِ قدم

دشت و کہسار ہیں۔ [لیکن] قسمت اپنی رہبر یاری ہے کہ ہمارے دام میں یہ ہمائے اوجِ شہریاری ہے۔ یہ تصور دل میں تھا کہ کارپردازانِ محکمۂ ناکامی حاضر ہوئے، اور مشاطۂ حُسن و عشق نے پیش قدمی کر [کے] متاعِ صبر و خرد، نقدِ دل و جان، اسبابِ ہوش و حواس [مع] تاب و تواں، ملکۂ جگرافگار ارمغانِ رونمائی میں نذر شاہ زادۂ والا تبار کیا، عقل و دانش گُم، "صمٌ بکمٌ" کا نقشہ ہوا۔ حضرتِ عشق کی مدد ہوئی، سب بلا رد ہوئی۔ شوقِ وصل [دل میں] پیدا ہوا، جی شیدا ہوا، "دفعتاً" کیا تھا، [اور دیکھتے ہی] کیا ہوا۔ میر تقی ؎

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی ۔۔۔ وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ ۔۔۔ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
دل پہ کرنے لگا، تپیدن ناز ۔۔۔ رنگ چہرے سے کر گیا پرواز[1]

ملکہ تھرتھرا کر ہوا دار پہ غش ہوئی۔ خواصوں نے جلد جلد گلاب اور کیوڑا، بید مشک چھڑکا۔ کوئی نادِ علی پڑھنے لگی، کوئی سورۂ یوسف دم کرنے کو آگے پڑھنے لگی۔ کسی نے بازو پر رومال کھینچ کر باندھا، [اور] تلوے سہلانے لگی۔ کوئی [چکنی] مٹی پر عطر چھڑک کر سنگھانے لگی۔ کوئی ہاتھ منھ کیوڑے سے دھوتی تھی، کوئی صدقے ہو ہو رو تی تھی۔ کوئی بولی: چہل کنجی کا کٹورا لانا" — کسی نے کہا: "یشب کی تختی دھو کے پلانا۔" کسی نے کہا: "لاریب [یہ] آسیب ہے، جس کے دیکھنے سے دل ناشکیب ہے۔" — کوئی بولی: "[یہ تو] عجب سہ پارہ ہے، [اس کا دیکھنا کیا تھا، گویا چاندنی نے مارا ہے۔"] کوئی سمجھی: "یہ شخص ہم جنس نہیں، قسمِ جن سے ہے۔" دوسری بولی: "[پری

---

[1] مثنوی دریائے عشق

ہوا، یہ غشی تقاضائے سن سے ہے۔"

غرض کہ دیر میں ملکہ کو افاقہ ہوا۔ مگر دل مضطر تپاں، خواہش اُسی طرف کشاں۔ جذبِ عشق سے مقناطیس و آہن کا عالم، کشش محبت سے کاہ و کہربا اسی دم ہو گئی۔ رنگ رو، طائرِ پریدہ، صبر و ضبط دامن کشیدہ۔ مشورہ ہوا، سواری اُدھر سے پھیرو، ملکہ [صاحب] کو بیچ میں گھیرو، لیکن تابِ تحمّل و یارائے ضبط، ملکہ کو بالکل نہ رہا۔ [اس بدحواسی میں کچھ کہا تو یہ کہا۔] "دیوانیاں ہو، یہ کوئی مسافر بے چارہ، خانماں آوارہ، غربت کا مارا، تھک کے بیٹھ رہا ہے، اس سے ڈرنا کیا ہے۔ چلو نزدیک سے دیکھیں، [حال پوچھیں۔"]

ناچار وہ سب [تابعدار،] فرماں بردار چلیں، مگر جھجکتی، ایک دوسرے کو تکتی، جوں جوں سواری قریب جاتی تھی، ملکہ کی چھاتی دھڑکتی تھی، دل میں تڑپ زیادہ پاتی تھی۔

اگرچہ جمال [پری تمثال] ملکہ مہر نگار بھی، سحر ساحری کا نمونہ مہر و مہر سے [چمک دمک میں] دونا، عابد کش [اور] زاہد فریب تھا۔ جانِ عالم بھی بے چین ہو گیا۔ مگر دامنِ ضبط، دستِ استقلال سے نہ چھوٹا، جس طرح بیٹھا تھا، جنبش نہ کی، تیور پر میل نہ آیا، کہ ایک خواص خاص باشارۂ ملکہ آگے بڑھی۔ پوچھا۔ "کیوں جی میاں مسافر، تمھارا کدھر سے آنا ہوا، اور کیا مصیبت پڑی جو اکیلے، سوائے اللہ کی ذات، یہاں تک، نہ کوئی سنگ نہ سات اس جنگل میں وارد ہو[ئے]۔"

شہزادے نے مسکرا کر کہا۔ "مصیبت خیلا تجھ پر پڑی ہو گی، معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں، [ٹھوکریں کھاتے ہیں، یہ تو] کہو تم سب

کی کیا کم بختی، ایّاموں کی گردش، نصیبوں کی سختی ہے، [جو خاک پھانکتی مسافروں کو تاکتی، جھانکتی،] چڑیلوں کی طرح ناکام سر بشام پھرتی ہو" [سو کہتے ہیں مسافروں پر پھسل کے گرتی ہو"]

ملکہ یہ کلمہ سُن کے بھڑک گئی، [اور ہوا دار آگے بڑھا،] خود فرمانے لگی: "واہ وا، صاحب تم [تو] بہت گرما گرم، تُند مزاج، حاضر جواب، [پابرکاب ہو،] حال پوچھنے سے اتنا برہم ہوئے کہ کڑا فقرہ سُنایا، اس مُردار کے ساتھ، تھُو تھُو، مجھ چھوٹ سب کو بچھل پائیاں بنایا۔"

جانِ عالم نے کہا "اپنا [یہ] دستور نہیں، کہ ہر کس و ناکس سے ہم کلام ہوں، دوسرے مُردار سے بات [کرنا] مکروہ ہے، مگر خیر دھوکے ہیں جیسا اُس نے سوال کیا، ویسا ہم نے جواب دیا، اب تمھارے مُنھ سے مُردار نکلا، ہم سمجھ گئے چپ ہو رہے۔"

ملکہ نے ہنس کر کہا۔ "خوب، یک نہ شد دو شُد، صاحب [اپنی] چونچ سنبھالو، ایسا کلمہ [تو] مُنھ سے نہ نکالو، کیا میرے دشمن در گور مُردار خور ہیں، [آپ بھی کچھ نزور ہیں] بھلا وہ تو کہہ کے سُن چکی، میں آپ سے پوچھتی ہوں [کہ] حضور [والا] کس سمت سے رونق افروز ہوئے اور دولت سرا چھوڑے ہوئے کے روز ہوئے؟ قدومِ میمنت لزوم سے اس دشتِ پُرخار کو کیوں رشکِ لالہ زار کیا، [یہ بارِ گراں سفرِ غربت کب سے سر پر لیا؟"]

[اب کی بار جانِ عالم بھی ہنسا،] کہا۔ "چہ خوش، آپ در پردہ بناتی ہیں، بگڑ بگڑ کر طنز سے ہمیں یہ سُناتی ہیں، ہم حضور رکھتے ہے کہ [مزدور ہیں آپ اپنے نزدیک بہت دُور ہیں۔] تم جو بیٹھے جی چار کے کاندھے [پر] چڑھی کھڑی ہو، تم البتہ حضور ہو، [عارضی جاہ و حشم پر مغرور رہو۔"]

جو جو [اس کی] جلیسیں تھیں، بولیں: "ملکۂ عالم! آپ کس [شخص] سے گفتگو و دوبدو کرتی ہیں، یہ مردوا تو لٹھ ہے، سخت مُنھ پھٹ ہے"۔

ملکہ بولی۔ "[تم لوگ] چُپ رہو، ان باتوں میں دخل نہ دو، [میں نہیں جانتی] ایسا نہ ہو، یہ بدمزہ ہو جائے، تو صلواتیں سُنائے"۔

وہ سب [وہاں سے] ہٹیں، آپس میں کہا۔ "خُدا خیر کرے۔ آج جنگل میں گُل پھُولا چاہتا ہے، یہ پردیسی پنچھی مُسافر راہ بھُولا چاہتا ہے"۔

[پھر] ملکہ نے کہا۔ "اے صاحب! [خدا کے واسطے] کچھ مُنھ سے بولو، سر سے کھیلو، نذر بھینٹ جو درکار ہو لو"۔

جانِ عالم نے کہا۔ "اُمرائیت کو کام نہ فرماؤ، نیچے آؤ، [یہ ہمیں] معلوم ہوا، کہ تم بڑی آدمی ہو، سواری مانگے کی نہیں، [اور] خواصیں بھی تمھاری ہیں، [جو ہمراہ سواری ہیں] خاک نشینوں کی ہم بستری [اختیار] کرو، [یہ] تکلف تہ کر رکھو، [تمھارے بیٹھنے سے] طبیعت [اگر] حاضر ہو گی، تو کچھ کہہ اٹھیں گے، [تم کم سِن، میں بڑھا جَن] تم ہوا دار کیا، ہوا کے گھوڑے پر سوار، ہم فقیر بستر خاک پر سایہ دار۔ حافظ ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ملکہ نے کہا۔ "اس مدۃ العمر میں ایسا مُسافر جریدہ دہن دریدہ تمھارے سوا بخدا نہ دیکھا نہ سُنا۔ اُستاد ؎

زباں سنبھالو یہ مُنھ زوریاں غریبوں پر

خدا کی سوں کوئی تم سا بھی بد لگام نہیں

تم کوئی زور چنچل ہو، [کتنے بے تمیز ہو] یکہ و تنہا، ٹٹو نہ گھوڑا، [پیادہ پائی میں پاس و لحاظ بھی چھوڑا،] گٹھری نہ بقچہ، ننگا لُچّا، وہی مثل ہے رہے

جھونپڑے میں، خواب دیکھے محلوں کا، ہر بات میں ٹھنڈی گرمیاں کرتے ہو، جو یہی خوشی ہے تو لو۔" یہ کہہ کے ہوادار سے اُتر، [زمین میں] شہزادے کے برابر بیٹھ گئی۔

خواصوں نے بہت بھیا نک ہو کے کہا۔ "لو بی بی یہ موا، کیا سحر بیان، جادو کا انسان ہے، ملکہ سی پری کو، گالیاں دے دے کے، کیا شیشے میں اتار لیا، بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا۔"

ایک بولی "تجھے اپنے دیدوں کی قسم سچ بولیو، ایسا جوان، رنگیلا، سجیلا، نکیلا، ٹھٹھول، طرار، آفت کا پرکالہ، دنیا سے نرالا، تونے یا کبھی تیری ملکہ نے دیکھا بھالا تھا، ارے دیوانی، نادان خوب صورتی عجیب چیز ہے، اس کا دوست، طالب، دشمن کا مطلوب ہے، حسن خوب سب کو مرغوب ہے، جہان کو عزیز ہے۔"

غرض کہ جب ملکہ بیٹھی، جانِ عالم دم سرد بھر کے بول اٹھا۔ لا اعلم ؎

چہ گویم از سرِ سامان خود عمر یست چوں کاکل
سیہ بختم، پریشاں روزگارم، خانہ بردوشم
موتی [illegible] سرو دل دکھاتا ہے، کوئی ذکر اور ہی چھیڑ دو
پتا خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

گرفتار رنج و الم، خوشی سے دور، مبتلائے غم، بے یار و مددگار، دوست نہ غم خوار، آفت کا مارا، خانماں آوارہ، ہمہ تن یاس، باختہ حواس، توشۂ راہ بہ جز غمِ جاں کاہ نہیں، اور رہبر سوائے دلِ مضطر ہمراہ نہیں۔ گو پاؤں میں طاقتِ رفتار نہیں، لیکن ایڑیاں رگڑنا بھی اس راہ میں ننگ نہیں، عار نہیں۔ یہ حال ہے، وہ سب نام ہیں۔ کوہ و دشت اپنے [مسکن کو] مقام ہیں۔

[آدمی مجھ سے رم کرتے ہیں، جانور رام ہیں۔] اور یہ چند شعر، میر سوز صاحب کے مطابق حال ہیں۔ میر سوزؔ:

ظاہر میں گرچہ بیٹھا لوگوں کے درمیاں ہوں
پر یہ خبر نہیں ہے، میں کون ہوں کہاں ہوں

اے ساکنانِ دنیا آرام دو گے اک شب
بچھڑا ہوں دوستوں سے گُم کردہ کارواں ہوں

ہاں اہلِ بزم میں بھی آؤں پر ایک سُن لو
تنہا نہیں ہوں بھائی یا نالہ و فغاں ہوں

سوراخ و چاک لاکھوں، داغوں کی کون گنتی
گلشن دل و جگر ہے، گو صورتِ خزاں ہوں

نام و نشاں نے یارب رُسوا کیا ہے مجھ کو
جی چاہتا ہے حق ہو، بے نام و بے نشاں ہوں

[سر مانگتا ہے قاتل، قاصد شتاب لے جا
اتنی سُبک سری پر کاہے کو سرگراں ہوں]

قاتل پُکارتا ہے، ہاں کون کُشتنی ہے
کیوں سوزؔ چُپ ہے بیٹھا، کچھ بول اُٹھ نہ ہاں ہوں

یہ [غزل] پڑھ کے چُپ ہو رہا۔

ملکہ سمجھی یہ مقرّر شاہ زادۂ عالی تبار ہے، مگر کسی کا عاشقِ زار ہے [جو دل فگار ہے] بات میں یہ تاثیر ہے، کہ ہر کلمہ ناوک کا تیر ہے۔ دل میں آیا، کسی طرح گھر لے چلیے، پھر مفصّل حال معلوم ہو جائے گا۔ کہاں تک چھپائے گا۔ بہ منّت و سماجت کہا "اے عزیز! یہ سرزمین ہمارے علاقے میں ہے، تم

یہاں مُسافرانہ، اتفاقاتِ زمانہ سے وارد ہو، مہمانی ہم پر واجب ہے۔ چند گام اور قدم رنجہ کیجیے۔ غریب خانہ قریب ہے، نانِ خُشک کھائیے۔ آج کی شب استراحت فرمائیے۔ صبح اختیار باقی ہے' [آتی مُشتاقی ہے"۔]

جانِ عالم نے متبسم ہو کے کہا۔ "پھر در پردہ امارت کی لی، یعنی ہم تو یہاں کے مالک ہیں، آپ بھُوکے پیاسے سالک ہیں، چلو! یہ فقرہ کسی فقیر کو سُناؤ، محتاج کو کر دو فر، جاہ و حشم دکھاؤ، جادۂ اعتدال سے [باہر] زبان کو کام فرسانہ فرماؤ، یہاں طبیعت اپنی اپنے اختیار میں نہیں، مکان پر جانا، دعوت کھانا جبر ہے، اور رواداری سے فرصت قلیل ہے۔ آنے جانے کی کون سی سبیل ہے؟"

ملکہ نے افسردہ خاطری سے کہا۔ "دعوت کا رد کرنا منع ہے، آیندہ آپ مُختار ہیں، ہم [تو] مجبور [ہیں] ناچار ہیں۔"

جانِ عالم نے دل میں خیال کیا، برسوں کے بعد ہم جنسوں کی صحبت میسّر آئی [ہے] اور یہ بھی شاہ زادی ہے۔ اس کا آزردہ کرنا نری بے حیائی ہے، آدمیت کا لحاظ، انسانیت کا پاس، اپنی بے اعتنائی سے حجاب کر کے کہا۔ "کھانے پینے، سونے بیٹھنے کی ہوس، دل سے اُٹھ گئی ہے۔ مگر دل شکنی کسی کی اپنے مذہب میں گناہِ عظیم ہے۔ خدا [اِس بات کا] علیم ہے۔ شعر

عوض ہے دل شکنی کا بہت محال اے یار[1]
جو شیشہ ٹوٹے تو کیجے جواب شیشے کا

لیکن اتنی رُکھائی اور [یہ] کج ادائی جو [مجھ سے] ظہور میں آئی، [معاف کیجیے گا] اس نظر سے تھی۔ شعر

---

[1] یہ شعر سودا کا ہے۔ کلیاتِ سودا مرتبہ آسی صد ۹

گا۔ اس نظر سے تھی۔ شعر

در محفلِ خود راہ مدہ ہمچو منے را ؎
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

دل فگاروں کی صحبت سے [انسان کو] ملال حصول ہوتا ہے، غمگین کا ہم نشین ہمیشہ ملول رہتا ہے۔ [خواجہ] میر درد [صاحب]

نہ کہیں عیش تمھارا بھی منغّص ہووے ؎
دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو

اور جو یوں ہی مرضی ہے تو بسم اللہ، یہ کہہ کے اُٹھا، ہاتھ میں ہاتھ، پیادہ پا باتیں کرتا، ساتھ ساتھ چلا۔ بسکہ شہزادہ لطیف و ظریف تھا، کوئی فقرہ نوک جھوک، رمز و کنایہ، [ذو معنی] سے خالی، زبان پر نہ لاتا تھا۔ ملکہ کا ہر بات میں دل پگھلا جاتا تھا۔ مگر دل سے کہتی تھی کہ "اے ناکام و بخت نافرجام! ایسا نہ کرنا، کہ ہاتھ ننگ و ناموس سے دھونا پڑے، بیٹھے بٹھائے الم مفارقت میں رونا، جان کھونا پڑے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کا عاشق زار ہے، نشۂ محبت میں سرشار ہے۔ دوسرے غریب الوطن، بقول میر حسن ؎

مسافر سے کرتا ہے کوئی بھی پیت
مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت [1]

مگر تپشِ دل متصل ترقی میں تھی، [اور] خواہش جی کی کاہش میں، بے قراری کو اس پر قرار تھا، کہ خدا کے کارخانے میں [آج تک] کسی کو دخل نہیں ہوا۔ اے نادان! جو دمِ وصل ہے، اسے غنیمت جان۔ آغازِ عشق میں انجام [کار]

---

[1] مثنوی سحر البیان

سوچنا [سراسر] خلاف ہے، اس میں شرع کی تکلیف معاف ہے۔ مؤلف ؎

غنیمت جان لے، یہ صحبتیں آپس کی اے ناداں
دِگرگوں حال ہو جاتا ہے، اک دم میں زمانے کا

القصہ تا درِ باغ [باخاطرِ فراغ] پہنچے۔ دروازہ کُھلا، اندر آئے۔ جہاں کی فضائے صحرا دہ تھی، وہاں کے باغ کا کیا کہنا! اگر ایک تختے کی صفت تحریر کروں، ہزار تختۂ کاغذ پر بخطِ ریحان، [اس گلزار کی تعریف] نہ لکھ سکوں۔ دمِ تسطیر قلم میں برگ نکلتے [ہیں] لکھنا بار ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں بالکل پھولتے ہیں، صفحۂ قرطاس پر گُل پھولتے ہیں۔ حاسد شاخسانے نکالتا ہے، خار ہوتا ہے۔ [صریرِ خامہ میں بُلبُل کے چہچہے پیدا ہوتے ہیں، باغباں کو نوبت حال کی ہوتی ہے، اور سطرِ پیچاں میں طائرِ مضمون پھنستے ہیں۔ بعینہٖ کیفیت صیّاد کے جال کی ہوتی ہے۔] آراستہ و پیراستہ، عرض مربع میں، چاروں کونوں پر [چار] بنگلے، گرد سبزۂ نوخاستہ، دروازہ عالی شان، نفیس مکان۔ زیرِ دیوار خندق پر کیلے، اکیلے نہیں قطار در قطار، تختہ بندی کی بہار، روش کی پٹریاں، قرینے کی؛ مہندی کی ٹٹیوں میں رنگت مینے کی۔ گلِ مہندی، سُرخ زرد، پرافشاں، عباسی کے پھولوں سے قدرتِ حق نمایاں۔ نرگس دیدۂ منتظر کی شکل [آنکھیں] دکھاتی تھی، گُلِ شبو سے بھینی بھینی بوباس آتی تھی۔ میوہ دار درخت یک لخت جدا، بار کے بار سے ٹہنیاں جُھکیں، درخت سرکشیدہ، پھل لطیف و خوش گوار، پھول نازک، قطع دار، روشیں بلور کی، نہریں نور کی۔ حوض و نہر میں فوارے جاری، چمنوں میں باد بہاری۔ موسم کی تاک میں تاک کا مستوں کی روش جھومنا، غنچۂ سربستہ کا منھ تاک تاک کے نسیم کا چومنا۔ انگور کے خوشوں میں دلِ آبلہ دار کا پتا، زربفت کی تھیلیاں چڑھیں، نگہبانی

کو گوشوں میں باغبانیاں، المست کھڑیں، ہر تختہ ہرا بھرا، روش کی پٹریوں پر چینی کے نانددوں میں درخت گُل دار معنبر و معطّر، بیلا، چنبیلی، موتیا، موگرا، مدن بان، جوہی، کیتکی، کیوڑا، نسرین و نسترن کی نرالی آن بان۔ ایک سمت تختوں میں لالہ خوفِ خزاں سے بہ دلِ داغ دار، گرد اس کے نافرمان کی بہار۔ سرو، شمشاد لب جو، فاختہ اور قمری کی اس پر کوکو، حق سرہ۔ شاخِ گُل پر بلبلِ شوریدہ کا شور، چمن میں رقصاں مور۔ کہیں خندۂ کبک دری، کہیں تدرو، برسرِ جلوہ گری۔ [اور] نہروں میں قاز بلند آواز، تیز پرواز، ایک طرف [بطورِ] قرقرے، سر سے پا تک درخت، گل و بار سے لدے۔ سیب سے زنخ گلعذاروں کی کیفیت نظر آتی، ناشپاتی، بہی، آسیبِ دستِ باغباں سے بری۔ ہر شاخ میں برسرِ جلوہ گری، سُنبلِ مُسلسل میں پیچ و تاب، زلفِ مہ وشاں کا ڈھنگ۔ سوسن کی اُودا ہٹ، مستی لبِ خوب رویوں کا جوبن دکھاتی، داؤدی میں صنعتِ پروردگار عیاں، صد برگ میں ہزار جلوے نہاں۔ آم کے درختوں میں کیریاں زمرّد نگار، مولسری کے درخت سایہ دار، باغ بانیاں خوب صورت سرگرم کار۔ خواجہ سرا امرد ان کے مددگار، حور و غلمان کا عالم۔ بیلچے، کھرپیاں [مرصّع کار] جواہر نگار، ہاتھوں میں باہم۔ درخت اور روشوں کو دیکھتی بھالتی، گُل و بار چمن سے چُنتی، گُلا برگ، سرِ اِبار، جھڑا پڑا خار، صحن [اور پٹری سے اور کیاری] سے نکالتی پھرتی تھیں۔ بیچ میں بارہ دری پُر شوکت، با رفعت، دلشاد، پرستان کا سا مکان۔ ہر گھرا سجا سجایا، صنّاع نیک دست کا بنایا۔ غلام گردش کے آگے چبوترہ سنگِ مرمر کا، حوض مُصفّا پانی سے چھلکتا۔ فرش یک تخت افشانی پتھر کا، شامیانہ تمامی کا [تنا] سفید بادلے کی جھالر، کلابتوں کی ڈوریاں،

سراسر مغرق بنا۔ چودھویں رات، ابر کھلا، آسمان صاف، شب ماہ سامان اس تکلف کا۔ برسات کی چاندنی سبحان اللہ۔ فواروں کے خزانے میں بادلا کٹا پڑا، ہزارے کا فوارہ چڑھا۔ پانی کے ساتھ بادلے کی چمک، ہوا میں پھولوں کی مہک۔ فوارے نے زمین کو ہمسر آسماں بنایا تھا، ستاروں کے بدلے بادلے کے تاروں کو چھپایا تھا۔ بڑی چمک دمک سے ملکہ کے مکان پر چاندنی دیکھنے کا سامان تھا۔ شہزادے کے آنے کا کسے گمان تھا۔

غرض کہ جان عالم کو لے جا، شامیانے [کے] تلے، مسند مغرق [جواہر نگار] پر بٹھایا۔ شراب ارغوانی [و زعفرانی] کی گلابیاں، کشتیوں میں لے کے وہ وہ زنِ پری پیکر، زیب دہِ انجمن ہوئی، کہ بدرِ منیر رشک و خجالت سے بحرِ ندامت میں غوطہ زن ہوئی۔ ایک طرف جام دسبو، ایک طرف نغمہ سرایان خوب رو، خوش گلو، سفید سفید صوفیانی پوشاک سر سے پاؤں تک الماس کا زیور، رو برو صف باندھ کر کھڑی ہوئیں۔ ان کے بیٹھتے ہی گانا، ناچ شروع ہوا۔ سارنگی کے سُر کی زوں زوں کی صدا، چرخ پر زہرہ کے گوش زد ہوتی تھی۔ طبلے کی تھاپ، بائیں کی گمک، خفتگانِ خاک کا صبر و قرار کھوتی تھی۔ ہرتان اور اُپج، تان سین پر طعن کرتی، باربد اور نکیسا کے ہوش پراں تھے۔ بچھو خاں کو غش تھا، غلام رسول حیران تھے۔ زمزمے اور تحریر، کٹکری، پر شوری ترور شور سے ہاتھ ملتا تھا۔ ہر پسے فقرے اور سُر کے پلٹے پر الٰہی بخش پوربیے کا جی نکلتا تھا + ناچنے کو ایسے ایسے پری وش آئے اور اس تال سم سے گھنگھرو بجائے، کہ للو جی شرمائے، کتھک جو بڑے استاد ڈھنگ تھے انھوں نے سم کھائے + ٹھوکر مُردہ دلوں کی مسیحائی کرتی تھی۔ گت کے ہاتھ پر یہ گت تھی کہ مجلس کفِ افسوس ملتی تھی اور دم بدم سر دھرتی تھی۔

جب ہنگامۂ صحبت بایں نوبت پہنچا، کہ راجہ اندر کی محفل کا جلسہ نظر سے گر گیا، بہشت کا سامان پیشِ چشم پھر گیا۔ اس وقت ملکہ مہر نگار نے گلاس، شراب سے بھر کر شہزادے کو دیا، کہا: "اسے اوش کر دیجیے تا رنج سفر خاطرِ انور سے دُور ہو، مجھے استفسارِ حال ضرور ہے"۔ جان عالم نے بااسباب ظاہر انکار کیا۔

مہر نگار نے کہا: "آپ دل شکنی روا نہیں رکھتے، اس پہلو تہی کرنے میں ملالِ خاطر کے سوا کیا منظور ہے"۔

شہزادے نے مسکرا کر ساغر [ہاتھ میں] لیا۔ [یہ شعر پڑھ کے] باطبع شگفتہ پیا۔ انشا:

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے
زاہد نہیں، میں شیخ نہیں، کچھ ولی نہیں

پھر جان عالم نے جامِ شراب، اپنے ہاتھ سے بھر کے ملکہ کو دیا، دورِ جام بے دغدغہ، نیرنگیِ ایام چل نکلا۔ دو چار ساغرِ آبِ آتش رنگ، جوانی کی ترنگ میں بہم و متواتر جو پیے، دونوں کو کہ سرور رہا، رنجِ سفر ادھر سے، تمیز و خیال، خیر و شر ادھر سے دُور ہوا۔ اُس وقت جانِ عالم نے یہ شعر پڑھا۔ میر درد:

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

یہ سُن کر ہی خواص گرماگرم، جس نے شہزادے سے پہلے گفتگو کی تھی، ملکہ کی بہت منہ لگی تھی، [آنکھ ملا کر] یہ بولی۔ [ہوس]

لطفِ شبِ مہ اے دل اس دم مجھے حاصل ہو

اک چاند بغل میں ہو، اک چاند مقابل ہو

ملکہ نے بہ حسرت فرمایا کہ ["اے] مُردار، ہم تیری چھیڑ چھاڑ سب سمجھتے ہیں، کیا کریں، افسوس کی جا ہے" موافقِ حال، قولِ سودا ہے۔ رفیع سودا

ؔ جو طبیب اپنا تھا دل اُس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

[جب ملکہ پڑھ چکی، تو جانِ عالم نے یہ شعر سنا کے] اس خواص کو متنبہ کیا۔ اُستاد ؎

میں مسافر ہوں تجھ سے دل نہ لگا
کیا بھروسا مرا، رہا نہ رہا

ملکہ ٹال کے حال پوچھنے لگی کہ "تم کو قسم ہے پروردگارِ عالم کی سچ کہو تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کس کی تلاش ہے، جو خود رفتہ گھبرائے ہو۔" اُس وقت شہزادے کو بہ جز راستی، مفر نظر نہ آیا۔ کہا: "ملکۂ مہرنگار میں شاہِ فیروز بخت کا بیٹا ہوں، جانِ عالم [میرا] نام ہے، سرزمینِ ختن وطن ہے، فسحت آباد، بیت السلطنت کا مقام ہے۔ میں نے ایک توتا مول لیا تھا، بہت طرار، سحر گفتار، اس کی زبان سے شہرۂ حسنِ انجمن آرا سُن کے نادیدہ، دیوانہ وار، بے قرار، بیابانِ مرگ آوارۂ وطن، موردِ رنج و محن، ہوا ہوں۔" پھر توتے کا راہ میں اُڑ جانا، وزیرزادے کا پتا نہ پانا، شمۂ بیانِ گرفتاریِ طلسم اور اپنی [ذلت و] خواری، [اس] جادوگرنی کا نقشِ سلیمانی دینا، اور اپنا رستا لینا، کہہ کے کہا۔ "بے مُلکِ زرنگار پہنچے نہ جان کو چین، نہ دل کو [صبر و] قرار ہے، زیست بےکار ہے۔" اور یہ غزل پڑھی۔ مؤلف ؎

بہ سوزِ شمع رویاں اس طرح کا سینہ سوزاں ہوں

کہ رفتہ رفتہ آخر جلوۂ سروِ چراغاں ہوں
نسیمِ صبح ہوں، یا بوئے گُل، یا شمعِ سوزاں ہوں
میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں
نہ پھل پایا، لگانے کو بجز افسوس و حسرت کے
میں نخلِ بے ثمر کس مرتبہ مردودِ دہقاں ہوں
عبث تدبیر ہے گور و کفن کی اس کے کوچے میں
میں ننگِ دو جہاں، ننگے ہی رکھ دینے کا شایاں ہوں
نہ مرتے مرتے منھ پھیرا محبت سے کبھی میں نے
جفائیں کس قدر جھیلیں، و قابر اپنی نازاں ہوں
تنی رہتی ہے اکثر چادرِ مہتاب تربت پر
کہ تا معلوم ہو سب کو قتیلِ مہ جبیناں ہوں
سرِ دَرِ غم رسیدہ ہوں، مجھے طوفانِ محشر میں
ڈرانا تو ہی خاوندا، غریقِ بحرِ عصیاں ہوں

ملکہ نے جب سُنا کہ یہ فریفتۂ جمال پری تمثال انجمن آرا ہے۔ آہِ دل دوز، نعرۂ جاں سوز کھینچ کے رونے لگی، امید قطع ہوئی۔

جانِ عالم نے بے قرار ہو کے کہا۔ "اے ملکۂ مہر نگار خیر باشد"؟

ملکہ نے اسی حالِ [بے تابی] میں کہا۔ اُستاد

ہائے اس خستۂ عالم پہ کیا جو مجھ کو
سوئے بیداد، مگر مرضیِ دوراں آئی
چاک دل تنگ تو کچھ اے دستِ جنوں رہتا
یہ کھلا اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئی

اے شاہ زادۂ والا تبار، غارت گرِ کشورِ دل، عاشقِ زار! میرا احوال سُن

ع "عجیب واقعہ و طُرفہ ماجرائے ہست"

"باپ میرا [بھی] شہنشاہ تھا۔ بہت سے تاجدار خراج گزار تھے، مگر ابتدا سے طبیعت متوجہ بہ فقر تھی اور عبادت کی عادت تھی۔ آخر کار کارخانۂ دنیائے دوں "ہیچ و پوچ جان کے" [عزم وارستگی ٹھان کے] یہ شعر وردِ زبان [ہر آن تھا۔] میر سوز

ے جب ہیچ ہی ہم بوجھ چکے وضعِ جہاں کو
غم ہیچ، الم ہیچ، طرب ہیچ، عطا ہیچ

غرض کہ حکومت کا بکھیڑا چھوڑ، معاملۂ سلطنت بے کار جان اور بے ثباتیِ جہانِ گزران مدِ نظر کر، دنیا سے ہاتھ اٹھایا، بادشاہت کو مٹایا آبادی سے مُنھ موڑا، اس صحرائے پُر خار میں مکان بنا کے بیٹھ رہا۔ ہر چند مجھے شادی کو ارشاد کیا، میں نے بہ سبب [غم] اسفارقتن انکار کیا، اب دفعتاً آفت آسمانی و بلائے ناگہانی مجھ پر ٹوٹ پڑی، کہ بیک نگاہ عاشق کیا، دیوانی ہو گئی، ہوش و حواس سے بیگانی ہو گئی + [میر تقی] میر ے

رُسوا ہوا، خراب ہوا، مبتلا ہوا
کیا جانیے کہ دیکھتے ہی مجھ کو کیا ہوا

اور تُو اس کا عاشق و طلب گار ہے، جس کا نظیر اس زمانے میں ہاتھ آنا بہت دشوار ہے۔ میر

ے محمل نشین ہیں کتنے خدام یار میں یاں
لیلےٰ کا ایک ناقہ سو کس قطار میں یاں

اب بجز مرگ کیا چارہ ہے؟ میں ننگِ خانماں، خراب کنندہ خاندان، فقط

ذلّت وخواری ماں باپ کی' اور گریہ وزاری اپنی چاہتی تھی۔ صبح تو کہاں' میں کہاں' یہ صحبت شبِ خواب ہو جائے گی' نمودِ صبحِ مفارقت' شامِ غربت کا رنگ دکھائے گی' دامنِ سحر کی طرح گریبانِ صبر چاک ہوگا' ہمارے سر پر آفت وخرابی آئے گی۔ انصاف کیجیے' کس سے کہوں گی' بے قراری ستاتی ہے' جانِ عالم کی جُدائی سے رُوح بدن سے جُدا ہوتی ہے' جان جاتی ہے۔ ہم صحبتیں طعنے دیں گی' ایسیں چھیڑ چھیڑ کر جان لیں گے' جب لونڈیوں پہ خفا ہوں گی' بڑبڑائیں گی' زبان پر یہ کلمہ لائیں گی۔" ملکہ عاشقی کا رنج وملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں' شہزادہ چلا گیا' نہ رُک سکا' اُس سے [تو] بس نہ چلا [ہم جو بے بس ہیں' بس [غصّے کی جھاںجھ ہم پر نکالتی ہیں۔" باپ پر حال کُھلا تو خجالت ہو گی۔ ماں نے گر سُنا تو ندامت سے کیا حالت ہو گی' رسوائی کے خوف سے دل کھول کر نہ رو سکوں گی' بدنامی کے ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی۔ جب دلِ بے تاب ہجر سے گھبرائے گا' فرمائیے [تو] کون تسکین فرمائے گا' کیا کہہ کے سمجھائے گا۔ آپ اُدھر تشریف لے جائیں گے' ہم اِدھر غمِ فرقت سے گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے' ہماری سرنوشت پر رونا روا ہے' ماجرا ہمارا عبرت وحیرت افزا ہے۔ ہر چند خلقِ سُبحانی' عالَم بے بدل ساحرِ بے مثل ہیں۔ علوی' سفلی سب کچھ لکھا پڑھا ہے۔"

[مگر] ہماری پیشانی اور لوحِ جبین کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آئی ہے' اور ایسے نستعلیق نے' خطِ شکست سے کیا بُرا لکھا ہے' افسوس صد افسوس۔" مؤلف

وہ بھی ہوگا کوئی امّید بر آئی جس کی
اپنے مطلب تو نہ اس چرخِ کُہن سے نکلے

یہ باتیں کر، دل پر ہاتھ دھر، رونے لگی، دامن و گریبان آنسوؤں سے بھگونے لگی۔ شہزادے کو ثابت کیا، یقین ہوا ملکہ بہ شدّت فریفتہ و شیدا ہے، بات سے حُزن و ملال پیدا ہے۔ دل دُکھنے کے مزے سے زبان لذّت پا چکی ہے، ہجر کے صدمے جان اُٹھا چکی تھی، [گھبرایا اور] بے چین ہو کے بولا۔ زبان کو [تشفی اور] تسکین کی باتوں میں کھولا۔ "کہا آپ کا کدھر خیال ہے بندہ فرماں بردار بہ ہر حال ہے۔ جو کہو گی بجا لاؤں گا، بارِ اطاعت سے سر نہ اُٹھاؤں گا۔ مگر برائے چندے، صبر دل پر جبر ضرور ہے۔ اگر اُس کی جُستجو میں نہ جاؤں گا، تمھیں مجھ سے کیا امید ہو گی، ہم چشموں سے آنکھ کیوں کر ملاؤں گا۔"

سُبحان اللہ وہ وقت دیکھا چاہیے کہ معشوق عاشق کی تسکین کرے اپنی اطاعت، اُس کے ذہن نشین کرے، خوش قسمتوں کو ایسے بھی مل جاتے ہیں، کہ عاشق کے رنج [کا] غم کھاتے ہیں، دلداری کر کے سمجھاتے ہیں۔ اس کا لوگ رشک کرتے ہیں، آتشِ حسد سے جل مرتے ہیں۔" بلکہ یہ سُن کے دل میں شاد، بندِ فکر و غم سے آزاد ہوئی۔ یہ بات امتحان کی ہے، جسے جی پیار کرتا ہو، اگر وہ جھوٹ بھی بولے، تو عاشق کو سچ کیا، بہ منزلہ آیت و حدیث ہو جاتا ہے۔ [پھر یہ شعر مصحفی کا سُنا کے پڑھا،] یہ کہا۔ شعر

عاشق سے کبھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل
وہ کام تو کہتا ہے جو آتا نہیں مجھ کو

لیکن خیر ہم تو اسے بھی جھیل لیں، بہ کھیل بھی کھیل لیں، اگر ہماری یاد بھلیں فراموش نہ ہو، وحشت کا جوش نہ ہو۔"

جانِ عالم نے قسمیں شدید کھائیں، اختلاط کی باتیں درمیان میں

آئیں، کہ اس میں سرِ مُو فرق نہ ہوگا، اور مژدۂ وصل سے مسرور کیا، خیالِ مفارقت ملکہ کے دل سے دُور کیا۔ کہا۔ "اب ہنسی خوشی کی باتیں کرو، یہ بکھیڑا جانے دو، جُدائی سر پر کھڑی ہے، رات تھوڑی، کہانی بڑی ہے۔ فلکِ سفلہ پرور جفا کیش ہے، عاشق و معشوق کا بداندیش ہے۔" اُستاد

بہ شبِ وصل شکوہ ہا مکنید

شبِ کوتاہ قصہ بسیار ست

مگر شبِ وصل ازل سے کوتاہ ہے، خدا گواہ ہے۔ دو کلمے ہنسی کے ہنوز خوشی سے پورے نہ ہونے پائے، فلک نے رونے کے سامان دکھائے۔ یکایک مُرغِ سحر، بیدار باش پُکارا، زاہد نے نعرۂ اللہ اکبر مارا۔ گجر کی آواز بھی دونوں کے کان میں آئی، یساولانِ سلطانِ خاور نے، صبح کی دُھوم مچائی۔ ملکہ پریشان ہو کے بولی۔ مؤلّف

وصل کی شب چونک اُٹھے ہم سُن کے زاہد کی صدا

یاں دمِ تکبیر، ہی اللہ اکبر ہو گیا

ولہٗ

زاہد بھی تیسرا ہے شبِ وصل میں حریف

مشہور گو جہان میں صبح و خروس ہے

جانِ عالم نے نمازِ صبح پڑھ کے، کمر بہ عزمِ سفر چُست کی۔ ملکہ نے آبدیدہ ہو، یہ شعر پڑھا اور سہم کر اُمنھ دیکھنے لگی۔ جرأت

نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا

گھٹانا وصل کی شب کا، بڑھانا روزِ ہجراں کا

جب شہزادے نے چلنے کا قصد کیا۔ ملکہ نے کہا۔ "اگر حرج متصوّر نہ ہو، میرے والد سے ملاقات کر لو، یہ امر فائدے سے خالی، لا اُبالی نہ ہوگا۔"

جان عالم نے کہا: "بہتر ہے۔" پھر وہی خواص ہمراہ ہوئی۔ جب وہاں پہنچا، دیکھا [مکان پاکیزہ] بوریائے بے ریا بچھا ہے، مصلّے پر ایک مردِ مہذّب، باذکرِ حق مشغول، بادلِ ملول بیٹھا ہے۔ یہ رسم سلام بجا لایا۔ اُس نے دعائے خیر دے کر، ہاتھ بڑھایا، گلے لگایا، قریب بٹھا کے فرمایا۔ "ماجرائے شبِ تیرۂ ملکہ، فقیر پر روشن ہے، ایسی بد نصیبت دوسری خلق میں خلق نہیں ہوئی۔ ہمارے کہنے سے انکار کیا، بڑے بول کا سر نیچا ہوا، تو تم سے کیا کیا دار و مدار کیا۔ جو تم اتنی تسکین نہ کرتے، تو اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ اس طرح کا دل پر صدمہ اور ملال تھا، اگر ایفائے وعدہ کر دو گے اللہ [تعالیٰ] بھلا کرے گا، ورنہ یہ رنج بڑا ہے، دیکھیے اس کا کیا حال کرے گا۔ دِل داری جگر فگاروں کی، عیادت [اس] مرض کے بیماروں کی جواں مردوں پر فرض ہے۔ یہ سمجھنا ساحل را از خس و خاشاک گزار وگل را از صحبتِ خار ننگ و عار نمی باشد۔"

شہزادے نے سر جھکا [کے] عرض کی: "آپ کیوں مجوب فرماتے ہیں، مجبور ہوں، اس عزم میں گھر چھوڑا، عزیزوں، یگانوں سے ترک کر، شہر سے منھ موڑا، [نہ جانے میں] وہ کہیں گے "سخت کم ہمّت اور بے جرأت تھا، راہ میں آسایش ملی، بیٹھ رہا، خوف سے جا نہ سکا، جھوٹا تھا، ناحق عشق کا دم بھرا۔"

پیر مرد نے فرمایا: "مرحبا جزاک اللہ، یہی شرطِ جواں مردی و ثابت قدمی ہے، ہمیں بھی تمھارے اس عزم سے ایفائے وعدہ کی امید ہوئی۔" پھر ایک لوح عنایت کی اور کہا: "جب کوئی مہم سخت درپیش ہو، بہ طرزِ فال اُس حال میں اسے دیکھنا، جو نکلے اس پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ وہ مشکلِ سخت

ایک آن میں آسان کرے گا، تو بہ حفظِ حافظِ حقیقی سپردم، اللّٰہُ مَعَکُمۡ اَینَمَا کُنۡتُمۡ[1]۔ فرد

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

شہزادہ لوح لے کے آداب بجالایا، رخصت ہوا۔ ملکہ کے پاس آیا۔ سب ماجرا کہہ سنایا، پھر یہ شعر زبان پر لایا۔ مؤلف

کوچ کی اپنے اب تیاری ہے
تیرا حافظ جناب باری ہے

ملکۂ ناکام، گردشِ ایام دیکھ، اور یہ کلمۂ جاں کاہ سن کر، کلیجا تھام، سرِ [شوریدہ] کو دھن کر، [حسبِ حال] یہ اشعار پڑھنے لگی۔ اُستاد

میں مر گئی سُن اس کے سرانجام سفر کا
آغاز ہی دیکھا، نہ کچھ انجام سفر کا
کہتے ہیں وہ اب جاتا ہے ایسی ہی دعا کر
مسدود ہو رستا دلِ ناکام سفر کا
مت جان نکمّا مجھے، اے جان لیے چل
کرتی چلوں گی ساتھ ترے کام سفر کا
میں کشورِ ہستی ہی سے اب کوچ کروں گی
آگے نہ مرے لیجیو تو نام سفر کا

---

[1] اشارہ ہے پارہ ۲۷۔ سورۂ حدید آیت ۴
تم جہاں کہیں رہو وہ [اللہ] تمھارے ساتھ ہے۔

چلنے کی صلاح اس کے ٹھہرتی نہیں اب تو
موقوف نوازش ہوا، آرام سفر کا

آخر جبراً قہراً رخصت کیا۔ کہا۔ "خدا حافظ، امام ضامن و ثامن [کی حفظ و حمایت میں] سونپا۔" [اُستاد] ع

ترا موسیٰ رضا ضامن ترا اللہ والی ہے

جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو، اُسی صورت اللہ تمھارا مُنھ دکھائے، غم دُوری ہمارا دُور ہو جائے۔" جانِ عالم یہ سُن کے روانہ ہوا + یہاں تپشِ دل کو بہانہ ہوا، دریائے سرشک چشمِ خوں پالا سے موج زن ہوا، غریقِ لُجۂ مُفارقت جان و تن ہوا۔ جلیسیں بولیں۔ " ملکہ کیوں جان کھوتی ہو، کس واسطے بِلک بِلک کے روتی ہو، مسافر کے پیچھے رونا زبوں از حد ہے بی بی خبر ہے، یہ شگون بد ہے۔ وہ دن بھی اللہ تعالیٰ دکھائے گا، جو وہ پردیسی خیر سے صحیح و سلامت گھر آئے گا۔ [یہ سُن کے وہ غم کی ماری اُنھیں] سمجھاتی۔ سوز

ع
چشم کا کام اشک باری ہے
چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے

مؤلف ع

بے درد کوئی اتنا سمجھتا نہیں ہے ہے
دل دُکھے تو کس طرح سے فریاد نہ ہووے

ولہٗ ع
مجھ کو رونے کو نہ تم منع کرو ہم نفسو
غمِ دل کرتی ہوں میں دیدۂ تر سے خالی

اور جب آنسو کمی کرتے تو دل و جگر سینے میں برہمی کرتے۔ اسی وقت گھبرا

کر یہ کہتی۔ مؤلف ؎

مدد اے سوز جگر تا کہ نہ ہووے خفت
نوک مژگاں ہوئی پھر لخت جگر سے خالی

پھر نہ منہ اس نے کیا میری طرف ہی ظالم
سخت تم بھی مرے نالو ہوا اثر سے خالی

نہ لگا اُس کو مری بات کو تو مان سرور
دل کا لگنا نہیں اے یار ضرر سے خالی

غرض کہ جوں جوں شہزادے کی مُفارقت بڑھتی تھی، ملکہ صدمۂ ہجر سے دن دون گھٹتی تھی۔ بدر سا چہرہ کاہیدہ ہو کر ہلال ہوا۔ تپ جُدائی سے عجیب حال ہوا۔ کبھی کہتی تھی۔ "وائے ناکامی اگر دل کا حال کہوں، شرم آتی ہے، جو چُپ رہوں تو جان جاتی ہے۔ یہ سب کہتی ہوں گی ملکہ کو غیرت نہیں آتی، راہ چلتوں سے بیٹھے بٹھائے دل لگاتی ہے۔ آپ روتی ہے، ہمیں مُفت رلاتی ہے۔ اُس سمجھانے والے کو کہاں سے لاؤں، جسے دل کا حال سُناؤں، زیست اسی میں ہے، جو مر جاؤں۔ اب کون آنسو پونچھ رونے کو منع کرے گا، کون میرے دم گرم پہ آہ سرد بھرے گا، پیار سے سر چھاتی پر دھرے گا۔

ملکہ کا یہ حال بتر، چُھپکے چُھپکے جی سے باتیں کرنا، دیکھ کر لوگ پھیرتے دستِ شفقت، سر دہشت انگیز پہ پھیرتے، اور پوچھتے کر" اے جی کی دشمن [خُدا کے واسطے] ہمیں تو بتا، دل کا حال کیا ہے۔" تو وہ کہتی۔ "اور تو کچھ جاتی نہیں پر یہ نقشہ ہے، ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں، خود بہ خود غش چلے آتے ہیں۔ دم سینے میں بند ہے گھبراتا ہے، مکان کاٹے کھاتا

ہے۔ باغ ویران، گل بو، ناخار معلوم ہوتا ہے۔ گھر [بدتر از] زندان، بات کرنا بے کار معلوم ہوتا ہے۔ جان بے قرار ہے، بند بند ٹوٹتا ہے، دامنِ صبر دستِ استقلال سے چھوٹتا ہے۔ جنگل پسند ہے، ویرانی کا دل خواہش مند ہے۔ وحشت کا سناٹا بھاتا ہے، بلبل کا نالہ دل دکھاتا ہے۔ خدا جانے کس کی جستجو ہے، دل کو مرغوب قمری کی کوکو ہے۔ تنہائی خوش آتی ہے، آدمیوں کی صورت سے طبیعت نفرت کھاتی ہے۔ سینہ جلتا ہے، دل کوئی مسوس کر ملتا ہے۔ آنکھ ظاہر میں بند ہوئی جاتی ہے، مگر نیند مطلق نہیں آتی ہے۔ ہاتھ چاہتے ہیں، سر دست چاک گریباں نہ کھیں، پاؤں چل نکلے ہیں کہ بیاباں دیکھیں۔ نل دمن کی مثنوی سے ربط ہے، لیلیٰ مجنوں کا قصہ پڑھتی ہوں، یہ کیا خبط ہے۔ دل کی تمنا ہے کہ بے قراری، آہ و زاری کیجیے۔ آنکھیں اڈی ہیں کہ اشک باری کیجیے۔ جہان کی بات سے کان پریشان ہوتے ہیں، مگر جان عالم کا ذکر دل لگا کے سنتی ہوں، جو کوئی جھٹلاتا ہے، رونا چلا آتا ہے۔ سر دھنتی ہوں، ناکامی مجھ خستہ و پریشان کا کام ہے، آہ مجھ بے سروسامان کا تکیۂ کلام ہے۔ منہ کی رونق جاتی رہی، زردی چھا گئی، بہارِ حسن پہ خزاں آگئی۔ ہر دم لب پر آہِ سرد ہے، ایک دل ہے اور ہزار طرح کا درد ہے۔ جان جانے کا وسواس نہیں۔ بزرگوں کا لحاظ و پاس نہیں۔ زیور طوق و سلاسل ہے، زیب و زینت سے بدمزگی حاصل ہے۔ دل و جگر میں گھاؤ ہے، بگاڑ نا بناؤ ہے۔ بستر نرم خار خار ہے۔ ارے لوگو! کیا آزار ہے۔ سب سے آنکھ چراتی ہوں، ہم صحبتوں سے شرماتی ہوں۔ اب صدمے اٹھانے کا یارا نہیں، بے موت اس بکھیڑے سے چھٹکارا نہیں۔ عجب حال ہے، اکثر یہ خیال ہے: ہو لطف سے

افسوس یہ حال ایک عالم دیکھے

ایسا نہ ہو اگر جانِ عالم دیکھے
اگر اسی کا عشق و عاشقی نام ہے، تو میں درگزری، میرا اسلام ہے۔
جو لوگ عشق کرتے تھے، کیوں کر جیتے تھے، بتاؤ تو کیا کھاتے تھے، کیا پیتے تھے
دو دن سے کچھ نہیں کھایا، مگر پیٹ بھرا ہے۔ گھڑی ہوں جی بیٹھا جاتا ہے۔
پہلے مجھے [نہ سمجھایا] نہ منع کیا۔ ہے ہے میری جان کے دشمنوں نے یہ کیا
کیا؟ [خیر جیسا کیا ویسا بھگتیں گے] اللہ کی مرضی، کسی کا کیا بگڑا، میری
قسمت کا لکھا، جو کچھ کیا اچھا کیا۔"
یہ سن کے ایک کھیلی کھائی [عشق کے نیرنگ دیکھے، وصل کے چین، ہجر
کے صدمے اٹھائے] قریب آئی۔ کہا "قربان جاؤں، واری ابھی سلامتی سے
نو گرفتاری ہے، جو اتنی آہ و زاری اور بے قراری ہے، سہتے سہتے عادت
ہو جائے گی تو تسکین آئے گی۔"
ان باتوں کے سننے سے [ملکہ کا] دل بھر آیا۔ [ضبط نہ ہو سکا] بے اختیار
خونِ نابہ دل، لختِ جگر، چشمِ تر سے متصل بہانے لگی۔ دیدۂ دیدار طلب سے
سمندر کی موج لہرانے لگی۔ نظم میں دل کا حال سنانے لگی، مؤلف

حالت ہے اس کی پارے کی برق و شرار کی
کیا کیا تڑپ سناؤں دلِ بے قرار کی
پھوٹے شیشے سے دل کے یہ سب آبلے ہرے
منت کشی نہ کرنی پڑی نوکِ خار کی
دل اپنا قبر میں بھی جلے گا اسی طرح
حاجت رہے گی ہم کو نہ شمعِ مزار کی
وعدے کی شب کو دیدۂ اختر جھپک گئے

دیتے مثل ہیں لوگ مرے انتظار کی
لے جائیو اُدھر سے جنازہ مرا شتر در
حسرت بھری ہے دل میں مرے کوئے یار کی

رُخصت ہونا جانِ عالم کا ملکۂ مہر نگار سے اور پہنچنا ملکِ زرنگار مملکتِ دلدار میں، ملاقات خواجہ سرا کی، دریافت ہونا حالِ پُر ملال جادوگر کا، پھر اُس کو قتل کر کے لانا انجمن آرا ماہ پیکر کا

بیت[۵۸]
یہاں کا تو قصّہ یہ چھوڑا یہاں
سُنو پھر اُسی غم زدے کا بیاں

طلسم کُشایانِ گنجینۂ سخن، فخرِ سامری دِرہ نوردانِ اقلیمِ حکایاتِ کہن، مشّاقِ جادو و شعبدہ گری، رستا مانِ جفاکش و محنت کشیدہ سحر سازانِ سُخن سنج، دریں سرائے سپنج، روئے راحت نہ دیدہ، گوسالۂ سخن کو دیدِ خراب آباد میں یوں گویا کرتے ہیں کہ ملکۂ مہر نگار کے باغ سے چالیس منزل، ملکِ زرنگار، کشورِ آفتِ روزگار تھا، شہزادہ دل از کف دادہ یکّہ و تنہا، صعوبتِ سفر کا مبتلا، پاؤں میں چھالے، لب پر آہ و نالے، گرتا پڑتا کئی مہینے کے بعد، اس زمینِ خجستہ آئین میں پہنچا، اور جو جو پتے توتے نے بتائے تھے وہ سب اُس جا ریں پائے۔ واقعی عجب نواح شگفتہ و شاداب ہر سمت چشمہ ہائے آب، جنگل سب سبزہ زار، گُل بوٹے خود رو کی انوکھی بہار،

---

[۵۸] مثنوی سحر البیان

ہوا فرحت انگیز، بو باس، مشک بیز، جنوں خیز، جانِ عالم خوش و خرم، جلد جلد قدم اٹھاتا چلا جاتا تھا۔

ایک روز دو چار گھڑی دن رہے، کیا دیکھتا ہے کہ ایک شے مثلِ آفتاب بلند آب و تاب، شمال کی سمت یہ درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ عقل حیران ہے۔ دل سے کہا حشر کے آثار نمودار ہوئے، یہ کیا قیامت ہے [کہ] ہم مشاہدۂ جمالِ جاناں سے محروم رہے۔ مشرق و مغرب کو چھوڑ سورج شمال کی طرف جا نکلا۔ افسوس صد افسوس، اب تک نہ دل کا مدعا نکلا۔ جب قریب پہنچا، دیکھا دروازہ ہے، عالی شان، سر بہ اوجِ فلک کشیدہ، دیدۂ روزگار نہ دیدہ۔ بس کہ مطلا [اور مذہب] ہے، اور لعل و یاقوت اس کثرت سے جڑے ہیں کہ جوہری وہم و گمان حیران کھڑے ہیں۔ شعاعِ آفتاب سے یک رنگی خورشید حاصل ہے، شرمندہ اس کے روبرو بدرِ کامل ہے۔ یقین ہوا اب بر سرِ مطلب پہنچا۔ یہ وہی دروازہ ہے، بابِ امید جس کا ذکر، وہ سرخ روئے زرد لباس کرتا تھا۔ سجدۂ شکر بہ درگاہِ منزل رسانِ راہ گم کردگان کیا، اور خوش ہو کے دوڑا۔ فرد:

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

غرض کہ افتاں و خیزاں درِ شہر پناہ پر آیا۔ دروازہ جواہر نگار، رفعت فلک دکھاتا، دیوار در جگمگاتا۔ بلور کی اینٹیں، یاقوت کی تحریر، ہر خشت مصفا و مطلا، درِ بہشت کی طرح وا، حصنِ حصین، بہ صد فر تمکین بنا۔ جا بہ جا برج برجی، توپیں آہنی ڈھلی ہوئی چڑھیں۔ گولنداز جوان جوان، بنفشی بادلے کے دگلے پہنے، گلنار اک پیچے سجے۔ چست و چالاک توپوں کے بائیں

دہمنے ٹہل رہے، زمین و آسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے۔ گلی کوچے صاف خس نہ خاشاک [کوڑے کثافت سے پاک] دروازے پر پانچ ہزار سوار، لاکھ پیادے، [کچھ جا بہ جا چوکی پہرے پر] کچھ جنگ کے آمادے تیار [چھاؤنی کے طور پر پلٹنیں بنیں۔ اگلے بانکے جو تھے، ان کے بے چوبے، اک چوبے، پیدل، بگڑے دل جو تھے ان کی چھولداریاں اور پالیں تنیں]

جان عالم نے ان سے پوچھا۔ "اس شہر کا کیا نام ہے اور حاکم یہاں کا کون ذی احترام ہے؟" انھوں نے دیکھا، ایک جوان سرو قامت، قمر طلعت، خسوفِ سفر خاکِ رہ گزر میں نہاں ہے، مگر دبدبۂ شوکت و صولت، نشانِ جرأت، چہرۂ انور سے عیاں ہے۔ وہ خود کہنے لگے۔ "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

شہزادے نے کہا۔ "بھائی سوالِ دیگر جوابِ دیگر۔" آخر ایک شخص نے کہا: "قبلہ اس ملک کو زرنگار کہتے ہیں۔ [بڑی چمک دمک کے لوگ اس میں رہتے ہیں۔"]

یہ سنتے ہی چہرہ بشاشت [کے باعث] کندن کی طرح دمکنے لگا، جو ریت کا ذرہ تھا، افشاں کی صورت منھ پر چمکنے لگا۔ دل سے کہا۔ "یہ خواب ہے یا بیداری۔ طالع گردش دہ سے امیدِ یاری و مددگاری نہ تھی، ایسی قسمت رہ بر ہماری نہ تھی۔" پھر کچھ نہ پوچھا۔ یہ شعر پڑھتا چلا۔ مولف ؎

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری

دروازے سے [جب] آگے بڑھا، شہر دیکھا، قطع دار، ہموار، قرینے سے بازار، کرسی ہر دکان کی کمر برابر، مکان ایک سے ایک بہتر در بہ ترتیب میں نہر جا بہ جا فوارے، سب عمارت شہر پناہ کے میل کی۔ جواہر نگار

سانچے کی ڈھلی، ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا، [اس کا کام معمارِ عقل کے ہوش کھوتا تھا۔] نہ کہیں بلندی نہ پستی، ہموار بسی ہوئی بستی۔ ایک کا جواب دوسری طرف، اِدھر بزاز تو اُدھر بھی صرّاف کے مقابل صرّاف۔ بازار کا صحن نفیس شفاف۔ جوہری کے روبہ رو جوہری، زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر، نقد و جنس سے ہر شخص سیر۔ کوئی شے کسی طرح کا اسباب لیا نہ تھا کہ اس بازار میں نہ تھا۔ مغرب و مشرق کے اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا۔ جنوب و شمال کا خریدا تھا۔ حلوائی، نانبائی، کنجڑے قصائی بسقوں کے کٹوروں کی جھنکار، میوہ فروشوں کی پکار، دلالوں کی بول چال [جدا] روم و شام کا مال جا بجا دھرا۔] نہر کی کیفیت، اور قدم قدم آب مصفّا فواروں سے اچھلتا، [نیا طور کیوڑے گلاب کی خوشبو چار سُو] بازار مہک رہا۔ [گلیوں میں مسافر ہر ایک بہک رہا ہے] ہر طرف دھوم دھام خلقت کا [انبوہ] ازدحام۔ چلنے پھرنے والوں کے کپڑے لُٹتے ہوئے جاتے تھے۔ وہم و گمان کشمکش سے بار پاتے تھے۔

جانِ عالم قُدرتِ حق دیکھتا جاتا تھا، [حواس گُم] ہوش بر جا نہ آتا تھا۔ دل سے کہتا تھا، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] [جو کچھ چاہا وہ کیا جل جلالہٗ۔] کیا ملک، کیا سلطنت، کیا شہر و بازار ہے، کیسا کیسا بیوپاری، کیا کیا خریدار ہے۔ ہر شخص کو آرام و راحت ہے۔ کیا بندوبست با انتظام ہے، کیا حکومت ہے! جب چوک میں آیا، پوچھا۔ ایوان

---

[1] پارہ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۹
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

جہاں پناہ، دولت سرائے شاہ کدھر ہے؟"

لوگوں نے کہا۔ "دستِ راست سیدھے چلے جایئے۔ [پیاس ہو تو شربت حاضر ہے، بھوک لگی ہو تو کچھ کھایئے، مدِ نظر مسافر نوازی ہے، ہر ایک شئے گرما گرم تازی ہے۔"]

[الغرض] بازار طے کر، قریب عمارات پادشاہی جب آیا، ان مکانوں کو نزا خانۂ طلسم پایا۔ [جو چیز نظر سے گزرتی تھی،] عقل کام نہ کرتی تھی، ہر کنگرہ ایوانِ فلک سے اونچا، برج ہر ایک جہاں نما، خورشید کی طرح چمکتا۔ لیکن جو لوگ درباری یا ملازم سرکاری آتے جاتے دیکھے، سب سیاہ پوش، خم خانۂ اَلَم کے جرعہ نوش۔ اس کا ہاتھ ٹھنکا، پاؤں ہر ایک من من کا ہو گیا [حیرت میں] ہر شخص کا منھ تکتا تھا، [گویا سکتہ تھا،] قدم نہ اٹھا سکتا تھا، کہتا تھا، خدا خیر کرے، شگون بد ہے، دل کو بے قراری از حد ہے۔ چند قدم اور بڑھا، سواری کا سامان سامنے آیا۔ "بچو بڑھائیو" کا شور بلند پایا۔ دیکھا ایک خواجہ سرا پیر مرد، [بہت بزرگ] زیرک و دانا۔ محبوب علی خاں نام، نواب ناظر سراپردۂ شاہی، با احترام۔ [مگر] وہ بھی باخاطرِ حزیں، غمگیں [اور] سیاہ پوش، حواس باختہ، ہوش فراموش اندوہ و یاز رنج سے ہم آغوش۔

جان عالم نے سلام کیا۔ وہ نواب دیدۂ گرشتہ زادے کو دیکھنے لگا حیران دشتشدر، متحیر سا، اور سواری روکی، کہا۔ "سبحان اللہ و بحمدہ کیا تیری قدرت کے جلوے ہیں، جنس بشر میں کس کس طرح کا پری پیکر خلق کیا ہے کہ چشم کو تابِ جمال، زبان کو صفت کی مجال نہیں۔" نہایت متوجہ ہو کر پوچھا کہ "اے شمشادِ نورستۂ چمنِ جہاں بانی و سرو نوخیز بوستانِ سلطنت

حکمرانی، حضور کہاں سے رونق بخش اس شہرِ نحوست اثر کے ہوئے؟"

شہزادے نے کہا: "میاں صاحب خیر ہے، ہم فقط اس شہر اور یہاں کے شہریار کے شوقِ دید میں، وطن سے بعید ہو، خستہ و خراب بہ دلِ مضطر و جانِ بے تاب، یہاں پہنچے ہیں۔ برائے خدا یہاں کی نحوست، [اور] اپنی سیاہ پوشی کی علت بیان کیجیے۔"

خواجہ سرا نے یہ سُن کے نعرہ مارا، بے چین ہو کے پکارا کہ "اے جوانِ رعنا! تو نے یہ قصہ سُنا ہو گا کہ زینتِ تختِ سلطنت، رونقِ شہر موجد آبادی، صاحبِ جاہ و حشمت، مالکِ عفت و عصمت، انجمن آرا یہاں کی شہزادی تھی۔ شہرہ جمالِ بے مثال، اس حُور طلعت [نیک طینت] فرخندہ خصال کا، از شرق تا غرب، اور جنوب سے شمال تک زبان زدِ خلقِ خدا تھا، اور ایک جہان، حُسن کا بیان سُن کے، نادیدہ اس کا مبتلا تھا۔ آج تک چشم و گوشِ چرخِ کج رفتار نے بایں گردشِ لیل و نہار، ایسی صورت دیکھی نہ سُنی تھی، [مرقعِ دہر سے وہ تصویر کھنچی تھی]۔ بہت سے شاہ اور شہریار اُس کی وادیٔ طلب میں قدم رکھ کے، تھوڑے عرصے میں آوارۂ دشتِ ادبار، پتھروں سے سر مار مار، رہ روِ اقلیمِ عدم ہو گئے۔ اب پانچ چار دن سے ہمارے طالعِ بیدار جاگتے جاگتے دفعتاً سو گئے۔ ایک مکار جفاکار، بازورِ سحر اُسے محل سے اٹھا لے گیا، [داغِ غمِ مفارقت ایک عالم کو دے گیا۔] — ہنوز یہ جملۂ غم ناتمام تھا کہ جانِ عالم کا کام تمام ہوا۔ آہِ سرد [دلِ پُردرد سے] کھینچ کے باحالِ خستہ و پریشان، مثلِ قالبِ بے جان، زمین پر گر کے بحسرت و یاس پکارا۔ شعر

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

حیف ہے، اُس سے مُلاقات نہ ہونے پائی

اے گردونِ جفا پرداز! وائے فلکِ عربدہ جُو! یہ کیا تیری خو ہے، اتنی دور لا کے ناکام رکھّا۔ مؤلّف

عشرت کدے جہاں میں ہوئے سیکڑوں ولے
اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم سرا رہا
تاثیرِ آہ دیکھی، نہ گریے میں کچھ اثر
ناحق میں اس امید پہ کرتا بکا رہا
کیا دیکھتا ہے سینے کو میرے تو اے سُرور
جُز یادِ یار اس میں نہیں دوسرا رہا

شعر

یہ کہہ کر وہ اس طرح غش کر گیا
کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا [1]

خواجہ سرا سخت گھبرایا، سمجھا یہ شخص بھی گرفتارِ محبّت، اسیرِ دامِ اُلفت اُسی کا ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ دفعتاً خبرِ بد سُنانی نہ تھی، آفت اِس کی جان پر جان کے لانی نہ تھی۔ ہر چند کیوڑا گلاب چھڑکا، ہوش نہ آیا۔ بد حواس بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا، رو کر عرض کی: "آج ماتمِ انجمن آرا تازہ ہوا۔"

بادشاہ نے فرمایا: "کیا ماجرا ہے؟"

اس نے عرض کی: "کسی ملک کا شہزادہ اُس کی محبّت میں سلطنت سے ہاتھ اٹھا، فقیرانہ سج دھج بنا، یہاں تک پہنچا ہے [مگر] مجھ سے جادوگر کے اٹھائے جانے کی خبر سُن کر آہ کھینچ، زمین پر گر پڑا ہے۔ اب تک ہوش نہیں آیا

---

[1] مثنوی سحر البیان

تھا، عجب صدمہ دل پر دھر گیا ہے، خدا جانے جیتا ہے یا مر گیا ہے۔ [خلق کا انبوہ اس کے سر پر ہے، بازار بھر گیا ہے]۔ کیا عرض کروں، غلام کی نظر سے اس سج دھج کا پری پیکر آج تک از قسم بشر نہیں گزرا، اگر ان دونوں کی صورت آئینۂ چشم میں بہم نظر آتی، قران السعدین کی کیفیت کھُل جاتی۔ جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے، شہزادی کو بھول جائیں گے"۔

بسکہ بادشاہ غمِ مفارقتِ انجمن آرا سے بے قرار تھا، ارکانِ سلطنت سے کہا: "جلد جاؤ، جس طرح ہو، اُسے [لے آؤ]"۔

لوگ دوڑے، مُردے کی صورت اُٹھا لے گئے۔ اس عرصے میں شام ہو گئی، بادشاہ نے ہاتھ منھ دھلوایا، بید مشک چھڑکا، کیوڑا منھ میں چوایا، لخلخہ سُنگھایا۔ جانِ عالم کو ہوش آیا۔ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا ایک شخص تاجِ خسروانہ بر سر، چار قبِ لوکانہ در بر، سن رسیدہ، لیل و نہار دیدہ، بڑے کرّ و فر سے تخت پر جلوہ گر ہے، اور چار ہزار غلام زریں کمر، با شمشیر و خنجر اوبچی بنا، دست بستہ رو برو کھڑا ہے۔ گرد امیر وزیر، سپہ سالار، پہلوان [یعنی گردانِ] گردن کش، [ایک سے ایک بہتر جوان] ہر ایک اپنے قرینے سے زیب دہ کرسی و دنگل ہے، تہمتوں کا جنگل ہے۔

جانِ عالم اُٹھا، بہ طورِ شاہ و شہریار و شہزادہ ہائے عالی تبار رسمِ سلام بجا لایا۔ [سب تعظیم کو اُٹھے] بادشاہ نے گلے سے لگایا۔ پاس بٹھایا، جب سے بادشاہ کی نظر پڑی تھی، محوِ حُسنِ دل فریب، مفتونِ چہرۂ مہروش و صورتِ پُر زیب ہو گیا تھا، اور حضارِ مجلس بھی سب دنگ تھے۔ سکتے کے ڈھنگ تھے۔ سب کو صدمۂ تازہ یہ ہوا کہ ایسا وارث تاج و تخت ہاتھ آئے اور محروم رہ جائے۔ اُس وقت کار ہجِ و قلق شہزادہ کا کوئی [مصیبت]

دیدۂ [فراق کشیدہ تھے، بقولِ مرزا حسین بیگ صاحب۔

شعر:
حسرت پہ اُس مُسافرِ بے کس کی رویئے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے[1]

مگر باعثِ شرم و حیا کہ لازمۂ شرفا و نُجبا ہے، خاموش، سینے میں غم کا جوش و خروش ــــ بادشاہ نے استفسارِ وطن اور نام جد و آبا کیا۔ یہاں فرطِ الم، کثرتِ غم سے گلا گھٹ رہا تھا۔ مگر ضبط کو کام کر کے، [بہ تھا] حسب و نسب کا ذکر کیا اور مُلک کا پتا بتایا۔ پھر سر جُھکا [کے] شہزادی کا حال پوچھا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ "اے گرامی اخترِ سپہرِ شہریاری: مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا، [مگر] یہاں بہ مرتبہ نگہبانی ہوتی ہے، لیکن وہ ظالم دھوکا دے کر لے گیا، [میں آج تک محل میں نہیں گیا ہوں، وہ محل جو [محلِ] عشرت کدۂ خاص تھا، ماتم سرائے عام ہے۔ ہر سو شورِ رقت، ہر سمت نالۂ پُر آفت بلند ہے۔ کھانا پانی [سب کو] حرام، چھوٹا بڑا مبتلائے آلام ہے۔"

جانِ عالم نے کہا۔ "یہ کچھ پتا بھی ثابت ہوا کہ کدھر لے گیا۔"؟ بادشاہ نے فرمایا۔ "پانچ کوس تک پتا ملتا ہے۔ آگے قلعہ ہے، سر بہ فلک کشیدہ، آگ سب بھری ہے، شعلہ سرگرم تا چرخِ چنبری ہے۔ اور انگاروں کا انبار تا کرۂ نار ہے۔ وہاں کا حال نہیں کُھلتا، عقل بے کار ہے۔ مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سحر کا کارخانہ ہے، [آگ کا بہانہ ہے، ہمیں سُلگا کے جلانا ہے"]۔

شہزادے نے عرض کی۔ "خیر اگر حیاتِ مُستعار باقی ہے، بامدادِ ایزد

---

[1] یہ شعر مصحفی کا ہے۔ دیکھیے انتخاب کلام مصحفی مرتبہ عبدالستار دلوی صفحہ ۹۶ تذکرۂ سُخن شعرا صفحہ ۴۴۲

کہاں جانے پاتا ہے۔ [اُس ملعون کا سر کاٹ کے، شہ زادی کو فدوی زندہ لاتا ہے۔"] یہ کہہ کے اٹھا کہ "قبلہ خدا حافظ۔"

بادشاہ لپٹ گیا کہا۔ "بابا خدا کے واسطے اس خیال محال سے در گزر، طائرِ خیال کے اُس دشت میں پر جلتے ہیں، پیک صبا کے پاؤں میں چھالے نکلتے ہیں۔ دوسرے مجھے مفارقت تیری کب گوارا ہے، ایک کو دھوکے سے کھویا تجھے [دیدہ و] دانستہ جانے نہ دینے کا کہاں یارا ہے۔ ایسی آفت میں تجھ سے جوان کو جانے دوں، بڑھاپے میں بدنامی لوں۔ سلطنت حاضر ہے۔ بسم اللہ حکمرانی کر، میں ضعیف [ہوا] ہوں گوشے میں بیٹھ کے اللہ اللہ کروں۔"

شہ زادے نے عرض کی۔ "یہ تخت و سلطنت حضور کو مبارک رہے۔ بندہ آوارہ خانماں، ننگ خاندان، گھر کی حکومت و ثروت چھوڑ، عزیزوں سے منھ موڑ، خراب و خستہ سر گرداں، دربدر، حیران و پریشان ہو، یہاں تک پہنچا [ہوں]۔ اب یہ کلمۂ ذلت و ہتک کا سُننے کو جیتا رہوں، بیگانے مُلک میں بادشاہت کروں۔ لوگ کہیں جادوگر تو شہ زادی کو لے گیا، یہ شخص [کس قدر] بے غیرت تھا، جیتا رہا، سلطنت کرنے لگا۔ جواں مردی سے بعید ہے، عاشق کو معشوق کی راہ میں جان دینا عید ہے۔"

لاعلم سہ تا سر نہ دہم پا نہ کشم از سرِ کُویش
نامردی و مردی قدمے فاصلہ دار

[ہندی] پگ آگے پت رہے اور پگ پاچھے پت جائے۔

ع قدمِ عشق پیشتر بہتر

جس مددگار نے ہزار بلا سے بچا کے، یہاں تک زندہ و سالم پہنچایا ہے یہی وہاں سے بھی، مُظفّر و منصور آپ سے ملائے گا، نہیں تو یہ صورتِ نحس لوگوں

کو دکھائی کیا ضرور ہے، گو بشر مجبور ہے۔ لیکن اس زیست سے آدمی مرنا گوارا کرے، بے موت مرے۔ پہلے جب عقل و عشق سے معرکہ اٹکا تھا، میرا دل کھٹکا تھا۔ عقل کہتی تھی، ماں باپ کی مفارقت اختیار نہ کرو، سلطنت سی شے نہ چھوڑو۔ عشق کہتا تھا، ماں باپ کس کے؟ [آزاد ہو] بادشاہت کیسی، سر رشتۂ الفت غیر توڑو، کوچۂ دلدار کی گدائی، سلطنت ہفت اقلیم [سے بہتر] ہے۔ اگر میسر آئے، بے یار خدا کسی کی صورت نہ دکھائے۔ عقل کہتی تھی، آبرو کا پاس کرو، ننگِ خاندان نہ ہو، غریب الوطنی سے عار کرو، صحرا نوردی نہ اختیار کرو۔" عشق کہتا تھا، یار کے ملنے میں عزت ہے، بادیہ پیمائی میں بہار ہے، تشنۂ خونِ آبلہ پا، مدت سے صحرا کا خار ہے۔ عقل کہتی تھی یہ لباسِ شاہی، قبائے فرماں روائی چاک نہیں کرتے، دانش مند جادہ راستی سے خلاف قدم نہیں دھرتے۔ عشق کہتا تھا، لباس عریانی ہے، عقل دیوانی ہے، یہ وہ جامہ ہے جسے احتیاجِ شست و شو نہیں، کیسی ہی ہاتھا پائی ہو، چاک نہ ہو، کسی آلائش سے ناپاک نہ ہو۔ اصلا کارِ سوزن و رفو نہیں، نہ بار برداری اس کو چاہیے، نہ چور کا ڈر، نہ راہ زن سے خطرہ ہے۔ پانی سے بھیگے نہ آگ سے جلے، سڑے نہ گلے۔ گلے سے کبھی نہ جدا ہو، نہ بند بندھے نہ وا ہو۔ نہ کوئی اس کو لے سکے، نہ خود کسی کو دے سکے۔ نہ دستِ وحشت میں اس کا تار آئے، نہ اس کے دامن تک سر خار آئے۔ نہ اس کا جسم لاغر پر بوجھ ہے، نہ کسی کے بدن پر بار ہے، مسافرِ صحرائے محبت کو یہی درکار ہے۔

آتش:

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں الٹا سیدھا

آخر کار، بہ صد تکرار عقل کو شکستِ فاش ہوئی، کوچۂ دلبر کی تلاش ہوئی۔

نام سے نفرت، ننگ سے تنگ ہو، نشانِ ہوش مٹایا، سلسلۂ دیوانگی ہاتھ آیا۔ طبیعت عشق کی محکوم ہوئی، وحشت کی ترقی میں سر اور پتھر کا مقابلہ ہوا، لڑکوں کی دھوم ہوئی۔ دامانِ غیرت، گریبانِ حیا چاک ہوا، ننگ و ناموس کا قصہ بکھیڑا پاک ہوا۔ ایک پرندہ کہ وہ توتا تھا، رہبر و مددگار رہا، دوسرا وہ مردہ کہ وہ وزیر زادہ تھا، تنہائی میں غم گسار ہوا۔ پھر تو سلطنت اور وطن چھوڑ، عزیز و یگانوں سے رشتۂ محبت توڑ، اور رہ نوردِ بادیۂ حرمان ناکام فرسائے دشتِ ادبار ہوا۔ لیکن ان کا ساتھ بھی نہ سزاوار ہوا، [فلک درپئے آزار ہوا۔] پہلی بسم اللہ غلط ہوئی کہ منزلِ اوّل میں توتا اُڑ گیا، وزیر زادہ ہرن کے ملنے سے چھُوٹ گیا۔ وہ جو تماشا ظاہری، دل لگی کا تھا، لُٹ گیا۔ تنہائی ہمراہ ہوئی، ہمدمِ دمِ گرم آہِ سرد ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد طلسم میں پھنسایا، ہمیں رُلا کے دشمنوں کو ہنسایا۔ تھوڑی سی آفت اٹھا کے رہائی پائی، سمتِ مطلوب کی راہ ہاتھ آئی۔ مگر نہ سنگِ نشاں دیکھا، نہ میل نظر آیا، نہ گردِ کارواں دیکھی، نہ صدائے زنگ و جرس سُنی، نہ راہ بر ملا، نہ کفیل نظر آیا، سواری چھٹی، پیادہ پائی ملی، فکرِ غیر سے رہائی ملی۔ جب اس منزل میں حضرتِ عشق نے آزمایا، باوجودِ آبلہ پائی اور خلشِ خارِ صحرا ثابت قدم پایا۔ دوسرے مرحلے میں امتحان مدّنظر ہوا، پریوں کے اکھاڑے میں گزر ہوا۔ ایک مہ سیما کو اس جانب میلان ہوا، پھر وہی عیش و نشاط کا سامان ہوا۔ بہت سے نیرنگ دکھائے، ہر شب عجب دن آگے آئے۔ [مگر] للہ الحمد کہ شیشۂ عصمت سنگِ ہوا و ہوس سے سالم رہا، وحشتِ دل کا بدستور عالم رہا۔ رخصت میں مصلحت جانی، جوان و پیر کی بات نہ مانی۔ اب گھر پہنچ کے دھوکا کھانا، جان بوجھ کے [سب کچھ] بھول جانا، کس لذت میں رہا ہے، یہ [تو] بڑا وسوسہ ہے۔

مجھ سے دشمنی بخود سے، ایسی ہوشیاری دور ہے، جیتے جی مرگ منظور ہے۔"
اس گفتگو کی خبر محل میں پہنچی کہ آج اس طرح کا مہ جبیں حسین انجمن آرا کا عاشق وارد ہوا تھا، وہ بھی حرارتِ محبت سے اُسی آگ میں جلنے جاتا ہے۔ [جو بھی دیکھتا ہے، آنسو بہاتا ہے۔] انجمن آرا کی ماں دردولت سرا پر چلی آئی خواجہ سرا دوڑے۔ بادشاہ سے عرض کی۔ "جلد شہزادے کو لے کے محل میں رونق فرما ہو جیے۔"

بادشاہ جان عالم کو ہمراہ لے آرام گاہ میں تشریف لایا۔ وہ بھی ہزار جان سے نثار ہو، دیر تک پروانہ وار، اس شمع انجمن سلطنت کے گرد پھری رنڈیوں نے گھیر لیا، سب کو قلق ہوا۔

غرض کہ بہ ہزار سعی بادشاہ نے بہ منت صبح کی رخصت پر اس شب کو روکا۔ پہر بجے خاصہ طلب ہوا۔ شہزادے نے [کھانے سے] انکار کیا۔ وہی نواب ناظر حاضر تھا، پاؤں پر گرا [گرد پھرا] سمجھ لیا۔ "پیر و مرشد کئی دن سے محل میں کھانا پانی سب کو حرام ہے، جو آپ کچھ بھی نوش فرمائیں گے تو یہ سب کھائیں گے۔"

ناچار بخاطر فگار، دو چار نوالے [شہزادے نے] پانی کے گھونٹ سے حلق میں اتارے، پھر ہاتھ منہ دھو، نیند کا بہانہ کر کے، پلنگ پر جا لیٹ رہا، مگر نیند کس کی اور سونا کیسا؟

مؤلف ؎
وا دیدہ سدا رہتا ہے تیری یاد میں
آنکھ جب سے لگ گئی روتے ہیں سو جانے کو ہم

پھر لیٹے لیٹے انجمن آرا کا تصور کر کے، دمِ گرم، آہِ سرد سینے سے بھر کے شعر پڑھنے لگا۔ ابیات ؎

تجھ بن ہے خراب زندگانی ہے مجھ کو عذاب زندگانی [۱]
اتنا تو نہ چھپ کر بے کفن کا گھبرا کے نقاب زندگانی

جب کروٹیں بدلتے بدلتے پسلیاں دکھ جاتیں اور بے قراریاں ستاتیں تو دل بے تاب کو مستعد ضبط، آمادۂ جبر و صبر کر کے یہ کہتا۔ مؤلف

کمالِ ضبط کو عاشق کرے اگر پیدا
کہاں کی آہ، کرے بات بھی اثر پیدا
ہزار رنگ زمانے نے بدلے پر افسوس
کبھی ہوئی نہ شبِ ہجر کی سحر پیدا
کرے گی ہمسری نالے کی میرے تو بلبل
شعور اتنا تو کر، جا کے جانور پیدا
ہمیشہ ہاتھوں سے ان کے رہا ہوں میں جلتا
یہ زور گرم ہوئے تھے دل و جگر پیدا
یہ دل میں ذوقِ اسیری ہے جو قفس میں مدام
میں نوچتا ہوں جو ہوتے ہیں بال و پر پیدا

آخرش بصد نالہ و آہ، کراہ کراہ کر، صبح کی۔ بعد فراغ نمازِ [صبح] پُرسوز و گداز مرنے پر کمر باندھی۔ شب کو یہ خبر عام ہوگئی تھی کہ کل جادوگر کی لڑائی کو شہزادہ آمادہ ہو جائے گا۔ [دیکھیے فلک کیا تماشا دکھائے گا۔] پہر رات رہے سے مجمع عام دردیوان خاص پر [دیکھنے کو] تھا۔ یکایک [روشنی

---

۱ بہ تغیرِ الفاظ یہ مشہور مطلع میر سوز دہلوی کا ہے۔ دیکھیے اردوئے معلّی، میر سوز نمبر صفحہ ۵۹۔

نمودہوئی دیکھا، بادشاہ تخت پر سوار، برابر شہزادہ والا تبار برآمد ہوا۔ [دورویہ صف باندھ کر مجرا ہوا۔ [چشمِ مشتاقان میں نورِ طور، نزدیک و دور، تجلی کرگیا، ہر شخص روبہ قبلہ ہو، دعائے فتح و ظفر اس ماہ پیکر کی مانگنے لگا۔ القصہ جہاں تک لوگ آتے جاتے تھے، بادشاہ بھی ساتھ آیا، آگے بڑھنے کی تاب نہ لایا۔ جانِ عالم نے قسمیں دے کر رخصت کیا۔ ناچار بادلِ داغدار و خاطرِ فگار، قلعے میں داخل ہوا۔ مگر وہاں سے ڈیوڑھی تک، صدہا ہرکارہ، صبادم [تیز رو، جلد قدم] متعین کیا، کہ ہردم کی خبر حضور میں پہنچے۔ [اب] جانِ عالم پھر اکیلا باحسرت و یاس رہا، غمِ دلبر رفیقِ قدیم پاس رہا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا آگے چلا۔ مصحفی

اے غمِ یار میں بندہ ہوں رفاقت کا تری
نہ کیا تو نے گوارا مری تنہائی کو

آگ کا قلعہ سامنے تھا، آسمان سے زمین تک بجز شعلۂ جوالہ یا برجِ آتشیں، یا انگاروں کا ڈھیر، اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شہزادہ غور سے دیکھنے لگا، [یکایک] ایک ہرن اس آگ سے نکلا، اچھل کود کر پھر اسی میں غائب ہوا۔ جب مکرر [ہرن نے] آمد و رفت کی، جانِ عالم نے [وہ] لوحِ پیرِ مرد کی دیکھی، اس میں معلوم ہوا کہ اگر یہ اسم پڑھ کے [کچھ بڑھ کے] ہرن کو تیر لگائے اور خطا نہ کرے تو یہ طلسم ٹوٹ جائے گا، [جو مطلب ہے بر آئے گا] اور اگر نشانہ چوکا، تو خود آماجگاہِ خدنگِ قضا ہوا، کوئی راکھ کے سوا نہ پائے گا۔

شہزادے نے [دل سے] کہا۔ "جو ہرن مارا تو [میدان مارا۔] زندگی کا لطف ہے، نہیں تو حیلۂ مرگ خوب ہے، بے یار تو جینا معیوب ہے۔" یہ سوچ کے لبِ سوفار چلّے سے جوڑ، شست و مشت برابر کر، اسم شروع کیا۔

ہرن نکلا۔ اُدھر تیر کمان سے سرگوشی کرکے چلا۔ بسکہ یہ قدر انداز تھا، اس کی قضا دامن گیر، تیر دوسار ہوا۔ فردوسی

ع فلک گفت احسن ملک گفت زہ

ہرن زمین پر گرا، آسمان سے دار و گیر کا غل اٹھا۔ "ہاں ہاں لیجیو، گھیریو، جانے نہ پائے۔" قریب تھا خوف سے جان نکل جائے، زمانہ تیرہ و تار [ہوا] صحرا پُرغبار ہوا، گھڑی بھر میں وہ تاریکی دُور ہوئی، آفتاب نمودار ہوا، نہ [وہ] آگ رہی نہ قلعہ، برابر سطح میدان، [نہ] انسان نہ حیوان۔ مگر چبوترے پر لاش جھلسی ہوئی پاش پاش [پڑی] دیکھی، یعنی وہ جادوگر، کریہہ منظر، سینۂ کاٹھ کا، ٹکے پر زرد زرد دانت، ہونٹوں کے باہر، منہ جھری سے [زیادہ] آلودہ [نطفۂ حرام] شیطان کا بندہ، بالوں کی لٹیں لٹکتیں، ہڈیاں کھوپڑیاں گلے میں پڑیں۔ کالا بھجنگا گانڑسے ننگا، تیر سے چھید کیے، جہنم واصل، وہ [اُلو کا پٹھا] واصل ہو گیا۔ [شہزادہ] شکر کا سجدہ بجا لایا۔ قدم ہمت آگے بڑھایا۔ ہرکارے یہ ماجرا دیکھ کے فوراً [بادشاہ کے] حضور میں حاضر ہوئے، بعد دعا و ثنا [دست بستہ] عرض کی۔ "اے شہریار [نصرت آثار] ذوی الاقتدار! فتح مبارک [شہزادہ] آفت روزگار، فخر رستم و اسفندیار ہے۔ ایک تیر میں وہ آگ کا قلعہ ٹھنڈا کر کے سرگرم راہ ہوا، [اس جادوگر کا گھر تباہ ہوا۔"]

بادشاہ [یہ] مژدہ فرحت افزا سُن کے [بہت] خوش ہوا، فرمایا: "یقین کامل ہے کہ جانِ عالم حسبِ دل خواہ مراجعت کرے گا، فتح و فیروزی شامل ہے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ [پھر] خبر داروں کو خلعت و انعام حدا فزوں قدر و منزلت مرحمت کر کے روانہ کیا۔

اس عرصے میں شہزادہ وہ وادی پُرخطر، میدان سرا سر قہر کو طے کر،

متصل قلعۂ ساحر، جہاں انجمن آرا قید تھی، پہنچا۔ وہ عجب معلّق قلعہ تھا۔ زمین سے چار پانچ گز بلند، [بر روئے ہوا] ایک تختہ کمہار کے چاک کی طرح، با ایں سرعت، گردش میں تھا، کہ نگاہ کام نہ کرتی تھی، آنکھ کی پتلی اتنی جلد نہ پھرتی تھی، [اور] بلند ایسا کہ دیکھنے میں پگڑی گرتی تھی۔ جانِ عالم وہاں ٹھہرا، وہ قلعہ بھی حرکت سے ساکت ہوا۔ اس وقت مفصّل نقشہ معلوم ہوا کہ قلعہ جواہر نگار ہے، زیب و زینت [تزئین بے شمار] ہے۔ دروازے چار ہیں، برج گنے نہیں جاتے، ہزار در ہزار ہیں۔ کمندِ فکر اس کی بلندی کے روبرو کوتاہ ہے۔ ہر طرف [سحر سے بند ہے۔] مسدود راہ ہے۔ [ایک دروازے کے پاس] جہاں جانِ عالم کھڑا تھا، زمرّد کا بنگلہ نظر آیا۔ اس میں سے آواز آئی کہ: "اے اجل رسیدہ، کیوں ملک الموت کو چھیڑتا ہے، زندگی سے مُنھ پھیرتا ہے۔ مُجھے تیرے حُسنِ صورت پر رحم آتا ہے۔ جلد یہاں سے جا، خطائے اوّل، عوض خوبیِ شکل و شمائل معاف کی، وگرنہ بایں شدائد و خواری قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حالِ پریشاں پر خون روئے گا۔ ساکنانِ زمین کو گوشت پوست ہڈّی، کا پتا نہ ملے گا۔ بادشاہ تیرے غم میں جان کھوئے گا، اس دشت کی خاک تیرے ہو سے رنگین ہوئے گی، روح بھی تا حشر خوابِ مرگ میں آرام سے نہ سوئے گی۔"

شاہ زادے نے ہنس کر کہا: "اے مادر بخطا تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا، کہاں تک لاف و گزاف کا دم بھرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اور تو کیا کہوں، تجھے بھی اُسی کے پائینتی بھیجتا ہوں۔"

یہ سُن کے وہ [ساحر] جھلایا، بنگلے سے سر نکالی، تھوڑے ماش اُس بدمعاش نے اور کالا دانہ نکالا۔ اُس وقت چرخ چکّر میں آیا اور زمین تھرّائی، جب سرسوں میں جولے اور رائی ملائی۔ پھر تتیا متیا [کو یاد کیا،] لونا چماری کو [نمک حرام

نے اُپکارا۔ اور ان دانوں کو اس احمق نے آسمان کی طرف پھینک مارا۔ دفعتاً ابر تیرہ و تار گھر آیا۔ شہزادے پر پتھر اور آگ کا مینھ برسایا۔ یہ بھی اسمائے رد سحر پڑھتا تھا، آگے بڑھتا تھا جب آگ قریب آتی، پانی ہو کر بہہ جاتی۔ پتھر بھی ہر ایک خاک تھا، ایسا وہ اسمِ پاک تھا۔ جادوگر خفیف ہو کر سحرِ تازہ کی فکر میں تھا۔ جانِ عالم نے لوح کو دیکھا، اُس میں نکلا "کسی طرح لوح کو قلعہ کی دیوار سے لگا دے، پھر قدرتِ خالق کا تماشا دیکھ لے"۔

شہزادے نے بہ جراُتِ تمام تر، اُچک کر، لوح دیوار سے لگائی۔ قلعے پر آفت آئی۔ مرتبۂ اول سے زیادہ چکر میں آیا۔ پھرتے پھرتے اس طرح کی صدائے ہیبت ناک آئی، کہ ہزار توپیں ایک بار چھٹیں، تو ایسی نہ ہو۔ [سامری کی روح زیرِ زمین گھبرائی،] اس درجہ مُہیب تھی کہ گاوِ زمین کا کلیجا ہل گیا، خورشید برج اسد میں چھپ کر دہل گیا۔ زمانے کا رنگ دگرگوں ہوا، جنگل گرد برد ہو گیا۔ وہ کافر آتش پرست سرد ہو گیا۔ لرزاں [ہر] کوہ و ہاموں ہوا۔ میدان سیاہ، بلند صدائے نالہ و آہ ہوئی۔ چار گھڑی میں وہ تاریکی دُور ہوئی۔ شہزادے کی طبیعت مسرور ہوئی۔ نہ قلعہ نظر آیا، نہ مکانات کا نشان پایا، لیکن ریت کا ٹیلا، سرکنڈے گڑے، اور کچا سوت نیلا پیلا ان پر لپٹا، کچھ پھندے پڑے۔ اُس میں وہ ماہِ شب افروز، خورشید صورت، نُور کا عالم، پریشان، بدحواس، سراسیمہ، متحیّر، کوئی آس نہ پاس، ہر سمت حیران ہو ہو دیکھ رہی تھی۔ جانِ عالم نے پہچانا۔ تاب نہ رہی، رعبِ محبت سے جی سینے میں سنسنایا۔ اکیلا دیکھ کے کلیجا مُنھ کو آیا۔ ہر چند ضبط کیا، نہ ہو سکا۔ تھرّاتا [تھا]، دم چڑھا جاتا [تھا]۔ مگر دوڑ کے گرد پھرنے لگا، لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا۔

انجمن آرا نے شرما کے سر جھکا کے کہا "سبحان اللہ صاحب، کچھ پاس لحاظ بھی کسی کا نہیں، یوں بے باکانہ پاس چلے آنا، یہ حرکت مجنونانہ ہے، [لوگ کہیں

گے دیوانہ ہے۔"
مگر اس گفتگو میں آنکھ بھی چار ہو گئی، سنانِ اُلفت اُدھر تو گڑی تھی، [اب] اِدھر بھی دوسار ہو گئی۔ شہ زادہ خنجرِ عشق کا زخمی قدیم تھا، وہ تازہ شمشیرِ محبت کی گھائل ہوئی، طبیعت ادھر آئی ہوئی۔ بدن تھرّایا، جانِ عالم نے یہ شنایا، میرسوزؔ

بس کو نہ ہو شکیب نہ تابِ فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے
آہستہ رو تو منزلِ مقصود کو گئے
رفتار گرم تھی، سو ہمیں درمیاں رہے
بندہ نواز حال پہ میرے کرو نگاہ
ہے جائے گریہ، یہ کرپس کا رواں رہے

یہ کہہ کر گر پڑا، غش آگیا۔ عشق کی نیرنگیاں بیاں نہیں، حاجتِ اظہار و بیاں نہیں، کشش اس کی چھوٹے بڑے پر آشکارا ہے، بڑے بڑوں کو اس نے فریب سے مارا ہے۔
انجمن آرا کو دلِ مضطرب نے تڑپ کر سمجھایا، بے قراری میں اس پر قرار آیا کہ یہ مقرر عاشقِ صادق ہمارا ہے جو ایسی بلا سے نہ ڈرا، سر کو بیچ کر اس وادی میں پاؤں دھرا، دگرنہ اتنے دن گزرے، بے کسی کے سوا کوئی ہمدم شریکِ زندانِ غم نہ تھا۔ دل قبضۂ اختیار سے جاتا رہا، حجاب ہر چند مانع ہوا، سمجھاتا رہا، مگر جانِ عالم کا سر، سرکا کے زانو پر رکھا، چہرے کی گرد جھاڑی، غش تو کبھی [کسی کی] آنکھ سے دیکھی نہ تھی، گھبرا کر رونے لگی۔ اس طرح روئے یار [شیدا] دھونے لگی، اور یہاں جو بوند آنسو کی، منہ پر پڑی، اور دماغ میں خوشبو

کنارِ دلدار کی جڑھی، تخلخے۔ کا کام کر گئی۔ گلاب، کیوڑا [بیدِ مشک مانچھڑکنے] کی حاجت نہ رہی۔ آنکھ کھول دی۔ "سُبحان اللہ، عجب عالم نظر آیا۔" سر [شوریدۂ خاک افتادہ کو] کنارِ یار، زانوئے دلدار پر پایا۔ ناز و نیاز نے دماغ عرشِ اعلیٰ پر پہنچایا، اور پاؤں پھیلایا، یہ اترایا۔ انجمن آرا نے جھجک کر گھٹنا سرکایا۔ جانِ عالم نے چشمِ نیم وا سے شہزادی کا منہ دیکھا اور کہا۔ "ہماری بے ہوشی، ہشیاری سے اچھی تھی۔ مؤلف

میں جو چونکا تو وہ بھی چونک پڑا
ہوئی غفلت جو ہوشیار ہوا"

یہ کہہ کے آنکھیں بند کر لیں کہ "پھر ہمیں غش آیا، کیوں تم نے زانو سرکایا۔"

انجمن آرا نے کہا۔ "کیا خوب، اتنا اختلاط میری جڑ ہے۔ میں نے تیری محنت و مشقت پر نظر کر کے، یہ انسانیت کی حرکت کی تھی، آپ چل نکلے۔ خدا جانے دل میں کیا سمجھے، اپنی راہ لیجیے، چلتا دھندا کیجیے۔ واہ وا، "نیکی برباد گناہ لازم"۔"

جانِ عالم نے جواب دیا۔ اُستاد

خاک ہی اپنی اٹھے تو اس مکاں سے اٹھ سکے
ہم جہاں جوں نقشِ پا بیٹھے نہ واں سے اٹھ سکے

الٹا چور کی ڈاڑھی میں تنکا، میں تمھیں اپنا عاشق کبھی نہ سمجھوں گا، نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھوں گا۔"

انجمن آرا نے کہا۔ "چہ خوش، بھلا دل تو بہلا لو، کچھ ہو یا نہ ہو، زبان کا مزہ نکالو، یہ تو وہی مثل ہوئی ــــ مان نہ مان میں تیرا مہمان، اور آپ کا حال تو بعینہٖ اس شعر کا سا ہے۔ شعر

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا[1]

عشق و عاشقی کی باتیں، میری بلا جانے، یہ رمز و کنایہ کسی اور سے جا کے کرو، اپنا جوچلا تہہ کر رکھو، اپنی صورت تو غور سے دیکھو۔ تم نے سنا نہیں شاید مثل: "حلوا خوردن را روئے باید۔"

جانِ عالم نے کہا: "میں بے چارہ خستہ تن، غربت زدہ، دور از وطن، بہنت پن کہاں سے لاؤں، کیوں کر ویسی صورت بناؤں۔ ایک ہنستا ہے، ایک [نصیبوں کو] روتا ہے۔ کفر اور اسلام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تمھیں ابھی تک موہن بھوگ کا ذائقہ نہیں بھولا ہے۔ دم تقریر زبان پر حلوا ہے۔ ہم نے آپ کے واسطے جوگ لیا، سلطنت کو تج دیا، اب مراد پوری ہوئی، دو روز کی دوری ہوئی۔"

انجمن آرا یہ کی سن کے کھسیانی ہوئی، کہا: "چلو صاحب واہ وا، مُوا قربان کیا تھا، اپنی جوچ بند کرو، جلی کٹی کی ہنسی، اپنے گھر [والوں سے] جا کر کرو۔ سحر جادو، زور و ظلم، مکر و فریب سے انسان ناچار ہے، اس میں کسی کا کیا اختیار ہے۔ مگر خیر اور جو چاہیے کہہ لیجیے، در پردہ کیا، صاف صاف گالیاں دیجیے۔ یہ باتیں قسمت کی گردش سنواتی ہے، دیکھوں ابھی تقدیر آگے کیا کیا دکھاتی ہے۔ اگر خدا ہمارا گھر بار چھڑا موذی کے بس میں نہ پھنساتا، تو ہر ایک راہ چلتا ہمیں کاہے کو ایسی باتیں سناتا۔"

جانِ عالم یہ سن کے ڈر گیا، رنگ زرد ہو گیا، خجالت سے سر گیا۔ سہم کر آبدیدہ ہو کہنے لگا: "میری کیا مجال ہے۔ جو آپ کو کچھ کہوں، میں تو [بے چارہ] خانماں آوارہ، مسافر ہوں۔ انصاف تو کرو، تم کتنی ہٹ دھرم، احسان

---

[1] خبردار ہو اے ساقی دور میں ساغر کو لا اور دے دے۔

فراموش ہو، ہنسی میں رو دیا، ہمیں دونوں جہان سے کھو دیا۔"

انجمن آرا نے دیکھا، اُس کے آنسو جاری، ہچکی جاری ہے، مُسکرا کے کہا۔ "[اتنی دیر میں] ایک بات مطلب کی کہی، مگر ؎ مصرع

سچ ہے اوچھے کا بھی احسان بُرا ہوتا ہے

خاطر جمع رکھ، اپنے گھر چل کر تجھے مال و زر سے لاد دوں گی، کہ تو چل نہ سکے گا، بوجھ سے ہل نہ سکے گا۔"

شہ زادے نے کہا۔ "آخر سلطنت کا گھمنڈ آیا، ہمیں محتاج جان کے یہ فقرہ سُنایا۔ ہم بھی کبھی حاجت روائے عالم مشہور تھے، مگر الفت سے مجبور تھے، اگر تم پر عاشق نہ ہوتے کیوں سلطنت کھوتے، سر پہ ہاتھ رکھ کے روتے۔"

یہاں [تو] یہ نوک جھونک، چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی۔ وہاں خبر فتح و ظفر ہرکارو نے بادشاہ کو پہنچائی۔ وہ تو ہمہ تن گوش، [باختہ ہوش] تھا، اُسی وقت مع ارکانِ دولت روانہ ہوا، [ساتھ ہر ایک یگانہ و بیگانہ ہوا، اور] ایک سُکھپال ہمراہ لیا، صبا وار سنّاٹے میں آ پہنچا۔ جو جو نزدیک تھے۔ دور کھڑے ہوئے [جو قریب تھے وہ بڑھے ہوئے] کہاریاں بادشاہ کا تخت قریب لائیں۔ انجمن آرا منھ چھپا کر بیٹھ گئی۔ جانِ عالم [بادشاہ کے لحاظ، پاس سے، انجمن آرا کے پاس سے سرکا۔ بادشاہ اُترا، جانِ عالم کو گلے لگایا۔ جرأت کی تعریف کی، ہمّت پہ تحسین و آفرین کہی۔ پھر بیٹی کو چھاتی سے لگا، سُکھپال میں سوار کیا۔ شہ زادے کو برابر تخت پر بٹھا لیا۔ ترقی خواہانِ دولت، ملازمانِ قدیم نزدیک آئے۔ زرِ سُرخ و سفید، تخت اور سُکھپال پر نثار کیا۔ اس قدر اشرفی روپیا تصدق ہوا کہ آج تک جو محتاج مسافر اُدھر جاتے ہیں، چاندی سونا پاتے ہیں، نصیب جاگتے ہیں [ڈھیر کے ڈھیر لے بھاگتے ہیں]

بادشاہ کے پھرتے پھرتے، جلوسِ سواری، نوبت، نشان، فوج اور سب سامان آپہنچا۔ اہلِ شہر یہ خبر سُن کے ہزاروں دوڑے۔ شادیانے بجاتے، مُبارک سلامت کا غل مچاتے، شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کی رونق گئی ہوئی پھر آئی، خلقت نے جانِ تازہ پائی۔ محل میں انجمن آرا رونق افروز ہوئی، سب کو شادی نو رو زہوئی۔ محل والیوں نے کُہرام مچایا۔

بادشاہ نے فرمایا "یہ خوشی کا وقت ہے، نہ ہنگامِ غم، اسی طرح سب بچھڑے خدا کی عنایت سے باہم ہوں۔"

انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی، دمبدم سجدہ کرنے کو زمین پر گرتی تھی، کہتی تھی: "اللہ نے میرے بدولت جانِ عالم دن پھیرے۔"

انجمن آرا جب یہ نام سُنتی، خوش کیا کِھل جاتی، مگر لوگوں کے سُنانے کو تجاہلِ عارفانہ کر کے، یہ سُناتی: "صاحبو! خیر ہے یہ کیا بار بار کہتے ہو، جو میرا ستارہ سیدھا نہ ہوتا، تو وہ کون تھا، جو دن پھیرتا۔"

ہم صحبتیں مزاج داں اس رُکھائی سے تاڑ گئیں، کہ آپ کی بھی آنکھ پڑی، طبیعت لڑی۔ جب اس کی ماں سرکی، وہ سب پاس آ آ کے کہنے لگیں: "سچ ہے! ہم تو تیری مفارقت میں مرتے تھے، زندگی کے دن، گھڑیاں گن گن بھرتے تھے۔ یہ صورت اللہ نے دکھائی، یا جانِ عالم کی جوتیوں کے صدقے سے نظر آئی۔ جس طرح ہمارے مطلب دلی ملے، خالق اس کے بھی جی کی مُراد دے۔"

انجمن آرا غصّے کی شکل بنا، تیوری بھوں چڑھا، کہنے لگی: "تم سبھوں کی شامت آئی ہے، کیا بیہودہ بک بک مچائی ہے۔ چونچلے کی خوبی، بزرگی، خُردی سب ڈوبی۔ واہ وا تم نے میری چڑھ نکالی، اپنی دانست میں دیوانی بنالی۔

خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، سبھوں نے میرا مغز کھایا ہے۔ اُسے تو کیا کوسوں، وہ تو مسافر بےچارہ ہے، جی میں آتا ہے، اس کا مُنھ نوچوں جس جس نے یہ نخرا اُجھارا ہے۔ اور بھی مجھے [بہت] چھیڑو گی تو رو دوں گی، اپنا سر پیٹ لوں گی۔" یہ کہہ کے مُسکرانے لگی، ہونٹ چبانے لگی۔ آپس میں رمز و کنایے [یہ چہچہا] رہے۔ تمام ملازمان بادشاہ مع روسائے ترقّی خواہ نذریں لے کے حضور میں حاضر ہوئے۔ شہر میں، مُنادی ہوئی کہ جتنے ساکنانِ قلمروِ بادشاہ ہیں، فقیر سے ہفت ہزاری تک، بڑے آدمی سے بازاری تک، آج کاروبار موقوف کر کے ناچ دیکھیں، خوشی کریں، اور جسے مقدور ہو، سرکار سے زر۔

تمام شہر میں، عیش و نشاط، راگ رنگ کی مجلس [ہر گلی کوچے میں] بافرحت و انبساط ہوئی۔ بادشاہ نے جشنِ جمشیدی کیا، تمام شب بادہ گلگوں کا دور رہا، ناچ گانا [بجانا]، صحبتِ بے تکلفانہ بہ طور رہا۔ دمِ صبح شاہِ کیواں جاہ، دیوانِ عام میں رونق افزا ہوا [اور خزانہ و قید خانہ وا ہوا]۔ اس قدر زر و جواہر، محتاج اور فقیروں کو عنایت و امداد ہوا، کہ کاسۂ گدائی، اُن کا جام و صراحی سے مبدّل ہو گیا۔ محل میں۔ رَت جگے، صحنک، جا بجا، کونڈے، حاضری، دونے، پُڑیاں منتوں کی، جس جس نے مانی تھیں، کرنے بھرنے، [کھلانے] دینے لگیں۔ اور ڈومنیاں تڑاق پڑاق، پری وش، خوش گلو باانداز مع سامان و ساز حاضر ہوئیں۔ مُبارک سلامت، کہہ کے شادی مبارک گاتے، چہچہے مچاتے، تہنیت مُبارک باد سُنانے لگیں۔ [غزل، مؤلّف سے]

شادی و جشنِ سزاوار مبارک ہووے

آج شہزادی کا دیدار مبارک ہووے

صد وسی سال سلامت رہے باامن و اماں
حُسن کی گرمیِ بازار مُبارک ہووے
وہ بھی دن آئے، جو سہرا بندھے سر پر اس کے
سب خوشی سے کہیں ہر بار مُبارک ہووے
بعد شادی کے خُدا دے کوئی فرزند رشید
ہم کہیں آ کے یہ دلدار مبارک ہووے
خار کھاتے رہیں کم بخت، جو دشمن ہوں سُرور
دوستوں کو گُل و گُلزار مبارک ہووے

بیان جلسۂ شادی اس وطن آوارہ کا، انکار کرنا اس مہر سیما ماہ پارہ کا، ماں کا سمجھانا، اس کا شرما کے سر جُھکانا، پھر سامان برات کا، لوٹنا پہلی رات کا

[نظم]

کدھر ہے تو اے ساقیِ گلعذار
مرا غم سے دل ہو گیا خار خار
پلا دے کوئی ساغر لالہ رنگ
جوانی کی لائے جو دل میں ترنگ
کہے کتنے صحرا نوردی کے رنج
بھلا کچھ تو شادی کا ہوں نغمہ سنج

سرود سرایان بزم شادی و نغمہ پردازان محفل عشرت و دامادی، انجمن

بیان میں یوں زمزمہ سنج ہوئے ہیں کہ [جب] جلسۂ عیش و طرب سے سب کو فرصت ہوئی۔ ایک روز بادشاہ ذی جاہ محلسرائے خاص میں جلوہ بخش تھا، بی بی سے خلوت میں فرمایا کہ "حقوق اور احسان جیسے جانِ عالم کے ہمارے ذمّہ ہمّت ہیں، تمام عالم جانتا ہے اور یہ بھی نزدیک و دُور مشہور ہے کہ عشقِ انجمن آرا میں تا دیدہ مُبتلا ہے [بلا] ہو، سلطنت کھو یہاں آیا ہے، اور کس مردانگی سے جادوگر کو مار کر اس کے پھندے سے چھڑایا ہے۔ اس کے قطع نظر صورت و سیرت، خُلق و مروّت، ہمّت و جراُت، یہ جتنی صفتیں ہیں، [اُسے] خالق نے سب عطا کی ہیں۔ حسب عالی نسب والا، حُسن میں مہر و ماہ سے نرالا، مناسب کیا [بلکہ] ضرورت ہے کہ جلد سامانِ شادی درست کر کے منعقد کرو۔ خدا جانے آج کیا ہے، کل کیا ہو۔ کارِ امروز را بفردا مگذار۔"

اُس نے عرض کی: "جو رائے اقدس میں گزرا، یہی میرا عین مطلب تھا۔"

بادشاہ نے فرمایا: "آج انجمن آرا سے یہ مقدمہ اظہار کر کے، جوابِ باصواب حاصل کر لو۔ کل سے سرگرم سامانِ شادی ہو۔"

یہ کہہ کے بادشاہ دیوانِ عام میں رونق افروز ہوا۔ انجمن آرا کو ماں نے طلب کیا، اور دو چار مُغلانیاں، اَتونِ سن رسیدہ، محلداریں، جہاں دیدہ قدیم جو تھیں، اُنھیں یاد کیا۔ شہزادی کی جلیسیں بھی، یہ خبر سُن کر، بے بُلائے [وہاں] آئیں۔ ماں نے پہلے بیٹی کو گلے سے لگایا، پیار کیا، پھر کہا: "سُنو پیاری، دنیا کے کارخانے میں یہ رسم ہے، کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی ماں باپ کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اور غیرت دار کے گھر میں لڑکی جوان ہر وقت رنج کا نشان، خفّت کا سامان ہے، اور خدا و رسول کا حکم بھی یہی ہے کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو، شادی کر دو۔ ورائے ان باتوں کے ایک شخص نے تمھارے

واسطے، گھر بار چھوڑا، سلطنت سے ہاتھ اُٹھا، کسی آفت سے مُنھ نہ موڑا، جی پر کھیل گیا، کیا کیا بلائیں جھیل گیا، سر کھپی، جان جوکھوں کی، جب تم نے ہم کو دیکھا، ہم نے تمھاری صورت دیکھی شکل میں پری شمائل، فرخندہ خو، فرشتہ خصائل۔ تمام شہر عاشقِ زار ہے، چھوٹا بڑا اس پر فریفتہ و نثار ہے۔ ہر چند تم [میری] پارۂ جگر، نورِ نظر ہو، مگر واری جو انصاف ہاتھ سے نہ دو تو، تم میں اس میں بڑا فرق ہے۔ تمھیں اللہ نے عورت بنایا ہے، وہ مردِ میدانِ نبرد ہے۔ رنڈی مرد کا تفاوت بہت مشہور ہے، آگاہ نادان و ذی شعور ہے۔ اِلّا جانی! ہمارا کہنا آرسی مُصحف میں نظر پڑے گا، دیکھیے گا، جو دکھائی دے گا۔"

انجمن آرا نے یہ سُن کے سر جھکا لیا، رونے لگی۔ کہا: "حضرت [سلامت:] صورت شکل کا مذکور یہاں کیا ضرور تھا، یہ اللہ کی قدرت ہے، کسی کو بنایا، کسی کو بگاڑا۔ بہت سے لُولے، لنگڑے، کانے، کُھدرے، گُونگے بہرے ہیں، وہ چاہے نہ جئیں، کہیں نُور ہے، کہیں نار ہے، گُل کے پہلو میں خار ہے۔ یہ سب مشیت پروردگار ہے۔ دنیا میں کون سی شے بے کار ہے۔ [بلکہ] بُروں سے اچھوں کی تمیز ہے۔ یوں تو بادشاہ، مصر، غلام عزیز ہے۔ اور جو بارِ احسان سے دب کر فراقی ہو کر ایسا کرو تو دنیا عالمِ اسباب ہے، ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے۔ یہ شخص نہ آتا، اور میرے مقدر میں رہائی [بدی] ہوتی، کچھ ایسا سامان نکل آتا، اور کوئی اللہ کا ولی پیدا ہو جاتا، میرے بند چُھڑاتا۔ مولف

نیک و بد زمانہ نہیں اختیار میں
ہوتا وہی ہے سر جو سر نوشتہ ہو

میری قسمت کمبخت بُری ہے، ایک مُصیبت سے چُھڑا، دوسری آفت میں پھنسایا۔ ہر دم کے طعنے، اپنے بیگانے کے سُننے پڑے، گھر آیا، مجھے قید سے

چھڑایا، خدا جانے وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اپنے منھ سے میاں مٹھو بنتا ہے۔ میں آپ کی لونڈی ہوں بہر صورت فرماں بردار، اگر کنوئیں میں جھونک دو، چاہ سے گر پڑوں، اُف نہ کروں، مگر جو آپ اُس کی [صورت] شکل پر ریجھ، محنت و مشقت کو سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا چاہتی ہیں تو میں راضی نہیں۔ اگر مزدوری کی اُجرت، خدمت کا انعام منظور ہے کہ بادشاہوں کے نزدیک احسان کسی کا اٹھانا بہت دور ہے، تو روپیا، اشرفی، جاگیر عنایت کرو کہ اس کا بھلا ہو، آپ کا نام ہو، اس کا کام ہو۔"

یہ فقرہ سُن کے وہ بہت ہنسی کہا۔ "شاباش بجّی اس کی جاں فشانی کی خوب قدردانی کی، واقعی وہ بچارہ تمھارے روپے پیسے یا مُلک کا محتاج ہے۔ اری نادان وہ تو خود صاحب تخت و تاج ہے۔"

اس بات پر ہم سِنوں نے قہقہہ مارا، کہا۔ "حضور! بس ان کا یہ شعور ہے، ان کے نزدیک وہ شہزادہ نہیں [کوئی] مزدور ہے۔"

انجمن آرا نے جھنجھلا کے کہا کہ۔ "روپیا وہ شے ہے [اور مُلک وہ چیز ہے کہ] اس کی خواہش میں اسفندیار سا روئیں تن مارا گیا، [جمشید بر کیا گزرا کا] فریدوں نے افراسیاب کا سر اتار اگیا۔"

وہ جو دائی ددا، آتوں، مغلانیاں پرانی پرانیاں حاضر تھیں، عرض کرنے لگیں۔ "قربان جائیں، واری، ماں باپ کی عدول حکمی میں خدا اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، تمھیں انکار مناسب نہیں، اور خدا نخواستہ یہ کیا تمھارے دشمن ہیں، جو راہ چلتے کے حوالے کسی کے کہے سُنے سے، بے دیکھے بھالے کر دیں گے۔ آدمی روز بروز عقل و شعور سیکھتا ہے۔ نشیب و فراز، بات کا محل اور موقع سوچنا سمجھتا ہے۔ تم سلامتی سے ابھی تک وہی بچپنے کی باتیں کرتی ہو،

کھیلنے کو، دنے کے سوا قدم نہیں دھرتی ہو۔"

انجمن آرا نے جواب نہ دیا، سر زانو پر رکھ لیا۔ لیکن وہ جو امیر زادیاں اُس کی ہم نشین، جلیسیں [مُشیر] تھیں جن سے رازوں کو اسی دن کے مشورے رہتے تھے۔ بولیں کہ "ہے ہے!! لوگو، تمھیں کیا ہوا ہے، آتوں جی [صاحب] بے ادبی معاف، آپ نے دُھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے۔ خیر ہے صاحبو! دُلہن سے صاف صاف کہوایا چاہتی ہو، دنیا کی شرم و حیا نگوڑی کیا اُڑ گئی۔ اتنا تو سمجھو بھلا ماں باپ کا فرمان کسی نے ٹالا ہے، جو یہ نہ مانیں گی، الخاموشی نیم رضا، بوڑھے بڑوں کے روبرو، اور نہ کہنا کیا۔"

یہ سُن کے بڑی آتون، جس نے انجمن آرا کو پالا [تھا] پڑھایا لکھایا [ہر دم دیکھا بھالا تھا، [بسم اللہ کہہ کے اُٹھی] انجمن آرا کی ماں کو نذر دی، مبارک باد کہہ کے ہنسنے لگی۔ محل میں [ہر طرف] قہقہے مچے۔ شہزادی [بناوٹ سے] رونے لگی۔ نوّاب ناظر، بیگم کی نذر لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا، نذر دی۔ خلعت مرحمت ہوا۔ یہاں تو ارکانِ سلطنت اسی دن کے روز منتظر رہتے تھے یہ مژدہ فرحت افزا، دریافت کر کے اُچھلے، مراتب بمراتب نذریں گزریں۔ توپ خانوں میں شلّک کا حکم پہنچا۔ نوبت خانوں میں شادیانے بجے [تمام شہر مطلع ہوا۔] مبارک سلامت کی صدا زمین و آسمان سے پیدا ہوئی۔ شعر [میر سوز]

شعر
فلک پر یہ مبارک باد ہے اب کس کے ملنے کی
یہ ایسا کون بختاور ہے جس کا بخت جاگا ہے

بادشاہ نے وزیر اعظم سے ارشاد فرمایا۔ "جانِ عالم یہاں مسافرانہ وارد [ہوا] ہے، تم امورات محل کیں مستعد رہو، ہم اس کا سامان سرانجام کریں۔"

وزیر [اعظم] آداب بجا لایا۔ خلعتِ فاخرہ ملا، ہاتھی پالکی سے سرفراز ہوا۔

[اُس دم] جانِ عالم کا یہ نقشہ تھا، کہ چہرہ پر بشاشت سے سُرخی، باچھیں تا بناگوش کھلیں۔ فرحت کے باعث بندِ قبا ٹوٹے جاتے تھے، [پھولے نہ سماتے تھے۔] مگر شرم کے باعث آپ سر نہ اُٹھاتے تھے۔ بادشاہ نے رمّال، نجومی، پنڈت، جفر داں، جو جو علم ہیئت، ہندسے اور نجوم میں طاق، شہرۂ آفاق تھے، طلب کیے۔ اور ساعتِ سعید کا سوال کیا۔ کسی نے قرعہ پھینکا، زائچہ کھینچا، شکلیں لکھیں۔ کسی نے پوتھی کھولی، کوئی حرفِ مفرد لکھ کر حساب کرنے لگا۔ کوئی تُلا، برچھاک، دھن، مکر، کُنبھ، مین، میکھ، برکھ، متھن، کرک، سنگھ، کنیاں، گن کر بچار کرنے لگا۔ کوئی مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد، قمر، زحل کا حال مع گردشِ بروج کہہ کے حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، قوس، عقرب، جدی، دلو، حوت، میزان کی میزان دے کر شمار کرنے لگا۔ کہا: "کہ بعدِ مدت قمر اور مشتری کا بطرزِ خلاف، حمل میں قران [ہوا] ہے۔ اس ہفتے کا دن رات سعدِ اکبر ہے"۔ اور بالاتفاق ایک روز مقرر کیا۔ حضور سے بہ قدرِ علم و کمال خلعت اور انعام عنایت ہوا، اور بعدِ جلسہ شادی با امیدِ دیگر و امدادِ وافر امیدوار کیا۔

القصّہ بموجب احکام اختر شناسانِ بلند ہیں، فلک سیر، ماضی و مستقبل کے حال داں، باریک خیال و منجمانِ صدر نشین مسندِ گشت وزیر [اسعد] بخش کے ناظرین، [با] حکم رو ایانِ خوش فال، مانجھے کا جوڑا، دلہن کے گھر سے چلا۔ مزدور سے تا فیل نشین، زن و مرد فرد فرد بالباسِ رنگین، پکھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے، سنہری خوانوں میں بینڈیاں مقوّی، مفرح ذائقہ ٹپکتا خوان تک بسا۔ اور دُودھ کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے، طلائی چوکی،

جواہر جڑا، زمرد نگار کٹورا اُبٹنا ملنے کا۔ کنگنا بہ از عقدِ ثریا، دُر یکتا بڑا بڑا، رنگی نشان کی تھی، بیل بوٹے میں گلستان کی تھی۔ بٹنا اور [وہ] تیل بے میل، جو عطرِ کشمیر پر خندہ زن ہو، معطرِ دماغ انجمن ہو۔ کنٹروں میں سُہاگ کا عطر، اور مہک پری ایجادِ نصیر الدین حیدری۔ ارگجہ، محمد شاہی، فتنے کی بو، [مہک] چار سو۔ زعفران کا ساختہ گھلا، کوسوں تک خوان سے خوان ملا۔ نوبت، نشان گھوڑوں پر شہنا نواز، نقارچی جوان جوان۔ سکھپال اور چنڈولوں میں زنانی سواریاں، ان کے بناؤ کی تیاریاں۔ کہاریاں پری چہرہ، زرقِ درخشاں کا عالم، باہم قدم قدم۔ اس سامان سے وہ سب مانجھا کے، درِ دولت نوشاہ پر جو بس گئے، شہر کے کوچہ و بازار بس گئے۔ وہاں دولہا دلہن نے مانجھے کے جوڑے پہنے۔ [مبارک، سلامت سب کہنے لگے۔] منادی نے ندا دی کہ "جو سفید پوش نظر آئے گا، اپنے خون سے سرخ ہو گا۔" یعنی گردن مارا جائے گا۔" بادشاہ نے خود ملبوسِ خاص رنگیں زیبِ جسمِ انور کر کے، رنگ کھیلنے لگا۔ تمام خلقت ہولی کی کیفیت بھولی۔ شہر میں شہاب اور زعفران کے سرخ و زرد نالے بہے۔ گلیوں میں عبیر گُلال کے ٹیلے ٹیکے رہے۔ کوچہ ہر بازار کا زعفران زار کشمیر تھا، ایک رنگ میں ڈوبا امیر و فقیر تھا۔ پھر با تاکید تمام خاص و عام کو حکم ہوا، کہ آج سے چوتھی [کے دن] تک سوائے اہلِ حرفہ اپنے [اپنے] اُمور ضروری موقوف کر کے [اپنے] گھروں میں ناچ دیکھو، جشن کرو، جو کچھ احتیاج ہو، سرکار سے لو۔ اور ہر رئیس محلّہ، سردار قوم سے فرمایا۔ "جو [جو] تم سے متعلق ہوں، اُن کی فرد درست کر کے حضور [اقدس] میں گزرانو۔ سب کو ہمارا مہمان جانو۔] ان کے کھانے پینے کا سامان خواہ ہندو ہو یا مسلمان حضور سے ملے گا۔ اور اربابِ نشاط کے داروغہ کو احکام ملا، کہ جس کی جیسی

لیاقت ہو، یا جس کا جو شائق ہو، بشرطیکہ [وہ] اس کے لائق ہو، بارضامندیِ طرفین ویسا طائفہ وہاں بھیج دو۔"

دُکان داروں کو ارشاد ہوا۔ "دن رات دُکانیں کُھلی رہیں، قریب قریب ناچ ہو۔ اُن کے کھانے کا صَرف تصرّفی باورچی خانے میں ٹھہرا۔ ہندوؤں کو پوری، کچوری، مٹھائی، اچار؛ مسلمانوں کو پلاؤ، زردہ، قورمہ، قلیہ [دوپیازہ] ایک آبی، دوسری شیرمال، فرنی کا خوانچہ، تشتری کباب کی۔ بہت آب و تاب کی۔ شہر میں گلی گلی، عیش و طرب [کی دُھوم] تا خوشی میں چھوٹے بڑے سب [ہر جا] ہجوم۔ نہ کسی کو کسی سے غرض، نہ مطلب۔ پکا پکایا کھانا کھانا، دُکانوں پہ بیٹھے ہر وقت ناچ دیکھنا، سرکار کا کام بنانا، بغلیں بجانا۔ بیت

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد

کسے را با کسے کارے نہ باشد

اور اس سے پہلے بہ تعیّنِ تاریخ [و] روزِ شادی، نامے بادشاہوں کو، فرمان راجا بابو کو، صوبے داروں کو شُقّے، عاملوں کو پروانے [ارسالے داروں کو بیغ] جا چکے تھے۔ دو چار منزل گرد و پیش، سرِ راہ دو دو چار چار [کوس کے فاصلے سے باورچی اور حلوائی۔ کھانا مٹھائی گرم گرم تیار کیے بیٹھے رہتے تھے کہ اس عرصے میں جو مُسافر گزرے، یا طلبیدہ بادشاہ آئے، بُھوکا نہ جائے، اور مُژدہ شادی راہ چلتوں کو سُنا کے شہر میں بھیج دیتے تھے، کہ یہ جلسہ قابلِ دید ہے۔

غرض کہ دو چار منزل کیا، دس بیس دن کی راہ سے تماشا بین بے فکرے لکھنؤ والوں سے، سیر دیکھنے کو آئے۔ اور ساچق کا دن آیا۔ اگر سب سامان بیان کروں، کہانی ناتمام رہ جائے، مگر وہی مُشتے نمونہ از خروارے، پچاس ہزار

چوگھڑے، سنہرے روپہلے جواہر نگار، نقل اور میوے سے لبالب، لاکھ خوان بُحسن و خوبی بسیار، پُرتکلف سب۔ پچاس ہزار میں مصری کے کُوزے، باقی میں میوہ اور قند کی چھبڑیاں۔ مرصّع کاری کی بڑی تیاری کی، نقرئی دہی کی مٹکی، گلے میں مچھلیاں، ناڑے سے بندھیں۔ آرائش کے تخت [لاجواب / بے حساب۔ اس روش کے، جن کے دیکھنے سے صنّاعی صانعِ حقیقی کی یاد آئے۔ گُل اور بوٹا اس سج دھج کا، جو نقل کو اصل کر دکھائے۔ آتش بازی کے ٹوکرے قطار در قطار بے پایاں سرو، جھاڑ [پہاڑ / درخت میوہ دار، ہزار در ہزار لابیاں، بہت ترک بڑا سامان، آرائش کے گلدستوں سے چمنِ رواں ساتھ تھا، سر دست یہ باغ [پھولا پھلا / ہاتھوں ہاتھ تھا۔

اس انداز سے سانچق گئی، مہندی کی شب آئی۔ وزیر درست تدبیر نے خوب تیاری کی۔ نارنول کی مہندی ہزاروں من، بو باس میں دلہن پن، رنگین جس کی دید سے ہاتھ مثلِ پنجۂ مرجان، رشکِ عقیقِ یمن اور لعلِ بدخشاں ہو جائے، [سُرخرو ہمہ تن ہو جائے / ایک بار لگائے لال ہو، تمام عمر کفِ افسوس ملتا رہے، نہ ہاتھ لگنے کا ایسا ملال ہو، [بظاہر سرسبز ہری، مگر سرخی کوٹ کوٹ کے بھری۔ / جڑاؤ سینیوں میں حنا، شمعِ مومی و کافوری اس پر روشن، ملیدے کے خوانوں پر [عجیب / جوبن + آرایش اور آتش بازی ہمراہ، دیکھنے والوں کے لب پر واہ واہ۔ بہت چمک دمک سے مہندی لایا، اور یہ رنگ ڈھنگ حُسنِ تدبیر سے دکھایا کہ تمام ہم چشموں میں سُرخرو ہوا۔

برات کی رات کا حال سُنو۔ دیوانِ خاص سے دُلھن کا مکان [چار / پانچ کوس تھا۔ یہاں سے وہاں تک، دونوں طرف بلور کے جھاڑ، آدمی کے قد سے دوچند، سو سو بتی کے سر بلند۔ پانچ چھے گز کے فاصلے سے روشن، اور

[ان سے] دس گز جدا، نقرئی، طلائی تج شاخہ جلتا۔ ان سے کچھ دور، ہزار دو ہزار مزدور، ٹھاٹھروں پر روشنی کرتے، جھاڑ رشکِ سرو چراغاں چمکتے جا بجا ترپولیے اور نوبت خانے بنے [رنڈیاں اور] کتھک اتھک ان پر ناچتے نوبت بجتی، مغرق شامیانے تنے + اس کے قریب آتش بازی [دو رویہ] گڑی، [خلقت خدا کی تماشا دیکھنے کو کھڑی ۔] روشنی یہ [شفاف] روشن تھی کہ چیونٹی سوار کو یہ ہیئتِ مجموعی متصل نظر آتی تھی ۔

غرض کہ دولھا سوار ہوا، شور و غل یک بار ہوا ۔ [ہر شخص خبردار ہوا] کسی نے کہا۔" سواری جلد لانا۔" کوئی شمد ٹیکا سنبھال کے پکارا۔" خدمت گار کو بلانا"۔ کسی نے فیل بان سے کہا۔" ہاتھی بٹھانا۔"] پلٹنیں آگے بڑھیں، [عربی] باجے بجنے لگے، کوس دکور گرجنے لگے۔ نوبت، نشان، ماہی مراتب، جلوس کا سامان، سواروں کے رسالے دو رویہ باگیں سنبھالے + خود اسپے اکے آگے بیش قرار، دربانے دار ۔ پھر ہزار بارہ سے تخت رواں، تمام تمامی سے منڈھے + ان پر رنڈیاں جوان جوان، شادی مبارک گاتیں، سج دھج دکھاتیں، طبلے کھڑ کھڑاتیں، بہت سے سانڈنی سوار، تیز رفتار خاص بردار، خاصیاں کندھوں پر، دولھا کے برابر۔ ان کے قریب برچھی بردار، باندا، چوبدار، روشن چوکی والے، شہنائیاں پرتکلف بُر نرالے، ہزاروں غلام، زریں کمر، سنہری روپہلی انگیٹھیاں ہاتھوں میں، جھولیوں میں عنبر سارا عود غرقی [سارا] بھرا، دشت مہک رہا۔ گرد ہزار ہا بجتا، کھنکتا۔ سونے چاندی کی دستیاں روشن، [مہتموں پر جوبن] تورہ میں چالیس بادشاہ پرشوکت دجاہ، پیچھے بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر، وزیر، ارکان سلطنت ترقی خواہ، خواصی میں انجمن آرا کا بھائی، جانِ عالم کا سالا، بجائے شہ بالا = [گو

یہ مقدور نہ تھا لیکن گرم فقرہ سمجھ کے لکھ دیا۔ غرض کہ [آ] آہستہ آہستہ قدم قدم، خوش و خرم چلے۔ کوچہ و بازار بو باس سے معطر تھا، چرخ گردان [دیدۂ دیدبان] اس تماشے کو بہ چشم انجم نگراں تھا۔ دشت کا وحش و طیر حیران تھا۔ پہر رات رہے دُلھن کے دروازے پر پہنچے + ماماں، اصیلیں دوڑیں، پانی کا طشت، ہاتھی کے پاؤں تلے پھینکا۔ کسی نے کچھ اور ٹوٹکا کیا۔ دولھا اُتر کر مجلس میں داخل ہوا۔ بارہ سے طائفہ رنڈیوں کا، سوائے بھانڈ، بھگتیے، ہیجڑے، زنانے کشمیری، قوّال، بین کار، ربابیے، سرودیے کے حاضر تھا۔ ناچ ہونے لگا۔ قریب صبح قاضی طلب ہوا۔ بہ ساعت معیّن کئی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا، طالب و مطلوب کو سلک ازدواج میں منسلک کیا۔ مبارک سلامت کا غل مچا۔ میر سوز

ع فلک شب کتخدائی دیکھ اس کی سوز یوں بولا
تجھے یہ رات اے رشک مہ انور مبارک ہو

سب طائفے ساتھ کھڑے ہو، ایک سُر میں مبارک باد گانے لگے، انعام حوصلے سے زیادہ پانے لگے۔ دولھا زنانے میں طلب ہوا، وہاں رسمیں ہونے لگیں۔ وہ [بھی] عجب وقت تھا۔ آرسی مصحف رو بہ رو، محبوب دل خواہ دو بدو، سورۂ اخلاص کھلا، آئینہ رو نمائی میں مزے لوٹتا۔ سلسلۂ محبت مستحکم ہو رہا۔ ڈومنیوں کا سٹھنیاں گانا، دولھا دُلھن کا شرمانا۔ کبھی ٹونے، گاہ اچھے بنے سلونے، ہمجولیوں کا پوچھنا۔ "ٹونا لگا؟" دولھا کا ہنس کے کہنا۔ "عرصہ ہوا۔" کوئی دُلھن کی جوتی، دولھا کے شانے میں چھوا گئی، کوئی مسی کا کاجل پارا ہوا لگا گئی اور ہمسنوں کی چھیڑ چھاڑ، اُن کے جوبن کی بہار، فقط ململ اور شبنم کے دوپٹوں کی آڑ۔ جب دم یہ سب رسمیں ہو چکیں تو بات کی نوبت آئی۔ عجب سیر دکھائی۔

اس طرح چُنی کر دیکھی نہ سُنی۔ میر حسن ؔ

ذرا پاؤں پڑ کی اُٹھاتے اڑا
نہیں اور ہاں کا عجب غُل پڑا[1]

جب یہ رسمیں ہو چکیں، پھر ڈومنیوں نے پانو ہنی گائی، سب کی چھاتی بھر آئی۔ کہرام مچا۔ جب دُلہن سب سے رُخصت ہونے لگی، رو رو جی کھونے لگی۔ سواری تیار ہو کے دروازے پر آئی۔ دولھا نے سہرا سر سے لپیٹ دُلھن کو گود میں اُٹھایا، سب کا دل امنڈ آیا، شور و غل مچایا۔

دُنیا کے کارخانے قابلِ دید ہیں۔ بلکہ دید ہیں نہ شُنید ہیں۔ شادی میں غم، سلف سے توام ہے۔ مگر ثبات بجز ذاتِ باری کسی کو نہیں۔ مُقدماتِ جہانِ گزراں، خوابِ پریشاں ہیں، [اس میں سب حیران ہیں]۔ ان کا حال کیا کہیں۔ مؤلف

اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ
معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

غرض کہ دُلہن کو سُکھپال میں سوار کیا۔ بادشاہ نے [اسبابِ ضروری، سامان ظاہری کے سوا] ملک و سلطنت خزانہ جہیز میں لکھ دیا۔ برات رُخصت ہوئی۔ وہ اہتمام تجمّل سواری کا سامان، ہر شخص خرّم و خنداں۔ جہیز کا [آگے] بڑھنا لوگوں کا دولھا پر دعائیں پڑھنا، نسیمِ سحر کا چلنا، شمع کا جھلملا جھلملا کے جلنا۔ شہنائیں بھباس، اتّیا، للت، رام کلی کا پھونکنا، نقیب اور چوبدارُں کا کوئل کی طرح کُوکنا۔ نوبت کی ٹکور، جھانجھ کا جھانجھ سے شور۔ جھٹ پٹا

---

[1] مثنوی سحر البیان

وقت، نور کا تڑکا، گرد کیتوں کا سمیں کرکا۔ کچھ کچھ تاروں کی چمک، نقاروں کی صدا، دھونسوں کی گمگ۔ چاند کے منھ پر سفیدی، دلھن والوں کی یاس و ناامیدی، عطر کی ہر سُو لپٹ، پھولوں کی مہک۔ سب کو نیند کا خمار، کوئی پاپیادہ، کوئی سوار۔ فرش باسی پھول اور ہاروں سے رشکِ صحنِ چمن، کہیں جھول، کہیں شکن۔ کسی جا بکھروٹی اور بیڑوں کے پتے کھلے پڑے۔ کہیں لوگ حیران و ششدر کھڑے۔ مجلس کے فراق میں، اہلِ محفل کے اشتیاق میں، شمع کی زاری، اشکباری۔ لگن میں پروانوں کی بے قراری، خاکساری۔ دولھا کے لوگوں کی خوش بشاش تیاری۔ دُلھن کے گھر میں نالہ و زاری۔ کہیں کوئی نیند کی جھونک میں پڑا، کوئی یہ سامان بہ چشمِ عبرت دیکھ کے تاسف میں کھڑا۔ شمع فانوس میں، گُل گُل گیر میں، زیر انداز پروانوں کے پَر۔ فرّاش فرش اُٹھانے کی تدبیر میں بیٹھے ہوئے۔ ہر ایک کی آواز، کہیں سوز کہیں ساز۔ یہ وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، راہ چلتا بھی دیکھ کر روتا ہے۔ اس کی لذت [اور کیفیت] وہ جانے، جس کی نظر سے یہ ہنگامہ گزرا ہو، کسی کی رات تو دیکھی ہو، گو بیاہ نہ کیا ہو۔

قصہ مختصر، دولھا شگفتہ خاطر و خنداں، چہرے پر شباب کی چمک، [حُسن کی بہار] عارضِ تاباں سے عیاں۔ ہاتھی پر سوار، گرد شاہ و شہریار + زر سُرخ و سفید نثار ہوتا۔ سرِ چوک ہو کے [بارہ بجے] دیوانِ خاص میں داخل ہوا۔ [اب جو رسمیں یہاں کی تھیں، ہونے لگیں۔ [دولھا دُلھن جب اترے،] بکرا ذبح کیا، انگوٹھے میں لہو لگا دیا۔ پھر کھیر کھلا کے رسموں سے فرصت پائی۔ اب یہ منتظر ہوئے کہ شام ہو، وصل کا سر انجام ہو۔

اُس دن جانِ عالم کا گھبرانا، گھڑی گھڑی گھڑیالی سے دن کی خبر منگانا،

دیکھنے کی گوں تھا۔ بدحواس پھرتا تھا، کہ کہیں جلد رات ہو، بے تکلفی کی ملاقات ہو۔ کبھی کہتا تھا، واہ قسمت کی خوبی، پہر بھر کا عرصہ ہوا، گھڑی نہیں ڈوبی۔ ہوش کہاں بجا تھا، مکرر پوچھتا تھا، ابھی کیا بجا تھا۔

اُدھر انجمن آرا بھی جمائیاں لیتی تھی۔ تکیے پر سر کو دھر دیتی تھی، جب اور کچھ تدبیر بن نہ آتی تھی، لوگوں کے چونکانے کو اونگھ جاتی تھی۔ غرض کہ خدا خدا کر، وہ دن تمام ہوا، نمودِ وقتِ شام ہوا۔ عروسِ شب نے چادرِ مہتاب سے روپوشی کی، مشتاقوں کو فرصت ملی، گرمجوشی کی۔ لوگ آنکھ بچا کر جا بجا کنارے ہوئے، دولھا، دلھن چھپر کھٹ میں ہمکنار، بیتابی کے مارے ہوئے۔ شادی کا روز، شباب کا عالم، مشتاقوں کا بیٹھنا باہم۔ آنکھوں میں خمار نیند کا، دل میں اشتیاق دید کا۔ عطر سہاگ، اور فتنے کی خوشبو، بٹنے اور تیل کی، عجب میل کی مہک ہر سو۔ پھولوں سے پلنگ بسا، اوقچہ [مغرق] کسا۔ خود نشۂ عشق سے باختہ حواس، تمنائے دل پاس، نہ کچھ دغدغہ نہ وسواس۔ ہنگامۂ صحبت طرفین سے گرم اُدھر شوق ادھر شرم + ایک طرف ولولہ گرمجوشی، ایک سمت کثرتِ حیا سے منھ پر مہرِ خموشی۔ [اس پر] بیان کرنا گزشتہ حال کا، اندیشہ لوگوں کی دیکھ بھال کا۔ یہ معمول ہے اس روز ہمسنیں، جلیسیں، رابروالیاں [تاکتی ہیں، [درپردہ جھانکتی ہیں] لیکن ان ڈروں پر چپ نہ رہے۔ آہستہ آہستہ دونوں نے [سب] دکھڑے کہے۔ جانِ عالم نے توتے سے ذکر سن کر، دربدر خراب وخستہ ہو کر آنا، توتے کا بیٹھ رہنا، وزیر زادے کا صدمۂ فراق سہنا۔ پھر طلسم میں پھنس جانا، جادوگرنی کا ستانا، بعد اس کے نقشِ سلیمانی لینا [اپنا] وہاں سے چل دینا، بہ کشادہ پیشانی و خوش بیانی بیان کیا۔ مگر ملکۂ مہر نگار کی ملاقات، جگت رنگی کے حروف و حکایات + اُس کی طبیعت کا آجانا، اپنا

بے اعتنائی سے چلے آنا، کچھ شرما کے، بات کو مطلب کی جا سے، چبا چبا کے کہنا۔ یہ اکثر ہوا ہے کہ معشوق کے روبرو، کبھی جو کوئی اس پر عاشق ہوا ہے، اس کا ذکر کرتا ہے، شیخی بگھارتا ہے، کچھ جھوٹ [بھی] اپنی طرف سے جوڑتا ہے۔ دل کے پھپھولے توڑتا ہے، اس کی شرح گو طول طلب ہے، پر عاشق مزاجوں پر منکشف سب ہے۔

انجمن آرا نے جادوگرنی کے قصے پر تاسف کیا۔ ملکہ کے ذکر پر بناوٹ سے ہنس دیا۔ پھر روکھی صورت بنائی، ناک بھوں سمیٹی، تیوری چڑھائی، مگر چلے آنے کے سہارے پر مسکرائی، اپنا بھی اشتیاق لیے دیے۔ از روز ملاقات محنت و مشقت کی قدردانی سے، جادوگرنی کی لڑائی کی جاں فشانی سے بیان کر [کے] کہا۔ "اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ"[1] جب اس طرح کے دو دو کلمے ہو چکے [پھر] دونوں بے ساختہ ہو، شرم و حیا کھو، ہم آغوش ہوئے، رنج درکنار غم و درد فراموش ہوئے۔ مؤلف

ع
یہ ہمکناریِ جاناں سے تازہ لطف اٹھا
گلے سے مل گئے، سب رنج درکنار ہوا

سینے سے سینہ، لب سے لب، ہاتھ پاؤں، بلکہ جتنے اعضائے جسم ہیں، سب وصل تھے۔ مثل ہے ایک جان دو قالب، وہ ایک ہی قالب، غالب ہے کہ ہو گئے۔ اُستاد

ع
ایامِ وصل میں ہم، لپٹے ہیں جیسے اس سے
یوں وصلی کے بھی کاغذ چسپاں بہم نہ ہوں گے

---

[1] انسان احسان کا بندہ ہے۔

خواہش کو اضطرار، حیا مانع کار، شرم رہبر تکرار، دونوں کے دم چڑھ گئے [تھے اندازے سے بڑھ گئے تھے۔ دست بُردی، ہاتھا پائی تھی، چوریاں تھیں،] جنگِ زرگری، گاؤ زوریاں کر رہے تھے۔ شہزادی موقعے پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی۔ جب بے بس ہو جاتی تو چٹکیاں لیتی تھی، گاہ کہتی تھی: اے صاحب اتنا کوئی گھبراتا ہے، دیکھو تو کون آتا ہے۔ کبھی خود اُٹھ کے دیکھتی بھالتی تھی، کوئی دم یوں ٹالتی تھی۔ آخر کار [جب غمزہ و ناز کی نوبت بڑھ گئی، تھک کے ڈھب پر چڑھ گئی تو] غنچۂ سربستہ و دیرینہ بحرکت نسیمِ وصل شگفتہ و خنداں ہوا، دُرِ ناسُفتہ دُرجِ شہریاری، رشکِ عقیقِ یمن، غیرت دہ لعلِ بدخشاں ہوا۔ [جیسا پیر دہقان فردوسیِ سخنداں نے کہا ہے]۔

فردوسی ؎

چناں بُرد و آورد و آورد و بُرد

کہ دایہ ز حسرت پسِ پردہ مُرد

رشک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا، [قطرۂ نیساں گرا] دشمن کم بخت در پردہ ہلاک ہوا۔ تقاضائے سِن، الھڑ پنے کے دن۔ [سیر تو یہ ہوئی، دونوں ناتجربہ کار، بادۂ اُلفت کے سرشار،] اُس وقت دونوں [کیا کیا] گھبرائے [ہزاروں طرح کے وہم، نئے نئے خیال آئے۔] اور وہ کیفیت سب بھولے جب دامنِ شب میں پلنگ کی چادر پر شفقِ صُبح پھولی۔ غرض کر [دیر میں کچھ سمجھے تو] شرما کے استراحت فرمائی، دلِ بے تاب نے تسکین پائی۔ ہنوز پلک نہ جھپکی تھی، [صُبح کا غلغلہ ہوا،] نمودِ سحر ہوئی۔ [خاص و] عام [میں ماجرائے] شب کی خبر ہوئی۔ دمِ صُبح ایک سُرخرو، دوسرا شرمندہ مو، حمام میں داخل ہوئے۔ جو جو محرمِ راز، شریکِ ناز و نیاز تھیں، رات کی باتوں کے پتے، رمز و کنائے میں دینے لگیں۔ [کوئی شرمایا، کوئی جھنجھلایا،] اس وقت [سب

نے قہقہہ مارا، جب [خوانوں میں] روبرو بنجیری اور شیشوں میں تنبول آیا۔ شرما کر سر جھکایا، غمزہ و ناز ہر انداز میں رہا۔ [الغرض] نہا دھو، خاصہ نوش فرمایا۔

جانِ عالم بادشاہ کے حضور میں آیا، خلعتِ فتح پایا۔ [اب] امورات سلطنت بمشورۂ شاہ زادہ ہونے لگے۔ بعدِ رسم چوتھی چالے کے، لبِ دریا ایک باغ بہت تکلّف کا، نشاط افزا نام، بادشاہ نے رہنے کو عنایت کیا۔ اگر اس باغ کی تعریف رقم کروں، شاخِ زنبق اور نرگس کی ٹہنی کو لاکھ بار قلم کروں۔ اِلّا خضر کی حیات، رضوان کا [سا] ثبات درکار ہے۔ نہیں تو ناتمام رہے، لکھنا بےکار ہے۔ سو بار خزاں جائے، بہار آئے، ایک پٹری کی روش صفا تحریر نہ ہو سکے۔ خامۂ مانی پھسل جائے۔ رشکِ گلزارِ جناں، ایک تختہ فردوس سا، کئی کوس کا، باغ بے پایان، رنگ و بارِ گل، اس کے جورِ خزاں سے آزاد بالکل + نہ بلبل پرستمِ باغباں، نہ خوفِ صیاد، عجائب و غرائب چہچہے، نئے رنگ ڈھنگ کے ترانے یاد + جتنے دنیا کے میوے ہیں تر و تازہ ہمیشہ تیار۔ سرسبز پتے، خوش رنگ پھول، پھل مزیدار۔ گلُ تکلیفِ خار سے بری، جہان کی نعمت ہر تختے میں بھری۔ روش کی پٹریوں پر مہندی کی ٹٹیاں کتری ہوئی۔ برابر چمن میں وہ وہ درخت پھلے پھولے، جنھیں دیکھ کے انسان عقل بھولے۔ پھولوں کی بوئے خوش سے دل و دماغ طاقت پائے، جو پھل نظر سے گزرے، بارِ خاطر نہ ہو۔ ذائقہ زبان پر، منھ میں پانی بھر آئے۔ نہریں ہزار در ہزار، پُر از آبشار + گرد چرند و پرند، خوبصورت، قطعدار۔ باغبانیاں پری زاد، حور وش، کمسن، مہ لقا، بیلچے جواہر نگار، ہاتھوں میں۔ ہر ایک آفت کا پرکالہ، دل رُبا، مہ سیما، کنویں پختہ، جڑاؤ چرخی، رسّی کلابتوں

کی۔ ڈیل وہ کہ عقل دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو۔ چہرے پر نزاکت برسے۔ بیل کے بدلے نیل گائے کی جوڑیاں، آہو جن کے رو برو نہ چکارہ۔ باغبانیاں مہ پارہ، زربفت کے لہنگے، قیمت کے مہنگے، شبنم کے نفیس دوپٹے، مغرّق مصالح کی کرتی انگیا، چھڑے پاؤں میں طلائی واچھڑے۔ کان کی لو میں ہیرے کی بجلی، برق دم، سب کی آنکھ جن پر پڑے۔ کوئی ڈول کو سنبھال ٹپّا، خیال گاتی۔ کوئی شعر برجستہ یا ہندی کا دوہا اس میں ملاتی۔ [کوئی] چھیڑ چھاڑ میں چٹکی لے کے اُچھل جاتی۔ ایسے باغِ پُر بہار میں جانِ عالم اور انجمن آرا ہاتھ میں ہاتھ پریوں کا اکھاڑا ساتھ۔ دین و دُنیا فراموش، ہر دم نوشا نوش، با عیش و نشاط اوقات بسر کرنے لگا۔ جہان کا ساز و سامان ہر دم مہیّا۔ شراب و کباب، چنگ و رباب کا جلسہ، خدمت گزاریں، پری پیکر، ماہ طلعت، سب کام کو حاضر جیسے کنھیّا، شامِ عشرت [کی] سحر کرنے لگا۔ نہ خیال اپنے شہر و دیار کا، نہ خوف [نیرنگیٔ فلک، نہ بیم و ہراس] گردشِ روزگار کا، [نہ ماں باپ سے مطلب، یار آشنا بھول گئے سب،] نہ دھیان اُس جگر افگار کشتۂ انتظار ملکہ مہر نگار کا۔

پھر مذکور اُس مہجور کُشتۂ فراق کا، سوختۂ آتشِ اشتیاق کا، وہ کون خستہ و محزون جگر برشتہ دل خوں، ملکہ مہر نگار، شہزادے کے آنے کی اُمیدوار اور حکایاتِ ضرب المثل

کدھر ہے تو اے ساقیٔ بے خبر | نہ کی لطف سے غمزدوں پر نظر
ہوا حالِ شادی کا سب اختتام | مگر غم کا قصّہ ہے وہ ناتمام

تپش سے تڑپ سے تو کر دے بہم | کہ لکھتا ہوں پھر داستانِ الم
خوشی سے مجھے رنج مرغوب ہے | یہ مونس ہے ہمدم بہت خوب ہے
یہی ساتھ دیتا شب و روز ہے | یہ غم عاشقوں کا غم اندوز ہے

نالہ نوازانِ بزم ماتم و تفتہ جگرانِ کلبۂ غم، حاکیانِ حکایت اندوہ و ملال و نثارانِ دل خوں آشفتہ حال لکھتے ہیں کہ اُس بے سر و سامان، کُشتۂ ہجران، دُور از دلدار، دمسازِ غم، رو، نا دیدہ شادی، حُجلہ نشین ماتم، دل ریش سینہ فگار یعنی ملکہ مہر نگار کا فرقت میں یہ حال ہوا۔ اُستاد

یاں تک کہ اٹھانے کا وقت اپنے قریب آیا
اس پر مری بالیں پر تم اٹھ کے نہ آ بیٹھے
میں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں
او سُنتے ہوئے بہرے کیوں کر نہ گلا بیٹھے

جو کوئی [کبھی حال پرسی کرتا] کہتا کہ [ملکہ!] "خیر ہے، [روز بروز] گھلی جاتی ہو، کیوں اتنا رنج و غم اٹھاتی ہو۔" تو یہ کہتی۔ مصحفی

غم کھاتی ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مرنے کا کہ طبیعت نہیں پھرتی

مؤلف

نہ پوچھ کچھ مری حالت کہ اس کے دل لگانے سے
پریشاں، سینہ سوزاں، منفعل، سر در گریباں ہوں

ایسی باتیں درد آمیز، وحشت انگیز کرتی کہ سُننے والوں کی چھاتی پھٹتی۔ وہ کہتیں: "[ملکہ] نظر بہ خدا رکھو۔"

[میر] حسن

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار نہ ہو اس سے مایوس امیدوار[1]

سوزؔ سے

پھر بہار آتی ہے تجھ میں اے گلستاں غم نہ کھا

وہ چلی آتی ہے فوج عندلیباں غم نہ کھا

گو کہ شب آخر ہوئی، اے شمع تو زاری نہ کر

پھر رہی محفل وہی تیرا شبستاں غم نہ کھا

وہ سُن کر یہ کہتی کہ۔ "میں چراغِ سحری ہوں، یقین ہے کہ تا صُبح بزم جہاں سے جل کر سفری ہوں"۔ [خسروؔ دہلوی]

سے پس از آں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

مؤلف سے

ہماری جان کے جانے میں جب عرصہ رہا تھوڑا

تب اُس کے دل میں آیا دھیان میرے پاس آنے کا

آج تک اُس غفلت شعار، فراموش کار، کی کچھ خبر نہ آئی، ہم نے غمِ جُدائی میں مُفت جان گنوائی۔ مؤلف

تپِ جُدائی سے اس طرح اب نزار ہوں میں

اجل کے مُنھ سے بھی غائب ہے شرمسار ہوں میں

کیا ہے رنجِ جُدائی نے ایسا کاہیدہ

نظر میں خلق کی رشکِ خطِ غبار ہوں میں

جو تو وہ گُل ہے کہ عالم کے دل میں ہے تری جا

تو سب کی آنکھ میں کھٹکا کیا وہ خار ہوں میں

---

[1] مثنوی سحر البیان

قرار می بُرد از خلق آہ و زاری ما

سُرور رنج میں کس کے یہ بے قرار ہوں میں

یہ معمول تھا کہ جب چار گھڑی دن رہتا، سوار ہو کے اُن درختوں میں جاتی، جہاں جانِ عالم سے ملاقات ہوئی تھی، اور جو جو شریکِ رنج و راحت [محرم راز] تھیں اُن کو ساتھ لے جاتی، رو رو کے یہ شعر سُناتی۔ اہلی شیرازی

خوش آنکہ تو باز آئی و من پائے تو بوسم
در سجدہ فتم خاکِ قدم ہائے تو بوسم
ہر جا کہ تو روزے نفسے جائے گرفتی
آنجا ردم و گریہ کناں جائے تو بوسم
روئے تو تصور کنم و لالہ و گل را
در حسرتِ رخسارِ دل آرائے تو بوسم
ہر جا کہ غزالیست چو مجنوں سر و چشمش
در آرزوئے نرگسِ شہلائے تو بوسم
من اہلی درویش تو آں شاہ بتانے
دستیکہ بوسم، یہ تمنائے تو بوسم

اور کبھی صبح سے پھرتے پھرتے، قریبِ شام، یہ دلِ ناکام، اُسی جنگل میں پھر آتی، یہ غزل زبان پر لاتی۔

جرأت

بہ شکل تھی ہی گردش ہے ہم کو سارے دن
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

بہ وصل کیوں کر مبدّل ہوں ہجر کے ایام
مگر خدا ہی یہ بگڑے ہوئے سنوارے دن
رہے تھا جب کہ ہم آغوش مجھ سے وہ پیارا
عجب مزے کی تھیں راتیں، عجب تھے پیارے دن
نہیں ہے تیرے رفیقانِ ہجر کا چارہ
اب اپنی زیست کے بھرتے ہیں یہ بچارے دن
کب اُس سے ہوگی ملاقات ہیں یہ پوچھوں ہوں
ذرا تو دیکھ نجومی مرے ستارے دن
لگایا روگ جوانی ہیں کیوں میاں جرأت
ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن

رات کو بہ حالِ بیقرار، [ناچار] وہ سوگوار گھر آتی، تمام شب کراہ کراہ سب کو جگاتی اور یہ سناتی۔

اُستاد ؎
حرام نیند کی، اقرارِ وصلِ جاناں نے
الٰہی کوئی کسی کا امیدوار نہ ہو

وہ رات جسے شبِ فرقت کہتے ہیں، بے چینی سے پہاڑ ہو جاتی، تو وہ غم کی ماری سخت گھبراتی، یہ لب پہ لاتی۔ اُستاد ؎

جیسا شبِ عشرت کو فلک تو نے گھٹایا
کی جلد نہ فرقت کی ستمگر سحر ایسی

ہے ہے آج نہ صدائے مرغِ سحر آئی، نہ موذّن نے ندائے اللہ اکبر سنائی، نہ خوابِ غفلت سے پاسبان کم بخت چونکا، اور نیند کی جھونک میں گھڑیالی بھی گجر کا بجانا بھول گیا، [افسوس]۔

جرأت ؎

تھے شبِ وصل ہیں سب جان کے کھانے والے   آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

شب کو نالہ تھا، دن کو زاری تھی؛ دن رات اس پر سخت بھاری تھی۔ لوگ کہتے تھے: "ملکہ اللہ کو یاد کرو، کبھی تو دل کو شاد کرو۔ شافیِ مطلق تمھارے مرضِ مفارقت کو بہ صحتِ وصل بدل کرے۔ اب روزِ وصال عنایتِ ذوالجلال سے قریب ہے"۔ تو اس وقت [پریشاں خاطری سے] بہ حسرت یہ کہتی۔ اُستاد

شبِ وصال جو قسمت میں ہے تو ہووے گی
دُعا کرو شبِ فرقت تو یہ سحر ہووے

مؤلف

مریضِ ہجر کو صحت سے اب تو کام نہیں
اگرچہ صبح کو بچ گیا تو شام نہیں
رکھو دیا نہ رکھو مرہم اس پہ ہم تم سے
ہمارے زخمِ جدائی کو التیام نہیں
کیا جو وعدۂ شب اس نے دن پہاڑ ہوا
یہ دیکھیو مری شامت کہ ہوتی شام نہیں
دی اُٹھائے مجھے جس نے مجھ کو قتل کیا
کہ بہتر اس سے مرے خوں کا انتقام نہیں
اُٹھایا داغ گُل افسوس تم نے دل پہ سرور
میں تم سے کہتا تھا گلشن کو کچھ قیام نہیں

استاد

آخر شبِ وصال کی جا پیش کی وہی
ہر دن کھا اسے خاک مجھے جس رات کا خیال

معاملاتِ عشق دیکھیے، وہاں شہزادے کو غم سے فراغ، کیفیتِ باغ گلعذار بریں راحت و آرام۔ یہاں ملکہ [مہر نگار] آتشِ فراق سے بہ دلِ پُر داغ، [آشفتہ دماغ]، اخارِ غمِ جگر میں گرفتار، رنج و آلام، لیکن دردِ دلِ بے قرار، نالۂ جگر افگار رائیگاں نہیں جاتا۔ جب تڑپ بلبل کے دل میں زیادہ ہوتی ہے، موسمِ گل آتا ہے۔ اسی طرح سوزِ دلِ عاشق جو حد سے فزوں ہو، معشوق رحم کھاتا ہے۔ بھولا ہو تو یاد آئے۔ نگرنہ ہجر میں تڑپ کر مرجائے، مطلوب کو نعش پر لائے۔ اس کی بھی جان گنواتا ہے۔ حضرتِ عشق دشمنِ جانِ عاشق و معشوق ہیں۔ ان کا حال کیا کہیں۔ چنانچہ یہ نقل ضرب المثل ہے اور حقیقت میں اصل ہے۔ [چشمِ عبرت بیں اور گوشِ پند نیوش شنوا اس کے دیکھنے اور سننے کو چاہیے]۔ بغور سن کر تامل کرو۔

نقل سوداگر کی بیٹی کی، انگریز کا آنا، فریفتہ ہو جانا، آخر کو جان دینا دونوں کا

کلکتے میں ایک سوداگر تھا عالیشان، متاعِ ہر دیار، تحفۂ جوار جوار دُکان میں فراواں۔ اُس کی [ایک] بیٹی تھی، حسین، مہر طلعت، ماہ جبین، سیمیں تن، کافرِ فرنگ، غارت گرِ لندن۔ غرض کہ اور تو اسباب دُکان میں سب طرح کا تھا، مگر گھر میں وہ نادر رقم، طرفہ تُوم تھی۔ فرنگ سے ہند تک اس کے حُسن کا چرچا تھا۔ روم سے شام تک، اور بمبئی سے سُورت تک اس کی صورت کی دُھوم تھی۔

اُستاد:

ہے رخنہ سازِ ایماں وہ زادہ فرنگی
اسلام اب کہاں ہے عاصی فراموش ہے

ہزاروں انگریز، ریز ریز کرتے، اُس پر شیفتہ و بے تاب تھے، لاکھوں مُسلمان [بھی] سرگرداں، خستہ و خراب تھے۔ جیسا ہُوا کھانے کو سوار ہو کے آتی تھی، راہ میں دو رویہ خلقت کی جان، اُس کی ہوا خواہی میں برباد جاتی تھی۔ گبر و ترسا اس کا کلمہ پڑھتے تھے، یہود و نصاریٰ اس کا دم بھرتے تھے، مسلمان دل و جان نذر کرتے تھے۔ مؤلّف

اس لعبتِ فرنگ کو نہ کھلا کے قاشِ دل
کہتا ہوں چکھ، یہ دل بریاں کا توس ہے

اتفاقاتِ زمانہ کوئی انگریز لندن سے تازہ وارد ہوا، جلیل القدر، ذی شان، خوبصورت، نوجوان، شورِ عشق سودا خیز سر میں، سوز دل میں، مزاج بے شر، [سُکر] بے قراری آب و گل میں۔ [بہ قولِ میر تقی] میر ؎

تھا طرح دار آپ بھی لیکن
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن [1]

قضارا وہ آفت کا مارا کچھ اسباب لینے اس کی کوٹھی میں گیا، اور اُس غارت گرِ دین و ایمان، ہر گبر و مُسلمان سے دوچار ہوا، عشق لگنے کا [رہ] دا ۔ دیکھتے ہی متاعِ عقل، اثاثِ ہوش و حواس گرہ سے کھو بیٹھا، دل سے ہاتھ دھو [دم نقد] جاں کو رو بیٹھا۔ اسباب خریدنے گیا تھا، سودا مول لیا، اس نے مشتری [کو] میزانِ محبت میں تول لیا۔ ہاتھ پاؤں نے سست، دل نے ہمت ہاری، دن دہاڑے لُٹ گیا۔ عشق کا بیوپاری [جب] اور کچھ تدبیر بن نہ آئی، خرید و فروخت کے حیلے میں آمد و رفت بڑھائی۔ پھر تو یہ حال ہوا۔ جرأت

---

[1] مثنوی دریائے عشق

شعر
دن میں سو سو بار اب ہم اُن کے گھر جانے لگے
مُنہ چھپانے وہ لگے ہم ان پہ مر جانے لگے

سلف سے آج تک عشق چھپائے سے چھپا نہیں، مشہور ہے اس مقدمے میں انسان مجبور ہے۔ [غرض کہ میر تقی کا میر

شعر
عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا
مُضطرب کر خدا کے خانہ ہوا[1]

جب یہ امر مفصّل سوداگر کے گوش زد ہوا، بہ پاسِ نام و نشان، خوف ذلّت و رسوائی کا از حد ہوا۔ پہلے [تو] دونوں کو نصیحت کی، پند کیا، پھر سلسلۂ آمد و رفت قطع کیا، دیکھا بھالی کا رخنہ بند کیا۔ اُدھر شعلۂ عشق نے بھڑک کر [شکیب و تاب و تواں، صبر و تحمّل کو ہیزمِ خشک کی طرح جلا دیا، عقل کا چراغ بُجھا دیا۔ استقلال کا قافلہ لُٹ گیا، دامنِ ضبط، ناتوان کے ہاتھ سے چُھٹ گیا بیچارے] صاحب کو سلامت نہ رکھا۔ [بہ قولِ میر تقی]

میر

بستر خاک پر گرا یہ زار — درد کا گھر ہوا دلِ بیمار
خاطر افگار، خار خار ہوئی — جاں تمنّا کشِ نگار ہوئی
دل نہ ٹھہرا اور اضطراب کیا — شوق نے کام کو خراب کیا
رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے — لگے اُڑنے جگر کے پرکالے[2]

یہاں تک تپِ ہجر اور دردِ مفارقت سے حال درہم و برہم ہوا، کہ صاحب بہ آوازِ شکستِ فاش اُٹھا کر صاحبِ فراش ہوئے۔ دل و جگر پینے میں

---

[1] مثنوی دریائے عشق [2] مثنوی دریائے عشق

پاش پاش ہوئے، حس و حرکت کی طاقت نہ رہی، لینے کے دینے پڑ گئے۔ استاد

سع مرض یہ پھیل پڑا ہے تپِ جدائی سے
کہ بیٹھ لگ گئی یاروں کی چارپائی سے

ہر چند اس کے دوستدار، محبِ قلبی تھے، نصیحت و پند، تیار و بند کرنے لگے۔ عورتوں کی بے وفائی، بتوں کی سنگدلی، معشوقوں کی کج ادائی مشرح کر کے بہت سمجھائی، سود مند نہ ہوئی، خاطر میں نہ آئی۔ [ان] سب میں [ایک] دوستدار اس [دشمنِ جاں] کا [شفیق و] غمخوار [و ناصح] تھا، کہنے لگا: "کیوں جی! یہ مرگ ہوا ہے، ظالم یہ کیا کرتا ہے۔ خدا سے ڈر، ان عدوے دل بدخواہ جان [کا] انجام ذلت ہے، حاصل ان کا خفت ہے، یہ خیال محال اپنے دل سے نکال، دولتِ نوجوانی، سفینۂ زندگانی، دیدہ و دانستہ ورطۂ ہلاکت میں نہ ڈال۔ بلکہ اپنے کس دکھ پر رحم کر، ذلیل و خوار و رسوا کیا۔ تو نے مجسٹن کے بیٹے کی حکایت نہیں سنی، کہ اس پر کیا گزری۔ آخر کار کیسی خفت ہوئی۔" یہ سن کر وہ حزیں بہ دلِ غمگیں پوچھنے لگا کہ "کیوں کر؟"

حکایت پسرِ مجسٹن، بیٹے کا پیدا ہونا، سفر کی کیفیت، جہاز کی تباہی، شہزادی کا ملنا، پھر مفارقت، مجسٹن کے ساتھ جانا

وہ بولا: "اسی شہر میں ایک شخص تھا، مجسٹن نام۔ نہایت اہلِ دول، مرفہ الحال، صاحبِ علم و فضل، جامعِ ہر کمال، طبیب [بھی] اور ادیب بے مثال، سخن سنج، لطیفہ گو، برمحل۔ کمالات میں یگانۂ روزگار، تجارت میں نامور، ہر دیار سے سوجھا ہوا۔ [اس کا] ایک [ایک] بار تجارت کو جاتا تھا۔ نصیب ایسا جاگتا تھا [کہ] مٹی کو چھوتا، سونا ہاتھ آتا تھا۔ کسی طرح کی خواہش نہ تھی، بجز فرزند

ارجمند نہ تھا' [وداد عا خیرات کرنے پر بند نہ تھا۔] شب و روز اسی کا خیال رہتا تھا' مدام فرصت میں اسی کا ملال رہتا تھا۔ [ہزاروں رنج لاولدی کے سہتا تھا' مگر صابر ایسا تھا' کہ خدا کے سوا کسی بندے سے کچھ نہ کہتا تھا۔] خوش قسمتوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ دل کی تمنا حصول ہوتی ہے: چھہتر برس کے سن میں اللہ نے بیٹا عنایت کیا۔ حسبِ دلخواہ' صورت میں غیرتِ ماہ + بہت شاداں ہو کے سرگرمِ پرورش ہوا' [ایک عالم اس کی شکل دیکھ کے غش ہوا۔] جب بارہ برس کا سن ہوا۔ [نشیب و فراز دیکھنے کا دن ہوا۔] بہ سبب طبعِ رسا' و تعلیم استادانِ یادگار' جمیع علوم اور سب فنون میں کامل ہوا [یکتائے زمانہ مشہور ہوا' ماں کو خوشی' باپ کو سرور رہا۔] درس دینے لگا' مطب کرنے لگا۔ [اوروں کو خود تعلیم سب کرنے لگا۔]

چودھویں سال باپ سے سفر کی اجازت چاہی' کہ تجارت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے۔ [والدین کو اس کا حاصل دکھائے] جمشن نے کہا۔ "اپنا بھی یہی قصد ہے' مگر چندے توقف کرو' [کہ ابھی ناتجربہ کار ہو۔"]

اس نے [دست بستہ] عرض کی۔ "حضور عمرِ طبعی کو پہنچے' منس میں ہیں' قدر کے سیاحت کے [یہی] دن ہیں۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے بقیدِ حیات' سفر کو جاؤں' [گرم و سردِ زمانہ دیکھوں] جودتِ طبع دکھاؤں۔"

آخر [کار] جمشن نے دس بارہ جہاز' پُر از متاع و مال' پندرہ بیس رفیقِ قدیم' [کارگزار] دیانت دار' امانت شعار ہمراہ کر کے' رخصت کیا [اور جو کچھ نشیب و فراز سمجھانا تھا کہہ دیا] جہاز ایک سمت روانہ ہوئے۔ دو مہینے کے بعد' ہوائے جوبر گردوں سے [سب] جہاز [سرنگوں ہوئے] تباہ ہو گئے' جمشن کے بیٹے کا کٹی جہاز ڈوبا۔ یارانِ ہمراہی عالمِ بقا کو راہی

ہوئے۔ [کچھ طعمۂ نہنگ و ماہی ہوئے۔] ان کی حیات مستعار باقی تھی، نہ موئے، ایک تختے پر ڈوبتے، ترتے، پھرتے پھرتے، ساتویں دن کنارے جا لگے۔ غش سے جو سر اُٹھایا تختہ گھاٹ پر پایا۔ [بہر کیف] تختے سے اُتر، اور گھانس کی رسّی بنا، وہ تختہ پتھر سے باندھ دیا۔ پھر آپ بہ تلاشِ آب و دانہ [وہاں سے] روانہ ہوا۔ چند قدم بڑھا تھا کہ شہر نمودار ہوا، آہستہ آہستہ بیٹھتا اُٹھتا شہر میں داخل ہوا۔ وہاں عجیب سانحہ، طُرفہ ماجرا نظر آیا۔ دُکان ہر ایک کھلی، اشرفی روپے کا [ہر جا] ڈھیر [لگا] اور اسباب سب طرح کا [نایاب] موجود، مگر آدمی کا پتا مفقود۔ اس قرینے سے ثابت ہوا کہ عرصے سے یہ بازار جنسِ بشر سے خالی ہے، نہ شہر کا کوئی وارث ہے نہ والی ہے۔ سیر کرتا ہے قلعے میں آیا، دیکھا باغ سرسبز، پُر میوہ، اور بیچ میں بنگلہ پردے زربفت کے، نفیس پڑے ہوئے، [در و دیوار میں جواہر بیش بہا جڑے ہوئے] پردہ اٹھا، بنگلے میں گیا۔ [دیکھا] پلنگ جواہر نگار گسترده، اس پر کوئی بشکلِ مُردہ، دوپٹا تانے، نہ کوئی پائینتی نہ سرہانے، پڑا ہے۔ اس نے [ہاتھ بڑھا کر] دوپٹا [ذرا سرکایا] وہ عورت تھی، نیند سے چونک پڑی، سر اُٹھایا، متعجب ہو کے اُس کی صورت دیکھی، متأسف ہو، یہ کہا کہ "اے عزیز! اپنی جوانی پر رحم کر، یہ مکان نہیں سیلِ فنا ہے، تو نا آشنا ہے۔ اس سے درگزر، وگرنہ آفت کا مبتلا ہو گا، خدا جانے ایک دم میں کیا ہو گا۔"

اس نے کہا۔ "ایسا ماجرا کیا ہے؟ بیان تو کر۔"

عورت بولی۔ "پہلے تو اپنے آنے کا حال سُنا، کیوں کر آ پھنسا۔"

اس نے کہا۔ "سات دن سے بھوکا پیاسا ہوں، جو کچھ کھاؤں [تو] داستانِ پریشانی [کہہ] سُناؤں۔"

عورت بولی: "لذّت کے بعد کھانے کا نام تیرے مُنھ سے سُنا ہے سو کھانا یہاں کہاں بجز غم کھانے کے اور پانی سوا اشک بہانے کے، آنسو پینے کا نام ہے: اُسے بھی [نہیں پیتی ہوں، اور کھانے کی قسم ہے قسم تک نہیں کھائی، متحیر ہوں، کیوں کر جیتی ہوں، مگر تنہائی میں ہاں خوف کھا کے روز دن بھرتی ہوں۔ ہر شب کو شبِ اولین گور ہے، جاں کنی رہتی ہے سخت جانی کی بدولت نہیں مرتی ہوں۔ یہ ذات:

ع
یہ غلط کہتے ہیں بے آب و خورش جیتے ہیں
لختِ دل کھاتے ہیں اور خونِ جگر پیتے ہیں

[مگر] تو اس باغ میں جا، اور جس میوے پر رغبت ہو کھا۔"

مجسٹن کے بیٹے نے جا کر میوہ کھایا، نہر سے پانی پیا۔ گونہ الم و رنج، فاقے سے افاقہ ہوا۔ پھر [بنگلے میں] عورت کے پاس آیا، [اپنا] حسب و نسب اور باعثِ سفر، جہاز کی تباہی کی مفصّل سرگزشت [کہہ] سُنائی۔ پھر اس کا ماجرا پوچھا۔

وہ بولی: "اے شخص اس شہرِ بے چراغ کی میں شہزادی ہوں، باپ میرا والیِ مُلک تھا۔ مجھ کو سوائے سیر و شکار کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ ایک روز لبِ دریا [مَحوِ سیر] مصروفِ تماشا بیٹھی تھی کہ دفعتاً [ایک] سانپ [پانی] سے [نمودار ہوا] اور میری طرف بڑھا۔ میں نے [اُسے] تیر مارا، معلوم نہیں لگا یا خطا کر گیا۔ پھر جو دیکھا تو اژدہائے مہیب با شکلِ عجیب جھپٹا آتا ہے۔ میں تو ڈر، گھوڑے پر چڑھ کے بھاگی، جو جو ہمراہِ رکاب تھے، وہ طعمۂ دہنِ مارِ خونخوار ہوئے۔ کہاں تک بیان کروں، ساکنانِ شہر مع بادشاہ، انسان سے تا حیوان کوئی بھی نہ بچا۔ فقط میں سخت جان باقی ہوں، اور یہ صحبت ہے کہ

قریب شام، وہ مارِ خوں آشام آکر اس بنگلے کے نیچے بیٹھتا ہے، دو گھڑی کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ مجھ پر جب بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہے، اسی باغ میں جا، میوہ کھا، پانی پیتی ہوں۔ اس خرابی سے جیتی ہوں، کوئی غمخوار بجز ذاتِ پروردگار نہ تھا، [جسے حالِ زار سُناتی۔ [اتنے دنوں میں] آج تجھے دیکھا، خوفِ خدا آیا، مُطلع کر دیا۔"

مجسٹن کے بیٹے نے کہا: "خاطرِ پریشاں جمع رکھ، اگر فضلِ الٰہی شریکِ حال ہے تو اس آفت سے جلد نجات ہو جائے گی۔" یہ کہہ کے جس جگہ سانپ کے بیٹھنے کا نشان تھا، وہاں گڑھا کھودا اور قلعے سے بارود لا کر اس میں بچھائی، اور دُور تک نقب سی بنائی، پھر گھاس ہری اس پر جمائی۔ شہزادی نے کہا: "اب وہ آتا ہی ہو گا۔" یہ سُن کر سر نقب جا پوشیدہ ہو کر بیٹھ رہا۔ دفعتاً وہ افعیٔ پُر زہر، خُدا کا قہر آیا۔ اور اپنی جگہ پر اس سبز قدم نے فرشِ زمرّدیں پایا۔ بہت خوش ہو کر بیٹھا۔ یہ تو تاک میں تھا، پتھر سے آگ نکال، اس نقب میں ڈال دی۔ فوراً ایک دھماکا پیدا ہوا، سانپ اور وہ ٹکڑا زمین کا آسمان پر پہنچا۔ [یہ ہنستا ہوا، عورت کے پاس آیا۔] دونوں نے شکر کا سجدہ بہ درگاہِ دافع البلیات کیا۔ باہم بے اندیشہ و غم رہنے لگے۔

[غرض کہ] سات برس دونوں ساتھ رہے۔ اس عرصے میں دو بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ ایک دن رنجِ تنہائی کی شہزادی نے شکایت کی کہ اکیلے طبیعت نہیں لگتی۔ صائب

بہارِ عمر ملاقاتِ دوست دار آں ست
چہ حظ بُرد خضر از عمرِ جاوداں تنہا

[کب تک تنہائی میں بسر کریں،] کوئی ترکیب ایسی نکالو کہ پھر یہ شہر آباد ہو،

خاطرِ غمگیں شاد ہو۔"

وہ بولا۔ "اگر وطن جاؤں اور مجسٹن کو یہاں لاؤں تو یہ بستی بسے۔"

عورت نے کہا۔ "اکیلی میں کیوں کر بسر کروں گی؟ [یہاں نہ رہوں گی،] میں بھی [تیرے] ساتھ چلوں گی۔"

[آخر ایک دن] دونوں ایک ایک لڑکا گود میں لے کے چل نکلے۔ قضارا وہاں پہنچے جہاں تختہ بندھا تھا، ذہن میں آیا، [پیادہ پا لڑکوں کو لے کے چلنا محال ہے،] اسی پر سوار ہو، [رسّی] کھول دو، [اگر زیست ہے] کہیں تو جا نکلو گے۔ یہ سوچ کر دونوں سوار ہوئے، وہ تختہ کھولنے لگا، شہزادی بولی: "مال واسباب تو اس قدر ہے کہ بیان [میں زبان] قاصر ہے، مگر ایک ناریل اکسیر سے بھرا ہے، دولت لا انتہا ہے، [رتی بادن تولے کا تجربہ ہو چکا ہے۔ بہت تردّد سے ظلِ سبحانی نے پایا تھا، سب سے چھپایا تھا۔] جو تو اجازت دے تو اسے لے آؤں۔ مصرع

بدوزد طمع دیدۂ ہوش مند

مجسٹن کے بیٹے نے کہا۔ "اچھا۔"

وہ تختہ کچھ کھلا، کچھ بندھا یوں ہی رہا۔ شہزادی لڑکا [گود میں] لیے اُتری۔ اُس کے اُترتے ہی ایسی تند ہوا چلی کہ رسّی تکان سے ٹوٹ گئی، تختہ بہہ چلا۔ ہر چند اُس نے ہاتھ پاؤں مارے، وہ ساحلِ مطلب سے کنارے ہوا۔ کنارے پر شہزادی بہ حالِ خراب، دریا میں وہ بہ دل کباب، بہہ نکلا۔ دل سے کہتا تھا، دیکھیے مرضیِ ناخدائے کشتی بادبانِ شکستہ کیا ہے، یہ جھونکا ہوائے قوم عاد کا [اسلا] ہے۔ اس سوچ میں [چلا جاتا] تھا کہ ایک جہاز نمود ہوا۔ اہلِ جہاز نے جو دیکھا، تختے پر ایک جوان، گود میں لڑکا نادان لیے بہا جاتا ہے۔ رحم کھا، پنسوئی

کو دوڑا، جہاز پر سوار کیا۔

اتفاقِ زمانہ مالکِ جہاز انجسٹن کا دوست دمساز تھا۔ اس کو پہچانا، بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ بیس روز میں جہاز کلکتے پہنچا۔ جہاز کا مالک انجسٹن کی ملاقات کو آیا، بچھڑے بیٹے کو باپ سے ملایا۔ یہاں جس دن سے جہاز کی تباہی انجسٹن نے سن پائی تھی، غریقِ لجۂ[1] [رنج و] غم تھا۔ بارے بیٹے کو دیکھ کے سجدہ بہ درگاہِ باری کیا، پوتا گھاتے میں لا۔ شکر کا کلمہ زبان پر جاری کیا۔

اس نے کہا۔ "بندہ پرور خیر ہے، دنیا اسی کا نام ہے۔ جس کا کام جس سے نکلے، وہ فخر و سعادت سمجھے۔"

بعد چند روز انجسٹن نے بیٹے سے روزِ دادِ سفر پوچھی۔ اس نے ابتدا سے انتہا تک سب حکایت اور فلک کی شکایت بیان کی۔ یہ سن کے سمجھا، مشکل پیچ پڑا، مگر سہل سا یہ جواب دیا۔ "الخیر فیما وقع[2] خیریت اسی میں تھی، جو [واقع] ہوا۔ مصرع

بر سرِ فرزندِ آدم ہرچہ آید بگذرد

[مگر یہ مقدمہ اور یہ بیان، سرود بہ مستان ہوا۔]

بیٹے نے کہا۔" [اب] مناسب یہ ہے کہ جلد چلیے، ایسا ملکِ مالا مال، یہ دولتِ لازوال ہاتھ سے نہ دیجیے [نصیبِ دشمناں نہ کیجیے]۔"

انجسٹن نے کہا۔ "خیر ہے، [بابا جان، کیسا آنا جانا] یہ بھی ایک فسانہ تھا، جو میں نے سنا اور [وہ] خوابِ [پریشاں] تھا، جو تم نے دیکھا۔ [اس

---

[2] بھلائی اسی میں ہے۔ جو واقع ہوا۔

کو یاد رکھو]۔ لا اعلم

ایامِ وصال و صحبتِ سیم تناں
در عالمِ خواب احتلامے شد و رفت

اس نے جواب دیا۔ "آپ سا عقلمند ایسا کلمہ فرمائے تو نہایت بعید ہے۔ دنیا میں تین معرکے ہیں، زن، زمین، زر، یہ سب سامان [وہاں] جمع ہیں۔ اگر آپ نہ جائیں گے فدوی تنہا جائے گا [پھر نہ آئے گا۔"]

جانِ عالم نے کہا: "افسوس! ہم تجھے دانا جانتے تھے، الآن [یہ] ہماری نادانی تھی۔ حمق کی مقتضی تمھاری نوجوانی تھی۔ اے بھائی! کوئی نادان سے نادان، عورت کی بات کا دھیان نہیں کرتا۔ یہ باتیں جبھی تک تھیں، جو تم اُدھر وہ باہم تھے۔ وہ مونس تھی، تم ہمدم تھے۔ اب خیریت ہے۔ سعدی

زن دوست بود و لے زمانے
تا جز تو نیافت مہربانے
چوں در برِ دیگرے نشیند
خواہد کہ ترا دگر نہ بیند

مصرع ؎ اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید

ہر چند اُس نے [سمجھایا،] مغز خالی کیا، [سر پھرایا،] یہ مقدمہ اس پر حالی کیا۔ وہ بے مغز کچھ نہ سمجھا۔ مصحفی

ہر چند اُس نے [سمجھایا،] مغز خالی کیا، [سر پھرایا،] یہ مقدمہ اس پر حالی کیا۔ وہ بے مغز کچھ نہ سمجھا۔ مصحفی

؎ مصحفی سُود نصیحت کا نہیں عاشق کو
میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

ناچار مجسٹن نے کہا:۔

______ "تم جب تک ذلت نہ اٹھاؤ گے اور ہمیں خراب نہ کرو گے، اس حرکتِ بے جا سے باز نہ آؤ گے، چین نہ لو گے۔"

اُسی دن سامانِ سفر دُرست کیا۔ بہت سے جہاز، مع اسباب اور چند مشیر خوش تدبیر ہمراہ لے روانہ ہوا۔ چند روز میں [ہوا کی موافقت سے] وہ جزیرہ ملا۔ جہازوں کو لنگر ہوا۔ مجسٹن کا بیٹا اترا۔ مگر جہاں ویرانہ، بوم و غول کا آشیانہ تھا، وہاں بستی دیکھی۔ اور جس جگہ بیہڑ تھا، اُس نے ہموار پایا، بلندی نظر آئی نہ پستی دیکھی۔ [دشت مصفّا،] آدمی ہر سمت سرگرم کار، شہر پناہ تیار۔ اُسے تعجب ہوا، سمجھا کہ میں بھول گیا۔ [غرض کہ] کسی سے پوچھا: "اس شہر کا نام کیا ہے، والیٔ ملک کون سا ہے؟"

وہ بولا: "مدت سے یہ شہر بہ سببِ آفتِ آسمانی اُجاڑ تھا۔ [تمام] رعایا برایا، بلکہ بادشاہ بھی نہ بچا تھا۔ فقط بادشاہ کی بیٹی باقی تھی۔ اب برس دن سے اُس نے شوہر کیا ہے۔ شہر [بھی] از سرِ نو آباد ہوا، نیا طرز ایجاد ہوا۔ [زمین یہاں کی زرخیز، چشمے شیریں، ہوا فرحت انگیز، ٹھنڈی ہے۔] یہاں مُفسد ہے نہ ڈنڈی ہے۔ [عورت نے بسایا ہے، اس باعث سے] نام اس کا شہزادی منڈی ہے۔"

مجسٹن نے یہ ماجرا سُن بیٹے سے کہا: "خوش تو بہت ہوئے ہو گے، لو سیدھے پھر چلو، [یہاں نہ ٹھہرو]۔"

اس نے کہا: "اتنا ہرج ہوا، سفر کی صعوبت اُٹھائی، اس کی صورت بھی نظر نہ آئی۔ دو باتیں کر لوں، تو پھر چلوں۔"

مجسٹن نے کہا: "یہ مُصیبت کچھ نہ تھی، جو بات کرنے میں ایذا اُٹھے گی۔"

وہ [کسی کی] کب مانتا تھا، [عورت کو اپنا فریفتہ جانتا تھا۔] انھیں لوگوں سے پھر پوچھا۔ "شہزادی کبھی سوار بھی ہوتی ہے۔ [کسی سے دو چار بھی ہوتی ہے؟"]

وہ بولے۔ "روز۔"

غرض کہ یہ سواری کا وقت دریافت کر، لڑکے کا ہاتھ پکڑ، سر راہ [جا کر] کھڑا ہوا کہ شہزادی شب دیز کو مہمیز کرتی آ پہنچی۔ یہ پکارا۔ "ہم نے ایفائے وعدہ کیا آئے، اور لڑکے کو بھی فضل الٰہی سے سلامت لائے، ہمیں کیا کہتی ہو؟"

اس نے بیگانہ وار، جیسے کسی اجنبی کو کوئی دیکھتا ہے گھورا، مگر جواب کچھ نہ دیا، چلی گئی۔ یہ خفیف گھر پھرا۔

مجستن نے حال پوچھا۔ ["کیا گزری؟"] بولا۔ "ملاقات نہ ہوئی کل پھر جاؤں گا۔"

اس نے کہا۔ "صبح کا جانا، روز الم، شام غم دکھائے گا۔ بہت پچھتائے گا۔" [اس نے نہ مانا۔] دوسرے روز بیٹے کو سکھایا کہ جب سواری قریب آئے گھوڑے سے لپٹ جانا اور یہ [کلمہ] زبان پر لانا کہ "دنیا کا لہو سفید ہو گیا، مہر مادری سے محبت پدری میں لطف زیادہ پایا کہ ہمیں ساتھ بہ آرام تمام لیے پھرتا ہے۔ تم بات بھی نہیں کرتی ہو، بلکہ پہچانتی نہیں۔"

جس دم سواری قریب آئی، یہ تو بہت کھلا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ کھیل بگڑ گیا۔ کہا۔ "شہزادی باگ کو روکو" [شیروں کا نعرہ سن لو۔] وہ خود تو رکی تھی باگ بھی رک گئی۔ [پسر مجستن نے اور تو کچھ نہ کہا، مگر یہ مسدس کہ اس کے حق میں گالیوں سے بُرا تھا شروع کیا۔]

[تھوڑے سے بند مسدس کے حسب فرمائش دوست] پسر مجستن

بولا مؤلف سے

یاد ایام کہ نفرت تھی زمانے سے تجھے
ہوتی وحشت تھی بہت غیر کے آنے سے تجھے
خوف آتا تھا کہیں آنے سے جانے سے تجھے
مکر تھا یاد، خبر تھی نہ بہانے سے تجھے
بے دھڑک غیر سے باتوں کا کبھی طور نہ تھا
ہمیں ہم تھے تری صحبت میں کوئی اور نہ تھا

کبھی چوٹی کی خبر تھی، نہ تھا کنگھی کا خیال
بارہا الجھے ہی رہتے تھے ترے سر کے بال
پان کے لاکھے سے اور مسی سے ہوتا تھا ملال
تجھ کو افسوس یہ آتا ہے کہ گزرا نہیں سال
ایسی کیا بات ترے دل میں سمائی ظالم
دفعتاً سب وہ رہ و رسم بھلائی ظالم

تھی لگاوٹ ہی تجھے یاد نہ خلطا سب سے
گرمجوشی کا بھلا کب تھا یہ لپکا سب سے
بیٹھنا کونے میں ہر دم تجھے تنہا سب سے
تجھ کو لگ چلتے کبھی ہم نے نہ دیکھا سب سے
اب تو ٹٹی میں کیسا چھید غضب تو نے کیا
کھل گیا سب پہ ترا بھید غضب تو نے کیا

شکر صد شکر ہوئی جلد رہائی تجھ سے
اب تو تا حشر تکدر ہے صفائی تجھ سے
وضع اپنی نہیں کیا کیجے برائی تجھ سے
نہ ملوں پر جو کہے ساری خدائی تجھ سے
بہ خدا ملنے سے ہم ہاتھ ترے دھو بیٹھے
اٹھو بس جاؤ تمھیں کھول کے دل رو بیٹھے

[سوچ اکثر ہے مگر دل یہ ہمارا کرتا
گرچہ حیوان سے تو ربط گوارا کرتا
ایسا بدنام تو وہ بھی نہ بچارا کرتا
بحر الفت سے نہ اس طرح کنارا کرتا
مفت لی سارے زمانے کی برائی ہم نے
سخت اوقات یہ بیہودہ گنوائی ہم نے]

اب قسم کھاتا ہوں، لو دل نہ لگاؤں گا کبھی
ذلت و رنج نہ اس طرح اٹھاؤں گا کبھی
گر طرحدار بھی اس دہر میں پاؤں گا کبھی
اٹھ کھڑا ہوں گا نہ میں پاس بٹھاؤں گا کبھی
موسم اب دل کے لگانے ہی کا جانا [ں] نہ رہا
ربط کیا خاک کریں ہم وہ زمانہ نہ رہا

برزباں یاروں کے یہ ذکر رہے گا ہر بار
گو کہ عاشق تھا مگر تھا یہ بڑا غیرت دار
دیکھ بد وضع کیسا دیکھیے ایسا انکار
سر پٹک مر گئے سب پر نہ ملا وہ زنہار
گرے معشوق کسی سے تو دغا ایسی کرے
بیچ کرے بات کی عاشق تو بھلا ایسی کرے

یہ سن کر وہ شرمندہ ہوئی۔ پھر لڑکا [بھی] گھوڑے سے پیٹ گیا۔ یہ بے چارہ نادان ان باتوں کا سود و زیاں کچھ نہ سمجھا، جو کچھ کہ باپ نے سکھایا تھا، کہنے لگا۔ جب کہہ چکا، شہزادی نے تمنچہ قبور سے کھینچ کے لڑکے پر جھونک دیا۔ [وہ] دھم سے گر پڑا، دایۂ اجل نے کنارِ عاطفت میں اٹھا لیا، اہلِ قبور سے ملا دیا۔ پھر باگ اٹھا چل نکلی۔

مجسٹن کے بیٹے نے بہت خاک اڑائی، بیٹے کی لاش باپ کو دکھائی۔ اس نے کہا۔ "کیوں، جو ہم نے کہا تھا وہی آگے آیا"!

وہ بدنصیب [دشمنِ عقل] بولا۔ "صبح اختتام ہے۔ جو کچھ ہونا ہے ہو جائے گا۔"

مجسٹن نے کہا۔ "تو اپنا بھی حال ایسا ہی بنائے گا۔"

دمِ سحر جب وہ چلا، مجسٹن کا جی نہ رہ سکا، ساتھ ہوا۔ جس دم شہزادی کی سواری پاس آئی، باگ پکڑ لی۔ ہنوز زبان نہ ہلائی تھی، وہ بولی۔ "اے مجسٹن! ہم نے سنا تھا کہ تو مردِ جہاندیدہ، سرد و گرم روزگار چشیدہ، تجربہ رسیدہ ہے، مگر افسوس بہ ایں ریش و فش، [پیرِ نابالغ ہے، اور تو کیا کہیے] تو نے سنا نہیں۔

لا اعلمُ ؎

زحادثاتِ جہاں بس ہمیں پسند آمد

کہ خُوب و زِشت و بد و نیک درگزر دیدم

اس پیرانہ سالی میں مجھ پر ہزار سانحے گزرے ہوں گے، کچھ الم و رنج کا مزہ یا فرحت و خوشی کا نشہ باقی ہے۔ اے ناداں دُنیا میں کس [کس] بات کو یاد کیجیے، کس [امر] کا غم، کس سے خاطر شاد کیجیے۔ اگر عقلِ رسا یا کچھ فہم و ذکا ہو تو دُنیا میں کافی ہے یہ بات، گزشتہ را صلوات۔ مصحفی ؎

اے مصحفی میں روؤں کیا پچھلی صحبتوں کو

بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

یہ کہہ کے گھوڑا چمکا را کر پھر سلسلہ جنبانی اس امر بے معنی کی موجب مضرّت جاں جانتا۔

مجسٹن نے بیٹے کو سلام کیا، پھر نہ کچھ کلام کیا۔ وہ بھی نطفۂ ضعیف کا پیدا، بوڑھے باپ کا بیٹا تھا، محجوب وطن پھرا، جیتے جی باپ سے آنکھ چار نہ کی۔

[یہ جملہ تمام کر کے] اس انگریز نے کہا: "مطلب اس حکایت سے یہ ہے کہ آدمی وہ بات نہ کرے، جس کا حصول ذلت و خفت ہو۔ کہو اب کیا کہتے ہو؟"

یہ قصّہ سُن کے وہ فرہادِ بے ستونِ [محبت] شیریں زبانی سے [یہ] کہنے لگا۔ بقولِ اُستاد ؎

کب تلک جیوں گا میں موت اک دن آنی ہے

ہجر میں جو آجاوے عینِ مہربانی ہے

سب جلسہ سر ٹیک کر، اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہا: "جب یہ جان گنوائے گا تب [یہ] جھگڑا جائے گا۔"

آخر کار جب اس کا حال [بہت] ردی ہوا، دوستوں کو چٹھیاں لکھ کے جمع کیا اور کہا۔ "[دُنیا مقام گزران ہے جو ہے رواں دواں ہے] کل اس مقام سے ہمارا کُوچ ہے۔ [یہ سر، سراسر پوچ ہے۔] اگر ہماری وصیت بجالاؤ گے، دُنیا میں نام، حشر کو بخیر انجام ہوگا۔"

سب نے اقرار کیا، [کہ سر مو اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ جو جی میں ہو شوق سے کہو۔]

اس نے کہا۔ بعدِ انتقالِ روح [بہرحال] ہمارا جنازہ تکلف کا بنانا اور بجرے کی چھت پر صندوقِ نعش دھر، باجے بجاتے، ہمارے معشوق کی کوٹھی جو لبِ دریا ہے، [دارِ فنا ہے،] اس کے نیچے سے لے جانا، اور دل میں یہ کہتا تھا۔ اُستاد

ساتھ وہ میرے جنازے کے لحد تک آئے
اے اجل تیرا قدم مجھ کو مبارک ہووے

غرض کہ [اُسی] رات کو [تڑپ کر] اس مریضِ فرقت کا، ہجر میں وصال ہوا، اس جہان سے انتقال ہوا۔ [نقیر محمد خاں] گویا

لوگ مرنے کو بھی کہتے ہیں وصال
یہ اگر سچ ہے تو مرجاتے ہیں ہم

مؤلف

مر کے حاصل کیا، فرقت ہی میں لو نام وصال
جان دی ہم نے، مٹایا ہے خلش ہجراں کا

صبح کو یہ خبر عام ہوئی کہ سوداگر بچے کے عاشقِ محروم، ناکام کا کام تمام ہوا، مر گیا۔ شدہ شدہ سوداگر کو اور اس ماہ پیکر کو، یہ حال معلوم ہوا [سُن کر کہا

جذبِ محبت سے حال تغیر ہوا۔ مگر ضبط سے کام لیا، دلِ بے قرار کو تھام لیا۔ انگریز جمع ہو، بصد پریشانی وصیت بجالائے۔ جنازہ درست کر، بجرے کی چھت پر دھر، لباس [اپنا] سب نے سیاہ کیا، بلند نالہ و آہ کیا۔ سر ننگے [غل مچاتے] باجے بجاتے چلے۔ عجب سانحہ تھا۔ ہزارہا زن و مرد کنارے کنارے گریاں چلا آتا تھا۔ جس نے صندوق کی طرف دیکھا فریاد مچاتا تھا۔ [آج تک] اُسی دن سے دریا دریا اشک ہر بحر کی چشم سے رواں ہے، مثلِ سیماب بیقرارانہ دواں ہے [جس مچھلی کو ہاتھ لگاؤ، کوفت سے تپاں ہے۔] اور جسے احباب حباب کہتے ہیں، یہ فرطِ تلق سے ہر محیط کی چھاتی میں، پھپھولا پڑتا ہے، اور پھوٹتا ہے، موجوں سے تلاطم نہیں چھوٹتا ہے۔ ماہیانِ دریا کا خنجرِ الم سے، گلا زخم دار ہے، سنانِ غم سینے کے پار ہے۔ ساکنانِ دریا کو بسکہ شمشیرِ عشق کا خوف و خطر ہے۔ اس ڈر سے ہر سنگ پشت کی پُشت پر سپر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسی صورت سے جنازہ اُس کی کوٹھی کے تلے آیا، اور [فرنگیوں نے شور و غل مچایا،] اُس زندۂ جاوید نے باآوازِ بلند سُنایا۔ اُستاد؎

اے فلک آخری پھیرا ہے نہ ہو تجھ سے گراور
اُس کے کوچے میں جنازہ مرا سنگین تو ہو

اُس وقت، وہ مہ پارا کششِ دل اور تپشِ متصل سے مطلع ہو، دیوانہ وار بے قرار کوٹھی پر چڑھی، اور بے تابانہ پوچھا کہ "یہ لاشِ دلخراش، کس جگر پاش کی ہے کہ حاجبانِ بارگاہِ عشق سے صدا، دُورباش، دُورباش کی ہے۔"

وہ [سب] بولے کہ۔ "[عجب ماجرا ہے،] یہ کُشتہ تمہارا ہے، رنجِ مفارقت نے آپ کی اسے بے اجل مارا ہے، افسوس کہ اس بے کس نے جان دی اور تم کو مطلق خبر نہ ہوئی۔"

کسی شخص نے عمداً اُسے سُنا کر یہ شعر پڑھا۔ جرأت

ے مُکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے

سبھوں سے پوچھتا ہے کس نے اس کو مار ڈالا ہے

یہ [باتیں] سُنتے ہی [دفعتاً] وہ نعرۂ جاں سوز، آہِ دل دوز، سینۂ بریاں سے کھینچ کر، [آتشِ غیرت میں بھُن کر،] کود پڑی۔ عشق کا نشانہ دیکھیے، صندوق نعش پر گر، ٹکڑے ٹکڑے مثلِ جگرِ عاشقِ زار ہو، خوابِ مرگ میں سوتے بختِ خفتۂ عاشق جگایا، کششِ محبت نے بچھڑوں کو اس طرح ملایا۔ دیکھنے والے تھرّا گئے، دِل گدازوں کو غش آ گئے۔ شہر میں یہ چرچا گھر گھر ہوا، منزلوں یہ اخبار مُشتہر ہوا۔ اس کے ماں باپ نے بہت سی خاک سر پر اُڑا، دونوں کو پیوندِ زمین کیا۔ اس عشقِ فتنہ انگیز نے کیا کیا نہیں کیا، تہِ خاک بے قراروں کو، ہجر کے ماروں کو قرار آیا، ہزارہا شخص دیکھنے کو سرِ مزار آیا۔ مطابقِ قولِ میر تقی ے

حیرتِ کارِ عشق سے مردُم

شکلِ تصویر آپ میں تھے گُم

کام میں عشق اپنے پکّا ہے

ہاں یہ نیرنگ ساز یکّا ہے

جس کو ہو التفات اس کے نصیب

ہے وہ مہمانِ چند روزہ غریب

ا؎ یہ شعر میر سوز کا ہے۔ دیکھیے اردوئے معلّیٰ میر سوز نمبر صـ ۴۸۔ جواہرِ سخن حصہ دوم صـ ۴۶۶۔ تذکرۂ سخن شعرا صـ ۲۲۹

ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے
کرنہ ناچار جی سے جاتا ہے
کون محرومِ وصل یاں سے گیا
کہ نہ یار اس کا اس جہاں سے گیا
[اپنی قدرت جہاں دکھاتا ہے
اس سے جو کچھ کہو سو آتا ہے][1]

یہاں سے پھر خامۂ مصیبت نگار، حالِ ملکۂ زار لکھتا ہے کہ آخر کار جی بہ تنگ ہوا، تب دوری سے یہ ڈھنگ ہوا۔

اُستاد

لگے زمین پہ اب سب اُتارنے ہم کو
یہ دن دکھلائے ترے انتظار نے ہم کو
فراق میں ترے بن موت اب تو مارا ہے
تڑپ تڑپ کے دلِ بے قرار نے ہم کو
جب اپنا آہ دمِ نزع کنٹھ بیٹھ گیا
تم آئے بالیں پہ اُس دم پکارنے ہم کو

صبح سے تا شام، ٹکٹکی جانبِ در، دستِ تأسف بر سر، اور [دیوانوں کی طرح] ہر دم یہ کلمہ زبان پر۔ اُستاد

زبسکہ رہتا ہے آنے کا اُس کے دھیان لگا
صدائے در پہ ہے در پردہ اپنا کان لگا

---

[1] مثنوی دریائے عشق

بہ یادِ زلف نہ تا دُودِ آہ سب پہ کھلے
میں مُنھ پہ اس لیے رہتا ہوں پیچوان لگا
ہزار خوار ہوئی تجھ سی عندلیب یہاں
یہ بے ثبات چمن ہے نہ آشیان لگا

آخر کثرتِ انتظار سے، نقل کمی کرنے لگی، اور جانِ زار تڑپنے سے دلِ بے قرار کے، برہمی کرنے لگی، یہ نوبت ہوئی۔ [شعر]

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے
اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

اس وقت کششِ محبتِ ملکۂ مہر نگار نے، جانِ عالم کے دل کو بے چین کیا، خیال آیا، کہ خدا جانے صدمۂ فرقت سے اس کا کیا حال [ہوا] ہوگا، دل نے کہا جینا وبال [ہوا] ہوگا۔ گھبرا کر دست پاچہ ہوا۔ عیش و نشاط بھولا، یہ گُل تازہ پھولا، انجمن آرا سے کہا: "زیادہ طاقتِ مفارقتِ احبابِ وطن مجھ خستہ تن کو نہیں، آج بادشاہ سے رُخصت مانگوں گا۔" [وہ] بہرحال اطاعت و رضا اس کی تمام کاموں پر مقدم جانتی تھی۔ کہا: "مجھے بھی تمنائے سیرِ کوہ و بیاباں، بے پایاں ہے۔" شہزادہ موافقِ معمول دربار میں حاضر ہوا اور سلسلۂ سخن بہ طلبِ رُخصتِ وطن کھول کے عزم بالجزم سُنایا۔ بادشاہ محزون و غمناک ہو، فرمانے لگا: "یہ کیا کہا؟ جو کلیجا مُنھ کو آنے لگا، جانِ من تابِ جُدائی نہیں، رُخصت بادیہ پیمائی نہیں، اگر خواہش سیر ہے، تو فضا اس نواح کی جا بجا مشہور ہے۔ [اس کے سوا] خزانہ موجود، فوج فرماں بردار، [میری جان نثار] ملک حاضر، اگر منظور ہے، [حکمِ سفر] اجازتِ دُوری بہت دُور ہے۔

جانِ عالم نے دست بستہ عرض کی: "اے شہر یار! باوقار پُرتمکین، برس دن میں حضور کو مجھ غمگین سے یہ محبت ہوئی کہ مال و مُلک سلطنت بلکہ جان تک دریغ نہیں۔ وائے برحالِ مادر و پدر؛ سوختہ جگر [کہ] جنھوں نے لاکھ منتوں، گردِ مُراد دل سے، دن کو دن، نہ رات کو رات جان کے سولہ سترہ برس دُنیا کی خاک چھان کے، مجھ کو پالا۔ ولولۂ طبیعت نے گھر سے نکالا۔ اب مدّتِ مدید، عرصۂ بعید گزرا، انھیں میرے مرنے جینے کا حال معلوم نہیں۔ ان [لوگوں] کے صدمے کو غور کیجیے۔ رُخصت ہر طور کیجیے۔ آدمیّت سے بعید ہے، کہ آپ عیش و نشاط کرے، ماں باپ کو رنج و تعب میں چھوڑ دے، [سررشتۂ والدین توڑ دے]۔ امیدوار ہوں، اس امر میں حضور کد نہ کریں، بہ کُشادہ پیشانی اجازتِ وطن دیں۔ اگر حیاتِ مُستعار [اور] زیستِ ناپائیدار باقی ہے، پھر شرفِ آستاں بوس حاصل کروں گا۔ نہیں تو [دن رات] اس فکر میں گھُٹ گھُٹ کے مروں گا۔ دین برباد ہوگا، دُنیا میں عزت و آبرو نہ رہے گی۔ خُدا [ے تعالیٰ] ناخوش ہوگا، خلقت تن پرور، راحت طلب کہے گی۔"

بادشاہ سمجھا یہ اب نہ رُکے گا، آنسو آنکھوں میں بھر کر کہا: "خیر باشد مرضیِ خُدا، جو تیری رضا۔ مگر تیاریِ سامانِ سفر کو چالیس دن کی مہلت چاہیے۔"

جانِ عالم نے یہ بات قبول کی۔ یہ تو رُخصت ہو کے گھر [کو] آیا، خبرداروں نے اس حال کا خاص و عام میں چرچا کیا۔ خُلاصہ یہ کہ شدہ شدہ یہ غلغلہ گھر گھر ہوا۔ خورد و کلاں، بوڑھا اور جوان شہر کا اس خبر سے باخبر ہوا۔

عزمِ جانِ عالم زرنگار سے سوئے وطن، تیاری سامانِ رخصت انجمن آرا کی، عزیز و اقربا سے فرقت، اور پہنچنا ملکہ پاس، پھر نکاح کرنا

مؤلف ؎

چل اے توسنِ خامہ چالاک و چست
کہ اب بیٹھے بیٹھے بہت جی ہے سست
جگہ بیٹھ رہنے کی دنیا نہیں
یہاں خاک بیٹھے کوئی دل حزیں
سفر ہر نفس سب کو رہتا ہے یاں
سرائے فنا بھی عجب ہے مکاں
نہ بیٹھا کبھی جم کے اک جا سرور
قریبوں سے اپنے رہا دور دور

طے کنندگانِ ملکِ معانی، سیّاحانِ اقلیمِ خوش بیانی، بادیہ پیمایانِ بے توشہ، بارِ محنت بسر، راہ نوردانِ ہوش باختہ، بے راہ بر، یادِ دلدار در دل، دین و دنیا فراموش، الم ہمراہ، ہر گام نالہ و آہ، تصورِ یار ہم آغوش، [کا حال یہ] لکھتے ہیں کہ اُس عازمِ سمتِ معشوق، عاشق خصال کو چلّہ وہیں گزرا۔ سامانِ سفر سب تیار ہوا۔ اب صبح کو اُس چلّہ نشین حجرۂ محبت کی رخصت ٹھہری۔ سرِ شام یہ دلِ ناکام بادشاہ دامنِ سحر کی صورت، گریباں چاک کر، مع ارکانِ سلطنت، دو کوس شہر سے باہر سرِ راہ دامنِ کوہ پر جا بیٹھا۔ وزیر

خوش تدبیر سے فرمایا کہ "تم شہزادے کو رخصت کرو، ہم یہاں سے جلو میں سواری، سامان سفر دیکھ لیں گے۔"

یہ خبر اہل شہر کو معلوم ہوئی۔ تمام خلقت پانچ برس کا لڑکا، بچا نوے برس کا بڈھا، رنڈی مرد، دوسرے پہر سے پر اسی دم جمع ہوا۔ جھٹپٹے وقت جان عالم نے سواری طلب کی۔ ہرکاروں نے [حضور میں] عرض کی۔ بادشاہ راہی کی جانب متوجہ ہوا۔ [کہ دفعتاً] روشنی نمود ہوئی۔ پلٹنیں آئیں، سجی سجائیں، توپ خانہ گزرا، پھر بارہ ہزار ہاتھی سواری کا، ہودج اور عماری کا، ہزار بارہ سے جنگی نگار دست [ایک سے ایک زبردست] چاروں جھٹیاں پکتیں، بان چھٹے، سونڈوں میں چرخے، بھسونڈے رنگے، [جواہر نگار، چوڑی دانتوں پر] طلائی نقرئی زنجیریں جھنکتیں، جھولیں زربفت کی نئی نئی، رسی کلابتوں کی، دیکھیں چراؤ، مغرق کج گاہیں پڑیں۔ [ہرے سلمی ستارے کے، پنکھے کا جوبن بہار، دیکھنے والوں کی آنکھیں لڑیں۔] دورویہ اس انداز سے کہ اگر اصحاب فیل دیکھتے، خوف کھاتے، کبھی کعبہ ڈھانے نہ آتے۔ فیلبان قبا زرتار، یا کمخواب کی پہنے، جوڑے زر نگریاں باندھے۔ کمر میں پیش قبض یا کٹار، ہاتھوں میں گج بانک جواہر نگار، [اور] مستوں کے ساتھ دو لیڈری۔ بردار، ایک چرکٹا سنٹا، ہاتھ میں ڈنڈا۔ دوبرچھی والے، دیکھے بھالے، آگے پیچھے ترپل قریب، سانٹھ مار۔ برابر دو سوار۔ پھر کئی لاکھ سواروں کے پرے، ہاتھیوں سے پرے پرے، سرتاپا لوہے کے دریا میں ڈوبے۔ بیس [یا] اکیس برس کا ہر شخص کا سن، شباب کی راتیں، جوانی کے دن۔ خود، بکتر، زرہ پہنے۔ بائیں دہنے چار آئینہ فولادی میں، ہر دم رد سے رگ معائنہ کرتے، [بل سے قدم دھرتے] ہاتھوں میں دستانے، خانہ جنگوں کے بانے۔ دو تلواریں، ایک [کوتاش

زین میں، دوسری ڈاب میں۔ [اسیل تنا آب ہے۔] تپنچے کی جوڑیاں تُوڑ میں۔ نشۂ بہادری سے سُرخ رو میں۔ کمریں قرولی یا کٹار، [بہت] آبدار۔ سپر پُشت پر۔ برچھا ہاتھ میں، تیکھا پن ہر بات میں۔ مثل نہنگان بحر ہیجا و شیران کنام وغا، مونچھوں کو تاؤ دیتے، ہر بار ڈنک کی لیتے۔ گھوڑے نہ خوش خرام کہ سمند سبز فام، جس کا قدم نہ گھٹے، آج تک چال بتلاتا ہے۔ دیکھنے والے کہتے تھے کہ چمن رواں کیا پھلا پھولا ہے۔ دو صفیں باندھے ہوئے۔ بیچ میں پنج شاخے روشن۔ گھوڑے کُداتے، جوبن دکھاتے چلے گئے۔ پھر ہزار بارہ سو سانڈنی سوار، خوش رفتار، زرد زرد قبائیں دربر۔ سُرخ پگڑیاں سر پر۔ آبی بانات کے پاجامے پاؤں میں۔ ہتھیار لگائے، مہاریں اُٹھائے، ستاروں کی چھاؤں میں [گزر ہوا۔] سانڈنیوں میں دو دو سو کوس کا دم، [ہر قدم] گھنگھرو کی چھم چھم [۔] بجنّی فلک اب تک بلبلاتا ہے، جب ان کا دھیان آتا ہے۔ قدم قدم پہ جب رُکتے تو سواری کے خاص خاصے نظر آئے۔ عربی، ترکی، عراقی یی، تازی ادہر کا ٹٹیاوار کا، دکھنی نہ وہ گھوڑا، جو ابلق نیل دہار کی نظر سے نہیں گزرا۔ [سُبک رفتار ایسے کہ دریا میں جو در آئیں، سوار بجرے کا مزہ لوٹے، سُم کے تلے حباب نہ ٹوٹے۔] نہ ہڈا، نہ موٹھرا، نہ رس کا خلل؛ رنگ اُجاڑ، نہ کھونٹا اُکھاڑ۔ سانپن نہ ناگن، عقرب نہ ارجل، شب کور نہیں، منہ زور نہیں، کم خور، نہ مٹھا، نہ کھوٹا، بال [اور] بھوزی سے صاف، حشری نہ کمرتی۔ کُہنہ لنگ نہیں، سینے کا تنگ نہیں، ہمہ تن اوصاف۔ کسی پر چار آئینہ زین بندھا، [الماس و زمرد کی ہرنی،] کسی پر چار جامہ زردوال کو کسا۔ [بنا بنا کر زمین پر پاؤں دھرتے، کودتے، پھاندتے، کلیاں بھرتے۔] کسی کی فقط گردنی، لچی، [موتیوں کی جھالر لٹکتی۔] گنڈا، پٹا، سازہ۔ راق

جواہر نگار، پُوزی، دُمچی عزحدار [پر ہما کی] کلغی لگی۔ [بہتوں پر] پاکھر پُر تکلف پٹھوں پر پڑی۔ دوگاماگام، شتہ گام، رُخش آسا، بیہر رہوار، دُلکی کا [ہر ایک] مینجا، اُلیل کرتا۔ جلوہ دار چنور لیے، مشغول مگس رانی ہیں۔ ہمرکاب تپائی بردار معقول سرگرم جاں فشانی ہیں۔ باگ ڈوریں پُر زر سائیس لے کر نکلے۔ ان کے بعد نوبت نشان، ماہی مراتب [میگھ ڈمبر آگئے۔] علم اژدھا پیکر، جلو میں نصرت ظفر۔ یہ سب جلوس باکرّ و فر آیا۔ نوبت کی ندا، جھانجھ کی جھانجھ سے صدا، قرنا کا شور و غل، شہنائیں بھیروں بھیاس کے سُر بالکل۔ نقیب اور چوبداروں کی آواز، پُر سوز و گداز، عجب کیفیت کا عالم تھا۔ اُدھر نقارہ ہائے شُتری اور فیلی سے گوش کر دبیاں کر رہا جاتا تھا۔ ایک طرف شہر کے لڑکوں کا غول۔ "بجا دے بجا دے" کا غل مچاتا چلا آتا تھا۔ میر سوز

کہے تو مہر سے کر عصائے نور ہاتھوں میں
یہی کہتے تھے گردوں پر ادب سے اور تفاوت سے

پھر شکار کا سامان، میر شکار لائے۔ باز آہنی چنگال، [باز بچے] تیز بال، بہری باشے [کے تماشے] شاہین [قول و مخلب] عقاب۔ فلک سیر، جہان کے طیر، اُن کے قریب ولایتی کُتّے، تُرّ دار، گلداتنگ، تازی، جاں بازی کرنے والے [اور] چیتے جو دشمنوں کا رُا چیتے، بلکہ لہو پیتے۔ سیاہ گوش درآغوش، ہرن لڑنے والے، خانہ زاد گھر کے پالے۔ ان کے بعد ہزارہا سقا، خواجہ خضر کا دم بھرتا، چھڑکاؤ کرتا، کمریں کھاروے کی لُنگیاں، شانوں پر بادلے کی جھنڈیاں، مشکوں میں بید مشک بھرا، دہانے میں ہزارے کا فوّارہ چڑھا، [آب پاشی کرتا۔] ستعدد غلام بادلہ پوش، حلقہ بگوش، ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے پڑے، منقل انگیٹھیاں، سونے چاندی کی لیے، عنبر و عود جھونکتے

نکلے۔ پھر تو کوسوں تک جنگل رشکِ ختن و تاتار، مثلِ طبلۂ عطار ہو گیا۔ اُن کے متصل
دو ہزار لالٹین والے کہمیں، بلّور کی صاف صاف لالٹینیں لیے، شمع مومی و کافوری
روشن [کیے] وہ سب غنچہ دہن، زیبِ انجمن [جب] بڑھے، تو صدائے اہتمام
نقیبان خوش گلو، چار سو، بلند ہوئی اور صبحِ صادق نے جلوہ دکھایا، ہاتھ کو ہاتھ
[اپنے بیگانے کا منھ صاف] نظر آیا۔ شاہِ خاور بھی دریچۂ مشرق سے سر نکال
کے مشغولِ نظارہ ہوا۔ حسرت میں وطن [سے] آوارہ ہوا۔ [وہ] دمِ سحر نسیم
و صبا کی فرفر، شمع کا جھلمل جھلملا اُداس جانا، سواری کا آہستہ آہستہ چلنا، پہاڑی
جانوروں کی سیر، ذکرِ حق میں [کہیں] وحش [کسی جا] طیر۔ سرسبز درخت
لہلہے، پھول رنگ برنگ کے ڈہڈہے، سقّوں کی آب پاشی، صدائے نالۂ
مرغانِ خوش الحان سے دل خراشی۔ خسروِ انجم کا مع ثوابت و سیارہ چھپنے جانا۔
سورج کی کرن کا جگمگانا، پھولوں کی بوباس، چشمے سرد و شیریں آس پاس۔
خلق کا مجمع، دامنِ کوہ پر سب کی نگاہ، کبھی اس کیفیت پر، نگاہ اس انبوہ
پر۔ ادھر مسافروں کی کثرت، اُدھر بادشاہ پُر ارمان۔ خلقِ خدا باحسرت،
بچشمِ انتظار امیدوارِ آمد۔ پیادہ و سوار محوِ تماشائے عجائبِ روزگار تھے، یکایک
غول خاص برداروں کا آیا، کمخواب کی مرزائی، انگرکھے گجراتی، مشروع کے
گھٹنے، دلی کی ناگوری پاؤں میں [چڑھی]، بڑھے۔ [سر پر] گلنار اینٹھے طرحدار
خاصیوں کے۔ غلاف بانات، سقرلاتی، باغِ بہار۔ گرد پوش مخمل کے سینگڑے،
سازِ مطلّا، جھلا جھل کے۔ رفل، چقماق، توڑے دار، قرابین، شیر بچے، جس
سے شیر زندہ نہ بچے، جواہر نگار اور برچھی [بر] دار، [بانا دار، گتکے والے] تکیے
[سوار] بیش قرار، زرہ باہے دار۔ راکب و مرکب، جھمکڑے کا عالم، گرداگرد، بیچ
میں شہزادۂ جانِ عالم، اسپِ باد رفتار پر سوار۔ برابر انجمن آرا کا سکھپال،

پری تمثال۔ ہزار پانچ سے کہاریاں، [حور وش] پیاری پیاریاں۔ کمسن جسم گدرایا، شباب چھایا۔ زربفت و اطلس کے لہنگے، مسالہ ٹکا، تمامی کے دوپٹے باریک بنت گوکھرو، کے۔ کُرتی انگیا کاشانی، مخملی کُرتیاں، کندھوں پر جھپا سکھپال اٹھائے ۔ باقی پرے جمائے ادھر اُدھر۔ جڑاؤ کڑے لائم [ملائم] ہاتھوں میں پڑے۔ پاؤں میں تین تین سونے کے کڑے۔ کانوں میں سادی سادی بالیاں، نشۂ حُسن میں متوالیاں۔ [رُخساروں کا عکس بالیوں پر جو پڑجاتا تھا، شرم سے کُندن کا رنگ زرد نظر آتا تھا اور] جو کسی کا کان آلا تھا، تو حُسن کی دکان میں ناز و ادا کا نرخ [اعلیٰ] دو بالا تھا۔ انداز ناز [سب سے] نرالا تھا۔ وہ آہستہ تیوری چڑھا کر پاؤں رکھنا، کبھی سسکی [کبھی کوئی] جھجکی، بڑی سیر تھی۔ کئی سے سواری کا دوڑنے۔ ال خواجہ سرا، عجیب عجیب طرح کا نُس کٹا جھٹنیں، ترکنیں، [قلماقنیں] سرگرم اہتمام، [باآرام تمام، اور] خواجہ سرایان با ذی لیاقت معقول، [نواب ناظر داروغہ سب حاضر، عمدہ پوشاک پہنے،] گھوڑوں پر سوار، بند و بست میں مشغول۔ جریب زمین پر پڑتی، کوس کا پیہا ساتھ، [ہاتھوں ہاتھ] زمین کی پیمائش، سواری کی آرائش، بڑا ترک، بہ مرتبہ کر و فر، نہایت دُھوم دھام۔ [اشرفی روپیا تصدق ہوتا، محتاج فقرا، شہدوں کا ازدحام، اس صورت سے] بادشاہ کے پاس آپہنچے۔

جانِ عالم نے دیکھا، ظلِ سبحانی کے چشمۂ چشم سے جوئے خوں جاری ہونے لگی، بے قراری طاری [ہے]۔ گھوڑے سے کود کے تسلیمات بجا لایا۔

بادشاہ نے بہ تبسم فرمایا۔" اس وقت ہمارے پاس نہ آؤ، خدا کو سونپا چلے جاؤ۔"

بمجبوری شہزادہ مُجرا کر کے [پھر] سوار ہوا۔ جس دم جانِ عالم نے گھوڑا

[وہاں سے آگے] بڑھایا، تمام خلقت کا جی بھر آیا۔ علی الخصوص بادشاہ کی بے قراری، [امیر اُمرا کی نالہ و زاری]۔ جانِ عالم اور انجمن آرا کی گریہ و زاری دیکھ کر تمام تماشائی واویلا مچا، شور و شین سے [کہنے لگے۔ "آج رونق شہر کی رخصت ہے، زینتِ سلطنت کی فرقت ہے۔ ایسے مہر و ماہ کے جانے سے شہر میں غدر پڑے گا، اندھیر ہو جائے گا۔ ان کا الم جُدائی و رنج دشت پیمائی، ہزار روز سیہ شامِ غم دکھائے گا۔"

کہتے ہیں کہ سیکڑوں مرد، رنڈی، سب کے سُنتے ہمراہ ہوئے، غریب الوطنی اختیار کی، وہاں [کی] بود و باش گوارا نہ ہوئی۔ ان کے بعد سب پیچھے سات سے پالکی، نالکی، چنڈول، محافہ امیر زادیوں کا اور انیسوں جلیسوں کا، تین چار سے کھڑکھڑیا، [قیمت میں بڑھیا] اور نفیس پیش خدمتوں کا، دو تین سے میانہ جوہیلا مُغلانی، آتون محل داروں کا۔ [مُغلانیوں کی منجھولیاں، خاص خواصوں کے نیچے۔] ہزار بارہ سے رتھ اکبر آبادی دو برجے سائبان دار، نئے مُغرق پردے چمکتے۔ ناگوری بیل جو ثور فلک نے نہ دیکھے تھے جُتے۔ [مخمل کی جھولیں پڑیں]۔ اَنا، چھوچھو، چھچھی نویس، باری دار [نیاں]، لونڈیاں باندیاں [ان پر] سوار۔ [جب] یہ بھی قطار قطار گزر گئے۔ [تو پھر] چھکڑے، اونٹ، ہاتھی، خزانے اور اسباب کے ڈیرے، خیمے لدے لدائے، کسے کسائے [خوب] چھکڑے نظر آئے۔

غرض کہ تا شام، بھیڑ بُنگاہ بازاری، [کاریاری] سرکاری، سب لوگ چلے گئے۔ لکھا ہے کہ روپے اور اشرفیاں امام ضامن [علیہ السلام] کی دمِ رُخصت اتنی آئیں کہ [بازوؤں پر بندھ نہ سکیں]، تمام راہ سید مسافروں نے پائیں اور کھجور گُلچوں کا یہ حال ہوا کہ [لے چلنا محال ہوا۔] راتب کے سوا فقیروں کو کلچے ملے اور اہلِ لشکر کو بانٹ دیے۔ کھجوریں جو بٹ نہ سکیں، [اتنی بچیں کہ] راہ میں پھینک دیں۔

وہ اُگ گئیں، آگے درخت اس کے کم تھے۔ [اب] اس دن سے جنگل ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ سراسیمہ، بدحواس، باحالِ یاس، دولت سرا میں آیا۔ وہ بسا بسایا شہر لُٹا، اُجڑا، ویران نظر آیا۔ بازار میں جا بجا چراغ گُل، سرِ شام پگڑی غائب، اندھیرا بالکل۔ جس طرف دیکھا لوگ تھکے ماندے پھر کر پڑے تھے۔ بازار میں تختے لگے، ٹٹر جڑے تھے۔ لوگ سوزِ مُفارقت سے دردمند۔ [تمام] دکانیں بند۔ جو جہاں پڑا تھا، شہزادے کی رُخصت کا ذکر کر رہا تھا۔ دو شخص اگر باہم تھے، یہ دل پُرغم تھے۔ کوئی سوتا تھا کوئی چُپکا پڑا روتا تھا۔ بستی سنسان، بازار میں سناٹا۔ خلقِ خُدا اندوہ کی مُبتلا۔ بادشاہ کو دُونا قلق ہوا، رنگ فق ہوا، [دل سینے میں شق ہوا۔] محلسرا میں [جو] آیا، وہاں بھی چھوٹے بڑے کو غمگین پایا۔ لوگوں کے عزیز جُدا ہو گئے، سب اس یُوسفِ رفتہ کے زندانِ فراق کے اسیرِ بلا ہو گئے۔ علی الخصوص انجمن آرا کی ماں، جس کی نظر سے وہ چاند سورج چھپ گئے، زمانہ آنکھ میں تیرہ و تار، دل غم سے خار خار، حیرت میں نقشِ دیوار ہو رہی تھی۔ آنکھوں پر زور تھا، [زار زار] رو رہی تھی۔ بادشاہ نے [بہت] سمجھایا، ہاتھ مُنھ دُھلوایا کچھ کھلایا۔

یہ تو [یہاں] سب نالہ بہ لب، آہ در دل، [وہاں] جانِ عالم اور انجمن آرا روبہ منزل۔ پانچ پانچ کوس کا کوچ، دو چار دن کے بعد ایک دو مقام، راحت و آرام کرتے چلے۔ فوجِ ظفر موج ساتھ، اُردوئے معلّیٰ کا عجب عالم تھا کہ ایک شہر روز ہمراہ۔ جہان کی نعمت تیار، شام و پگاہ۔ صرّاف، بزاز، جوہری، روپیا پیسا، اشرفی، [کھری سے کھری]۔ ڈھاکے کا ریزہ، بنارس کا گُلبدن، گجرات کا کمخواب، الماس و زمرّد، یاقوتِ احمر جو چاہو موجود۔ ایک طرف قصّاب اور نانبائی [وہ کچا گوشت لیے یہ] پکی پکائی۔ میوہ فروش، خوانچہ بدوش۔ حلوائی طرح طرح کی مٹھائی دُرست کیے۔ مینا بازار، باغ و بہار، جُدا جُدا، ہر کنج کا جھنڈا گڑا۔

[ہر ایک منڈی کا پتا]؛ چوپڑ کا بازار پڑا۔ جلو خانے کے رو بہ رو نصف شب گزرے تک دُکانیں کھُلیں۔ آکاسی دیا جلتا، بھُولا بھٹکا اس کی روشنی میں آملتا۔ کوتوال [روندلے کے] سرگرم پاسبانی۔ بازاریوں کی نگہبانی۔ زنگُلہ پھنکتا۔ [چور اُچکّے کودباتے]، سونے والوں کو چوکیدار چونکاتے۔ در دولت پر تلایہ پھرتا، روشن چوکی بجتی، اجنبی گھرتا۔]

غرض کہ سب [کے سب] خُرّم و شاداں رواں تھے، مگر جانِ عالم جذبِ محبّتِ ملکہ سے کبھی یہ کہتا [تھا]۔ شعر

بہ سامانِ سفر باخود دلِ رنجیدہ دارم
بہ کف چیزے کہ دارم دامنِ برچیدہ دارم

ورودِ لشکرِ فیروزی اثر دیارِ ملکہ مہر نگار میں، پیر مرد کی ملاقات، انجمن آرا اور ملکۂ مہر نگار کی دو بدو گفتگو، پھر جانِ عالم کا نکاح، بعد رخصت بصد شوکت و حشمت

مشاطۂ خامہ نے عروسِ [دلفریب] سخن کو بصد زیب و زینت حجلۂ بیان میں یوں جلوہ آرا کیا ہے کہ [بعد قطعِ منازل و طے مراحل] جس روز ورودِ لشکرِ فیروزی اثر، [باکرّ و فر] ملکۂ مہر نگار کے باغ سے قریب ہوا، خبر داروں نے یہ مژدۂ جاں بخش فوراً ملکہ کو پہنچایا کہ: "[شہزادے کی عمر و دولت دراز]، مبارک ہو شہزادہ [جانِ عالم مع الخیر] تشریف لایا۔"

بسکہ غمِ مفارقت سے تاب و طاقت طاق، [زندگی شاق] تھی، سنتے

ہی [اس مشتاق کو] غش آیا، پھر سنبھل کے یہ فرمایا: "بختِ خفتہ کب بیدار ہوتا ہے، ایسا پاؤں پھیلائے [خوابِ غفلت میں] سوتا ہے، اور جو میرا دل بہلانے کو یہ کہتے ہو تو سن لو۔ مؤلّف

تفریح گلفتوں کی ترغیب ہے لا حاصل
بہلانے کی باتیں ہیں یہ دل کبھی بہلتے ہیں

چندے جو یہی لیل و نہار ہے، تو قصّہ فیصلہ ہے؛ تدبیر خلافِ تقدیر سراسر [زائد و] بے کار ہے۔ مؤلّف

گر اس کے ہجر میں یوں ہی اندوہ گیں رہے
تو ہوئے گا وصال دلا! یہ یقیں رہے
ہے احتیاط شرط کر اس چشمِ تر پہ آہ
دامن رہے رہے نہ رہے آستیں رہے
مدفن کا اپنے ہم کو تردد ہو کس لیے
کوچے کی تیرے یار سلامت زمیں رہے
تو گلشنِ وصال کی کر سیر عندلیب
ہم خرمنِ فراق کے بس خوشہ چیں رہے
جو جو کہ انتخاب تھے صفحے پہ دہر کے
ایسے وہ مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہے
کس کی خوشی، کہاں کی ہنسی، کیسا اختلاط
ہم کو نہ چھیڑو تم، کہ وہ اب ہم نہیں رہے
چھوٹا نہ نزع میں بھی خیال اس کا اے سرور
دم بھرتے ہم اسی کا دمِ واپسیں رہے

اس عرصے میں، وہی خواص، دل آرام نام بارہ دری سے نیچے اُتری۔ پھر کہنے لگی۔ "خُدا جانے کہاں سے یہ لشکر [آکر اس دشت میں] اُترا ہے۔"

ملکہ ہنس کے بحیلۂ سیر، خواصوں کے کندھوں پر ہاتھ دھر، ٹھنڈی سانس بھر، کوٹھے پر چڑھی۔ دیکھا تو فی الحقیقت لشکرِ بے پایاں، سپاہ فراواں، [فزوں از حدِ شمار و بیان ہے۔] خیام شاہی استادہ ہیں، چلتے پھرتے سوار و پیادہ ہیں۔

یکا یک شہزادۂ جانِ عالم بہ چند سوار، اسپِ صرصر خرام، رخشِ تیز گام پر سوار نظر آیا۔ [تاجِ سلطانی سر پر کج، شہریاری کی سج دھج۔] پایا تو اُسے بُجھا بُجھا، منزلوں کا مارا، دشتِ غربت کا آوارہ دیکھا تھا، اب حِشم و خدم، جاہ و حشم سے پایا۔ بدن تھرّایا، اعضا اعضا میں رعشہ ہوا، یہ نیا تماشا ہوا۔

اُستاد؎

آتے ہی تیرے چھُٹتا ہے رعشہ سا بدن میں
ہر چند کہ ہیں بیٹھتے ہر لحظہ سنبھل ہم

وہ زرزری پہ چہرۂ پُرغم، مژدۂ وصل کی سُرخی سے بدل گئی، غش سے سنبھل گئی۔ شہزادہ گھوڑے سے اُتر کے سیدھا ملکہ کے باپ کے پاس گیا۔ رسمِ سلام بجا لایا۔ [نذر دی۔] اُس نے دعائے خیر دے کے چھاتی سے لگایا + کہا الله الحمد تمھیں بہ صحت و عافیت الله [تعالیٰ] نے کامیاب دکھایا۔"

پھر انجمن آرا کی سواری آئی، تسلیم بجا لائی۔ پیر مرد نے فرمایا۔ "شہزادی! فقیر کے حال پر کرم کیا، الله بھلا کرے۔"

اُس نے عرض کی۔ "کنیز مُدّت سے حُضور کی، صفت و ثنا ظلِّ سُبحانی کی زبانی سُنا کرتی تھی، آج شہزادے کی بدولت سعادتِ آستاں بوس حاصل

ہوئی" ـــ دو گھڑی بیٹھی پھر عرض کی۔ اگر اجازت دیجیے، ملکہ کی ملاقات سے مسرور رہوں۔"

اُس مردِ حق پرست نے فرمایا۔ "بابا! اس کا پوچھنا کیا، بے تکلف خانہ، خانۂ شما است۔"

جانِ عالم [تو] رخصت ہو کے خیمے میں آیا۔ انجمن آرا نے ملکہ کے مکان کا رستا لیا۔ آنے کی خبر ملکہ کو پیشتر پہنچی تھی۔ سامان اُس اُجڑے مکان کا [سب] دُرست ہو چکا تھا، جب سواری اُتری، لبِ فرش لینے کو آئی، تسلیمات سلام کیا۔ انجمن آرا نے گلے سے لگا لیا۔ ملکہ آبدیدہ ہو کے بولی۔ "تم نے مجھے محجوب کیا۔ میں فقیر کی بیٹی، تم شہزادی۔ ہر چند شاہ و گدا دونوں بندۂ خدا ہیں، الٰہی تمھارے قدم آنکھوں پر رکھوں تو بجا ہے۔ آپ کے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے۔"

انجمن آرا بولی۔ ہم نے خوب کیا، رنڈی یہ چوچلے کی باتیں، بیگانہ وار نہ کرتی، تو کیا ہوتا۔ اے صاحب! ہمارے تمھارے تو رشتۂ ہمسری، سررشتۂ برابری ہے اور حساب کی راہ سے تو پہلے سلامتی سے تمھیں ہو۔ ہمیں تو سرکار کا اُلش ملا ہے، پہلے مزہ آپ نے چکھا ہے، جو ہم لوٹا ہے۔"

غرض کہ دونوں دوگانیں ہو گئیں۔ پھر اختلاطِ حرف و حکایات، رمز و کنایہ شب بھر رہے۔ [باتوں باتوں میں سحر ہوئی۔] جس وقت عروسِ شب نے مقنعۂ مغرب میں منھ چھپایا اور نوشاہ، روز مشرق سے نکل آیا۔ انجمن آرا، [رخصت ہو،] جانِ عالم کے پاس آئی، [ماجرائے شب بزبان لائی۔] تعریف اخلاق و محبت ملکہ کا مذکور کیا کہ [بخدا] اس صفت کی عورت آج تک دیکھی نہ [سنی] تھی۔

دوسرے دن جانِ عالم نے ملکہ کے باپ سے عرض کی کہ اَلکَرِیمُ اِذَا

وَعَدَ وَفَی[1]

اس سالکِ راہِ حق نے ارشاد کیا۔ "ہم اس لائق کہاں ہیں، لیکن۔ مصرع
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا — تم قول کے پورے، اقرار کے سچّے
ہو۔ بسم اللہ اپنے زمرۂ کنیزاں میں، سرفراز کرو" [آبرو بخشو۔] شادی کا نام لینا
[تو] منھ چڑاتا ہے، [کہ] نہ اب وہ ہم ہیں، نہ ہمارا زمانہ ہے"۔

آخرش [اُسی دن] بہ طورِ [حکم] شرع شریف، ملکہ کا نکاح، جانِ عالم
کے ساتھ ہوا۔ اب یہ معمول [مقرر] ہوا کہ ایک شب انجمن آرا کی، دوسری رات
ملکہ [مہر نگار] کی ملاقات ٹھہری۔ اور ان دونوں میں وہ راہ و رسم، محبت و اُلفت
کی بڑھی کہ شہ زادے کی عاشقی نظر سے گر گئی، نظری ہوئی۔ یہ سچ ہے جو طرفین
سے تجیب الطرفین ہوتے ہیں، ان میں رشک و حسد، رنج و ملال، دخل نہیں
پاتا۔ [شکوہ و شکایت لب تک نہیں آتا۔] کٹی جلی، ڈاہ، بُغض، عداوت سے
[خوانخواہ ہر دم] کج بحثی، دانتا کِل کِل، روز کی تو تو مَیں مَیں، چھوٹی اُمت
پر ختم ہے۔ لاکھ طرح اُنھیں سمجھاؤ، نشیب و فراز دکھاؤ، لیکن ان لوگوں سے
بے جھونک جھانٹا [گھڑی بھر چین سے] نہیں رہا جاتا۔ [آخرکار یہ ہوتا ہے کہ
آدمی سر پکڑ کے روتا ہے] دو دن ایک طرح پر صحبت برابر نہیں آتی ہے۔ زندگی
انسان کی تلخ ہو جاتی ہے۔ لاکھ طرح کا غم ہوتا ہے، ناک میں دم ہو جاتا ہے۔

مؤلّف —

عشق میں طرفین سے اُلفت برابر چاہیے
جو بہ دل بندہ ہو اُس کا بندہ پرور چاہیے

---

[1] شریف جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔

داستانِ حیرت بیان، رُخصتِ جانِ عالم، پیر مرد کا عمل بتانا، چلتے وقت وزیر زادے کا مِل جانا، انجمن آرا کے میلان سے شہزادہ کو بندر بنانا، اس بیچارے کا ہزاروں مُصیبت اُٹھانا، پھر مع الخیر صحت پانا

[نظم]

مصیبت نگارو مصائب رقم | جگر چاک و مغموم میرا قلم
زمانے کے کچھ طرز لکھتا ہے یاں | عجائب غرائب ہے یہ داستاں
مری بات یارو نہ یہ کرنا یقیں | کسی کا کوئی دوست مطلق نہیں
جو یہ دوست ہیں ایسے دشمن کہیں | نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں ہیں نہیں
کیا امتحاں میں نے اکثر سرور | ضرورت کی کچھ دوستی ہے ضرور

قصّہ کوتاہ، چندے شہ زادہ والا جاہ، وہاں رہا۔ ایک روز یہ سب عاشق و معشوق باہم، [خوش و خُرّم] بیٹھے تھے۔ جانِ عالم نے کہا۔ "ہمیں وطن چھوڑے عزیزوں، [یگانوں] سے مُنھ موڑے، عرصہ ہوا۔ ہنوز منزل دُور ہے، اب چلنا ضرور ہے۔"

وہ دونوں نیک خو، رضا جو، بولیں۔ "بہت خوب!"

اسی روز حرفِ رُخصت، ملکہ کے باپ سے درمیان آیا۔ اُس نے بھی روکنا مناسب نہ جانا۔ سفر کی تیاری ہوئی۔ بزمِ رُخصت اس قدر مال و اسباب نقد و جنس کی قسم سے شہ زادے کو ملا کہ انجمن آرا کا جہیز بھُول گیا۔ اور وقتِ وداع پیر مرد نے بہ دلِ پُر درد جانِ عالم سے کہا۔ "فقیر کے پاس [آپ کے لائق]

کچھ نہ تھا، جو پیش کرتا، مگر ایک نکتہ بتاتا ہوں، جب [کہ] امتحان ہوگا، خزانۂ قارون سے زیادہ کام آئے گا [راست دروغ خاطرنشاں ہوگا، لطف مل جائے گا۔] اگر احتیاط کروگے۔"

پھر چند فقرے تنہا لے جاکے، بتاکے باتاکید اکید کہا۔ "اگر یہ مُقدمہ حقیقی بھائی سے اظہار کروگے، [کھو گے] یاد رکھو حضرت یُوسف [علیہ السّلام] سے زیادہ صدمے سہو گے۔ زمانے کے اخوان الشیاطین پُر از کید، آمادۂ کین ہیں۔ اسی سبب سے دنیا میں راز کہنا بُرا ہے، چُپ رہنا بھلا ہے۔ [دانش مند زبان بند رکھتے ہیں، راز اپنا نہیں کہتے ہیں۔] یہ نکتہ حضرت آدم علیہ السّلام کے وقت سے سب کو یاد ہے، [کہ] دنیا میں برادرِ حقیقی دشمن مادر زاد ہے۔ فرد ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی

بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے ؎

[یہ سب سمجھا کے] پھر انجمن آرا پاس آ فرمایا: "شہزادی! فقیر زادی کنیز کو عزیز جان کے، نظرِ الطاف و کرم ہر دم رکھنا، یہ بھی خدمت گزاری میں قصور نہ کرے گی، اسے تم کو سونپا، تمھیں حافظِ حقیقی کے سپُرد کیا، لو خدا حافظ [ہے۔"]

سواری در سے تیار تھی، لوگوں پر ثابت تھا، کہ کوئی امرِ پوشیدہ درویش باوقار شہزادے پر بہ تکرار اظہار کرتا ہے۔ اتفاقاتِ زمانہ، اُسی روز وزیر زادہ، جو وطن سے ساتھ نکل ہرن کے پیچھے، گھوڑا پھینک، دشت ادبار میں شہزادے سے جُدا ہوا تھا، سرگشتہ و پریشان پھرتا پھرتا، پیادہ پا، [اُس

؎ بہ تغیر الفاظ یہ شعر میر سوز کا ہے۔ اردوئے معلّی میر سوز نمبر صفحہ ۹۱

روز [اُدھر آ نکلا۔ اُس نے جو یہ لشکرِ جرّار اور قافلہ تیار دیکھا، پوچھا۔ " [یہ] کس کی سواری ہے، کہاں کی تیاری ہے۔"؟

لوگوں نے تمام جانِ عالم کا قصّہ سُنایا۔ یہ خوش ہوا، جی میں جی آیا۔ پوچھا۔ "شہ زادہ کہاں ہے؟"

وہ بولے۔ "پیر مرد جو یہاں کا مالک ہے، [کامل ہے، عامل ہے،] فقیر سالک ہے۔ کچھ کہنے کو [تنہا] جدا لے گیا ہے۔"

اس عرصے میں جانِ عالم رُخصت ہو کے سوار ہوا۔ [سلامی کی توپ چلی، نقارہ نواز نے ڈنکے پر چوب دی]۔ وزیر زادے نے [اُسی ہڑبڑ میں] دوڑ کر مُجرا کیا۔ شہ زادے نے گھوڑے سے کود کے گلے لگایا۔ [خوب پیار کیا،] دیر تک نہ چھوڑا۔ اُسی دم لباسِ فاخرہ پہنا، ہمراہ سوار کیا۔ راہ میں سرگزشتِ تفرقہ کہتا، سُنتا چلا۔ جب خیمے میں داخل ہوا، وزیر زادے کو محل سرا میں طلب کیا۔ انجمن آرا اور ملکہ [مہر نگار] کو نذر دلوا کے کہا۔ "یہ وہی شخص ہے، جس کا الم مفارقت مدام دل میں کانٹا سا کھٹکتا تھا، جی سینے میں [تنگ آمد و شُد میں دم] اُلجھتا تھا۔ دیکھو جب اچھے دن آتے ہیں، [بے تلاش] بچھڑے مل جاتے ہیں۔ جس دن گردوں نے ہمیں آوارۂ دشت ادبار کیا تھا، جدا ہر ایک دوستدار و غمخوار کیا [تھا] اب ساعدتِ بخت سے ایامِ سخت دُور ہوئے، ہم بجھوڑ ہوئے۔"

[اب] وزیر زادے کا حال سُنو۔ انجمن آرا کا حُسن و جمالِ بے مثال دیکھ دیوانہ ہو، ہوش و حواس، عقل کھو، نمک حرام بنا، وصل کی تدبیر میں پھنسا۔ اُستاد:

یار اغیار ہو گئے اللہ کیا زمانے کا انقلاب ہوا

ایضاً

خُدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا
کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے

دو چار گھڑی یہ صُحبت رہی، پھر اپنے اپنے خیمے میں گئے۔ وزیر زادے کے واسطے خیمۂ عالی استادہ ہوا۔ پھر جتنی جلیسیں انیس حسین مہ جبین، دونوں شہزادیوں کے ہمراہ تھیں، اُسے دِکھا فرمایا۔۔۔"جس [کی] طرف تیری رغبت ہو، [اُسے] سپرد کروں، تا دِلوا دوں۔"

وہ نطفۂ حرام اور خیال میں تھا۔ [یہ بات مطلب کے خلاف سمجھا] عرض کرنے لگا۔"میری کیا مجال ہے، اور کیا تاب و طاقت ہے، جو اُنھیں بُری نگاہ سے دیکھوں۔"

جانِ عالم [اس حرکتِ وضعی سے] بہت رضا مند ہوا، کہ [یہ] بڑا نیک طینت، صاف باطن ہے۔ بہ اسبابِ ظاہر اس نظر سے زیادہ مدِّنظر ہوا، دل میں گھر ہوا۔ تمام صعوبتیں حالاتِ سفر، رنجِ راہ، نفع و ضرر، [قریہ و شہر کا گُزر] شہزادے نے بیان کیا۔ مگر جب پیرمرد کے مشورے کا ذکر آتا، ٹال جاتا۔ وہ سمجھا اس میں کچھ بھید ہے۔

ایک روز ملکۂ مہر نگار اور انجمن آرا نے متّفق [اللفظ] ہو کر، جانِ عالم سے کہا۔"یہ نیا ماجرا ہے، ہر دم ایک شخصِ غیر اور جوان کو شریکِ صحبت، خلا ملا رکھنا، کیا مناسب ہے اور دابِ سلطنت سے بھی یہ امر بعید ہے۔ شیطان کو انسان دُور نہ جانے، غیر تو کیا اپنے کا اعتبار نہ مانے۔"

جانِ عالم نے کہا۔"پھر ایسا کلمہ زبان پر نہ لانا، [تم نے اتنا نہ سمجھا...] اُس نے تمھاری لونڈیوں کا پاس کیا، نہ کہ تمھارا حفظِ مراتب [...] ایسا

بیہودہ نادان نہ تھا، جو خلافِ وضع حرکت کرتا، [اور نہ سمجھتا۔"]

ملکہ یہ سُن کے ہنسی، انجمن آرا سے مخاطب ہو کے کہا۔ "برائے خدا انصاف تو کیجیے، خاطر کی نہ لیجیے۔ ان کے حُمق میں کسی بے وقوف کو تامّل ہو گا۔ آپ اگر عقل کے دشمن نہ ہوتے، تو کیوں حوض میں کُودتے۔ ساحرہ کی قید میں پھنستے، نام ڈبوتے۔ لو بھلا سچ کہو، شرمندہ نہ ہو، جی میں [اپنے] کیا سمجھے تھے، جو کود پڑے؟ ذرا یہ خیال نہ آیا، غوّاصِ فکر کو محیطِ تامّل میں غوطہ زن نہ فرمایا، کہ کہاں انجمن آرا، کُجا جنگل کا حوض۔ وہ اُس میں کیوں کر آئی۔ نہ از نسلِ شاہی تھی، یا شریکِ سلسلہ ماہی، [واہی تباہی] تھی۔"

جانِ عالم [یہ کلمہ سُن کے] کھسیانہ ہو گیا، کہنے لگا: "بات اور [ہوتی ہے،] مسخراپن اور [ہوتا ہے۔] کہاں کا ذکر، کس جگہ [لا کے] ملایا۔ میری حماقت کا موقع خوب تمھارے ہاتھ آیا، [جسے سند بنایا۔] یہ تو سمجھو، شعر

عشق ازیں بسیار کردست و کند
سُبحہ را زُنّار کردست و کند

اُستاد:

کہتے ہیں جسے عشق وہ از قسمِ جنوں ہے
کیوں کر کہ حواس اپنے میں پاتے ہیں خلل ہم

بھلا [کچھ] اپنی باتیں تو یاد کرو، دل میں مُنصف ہو۔"

ملکہ نے کہا: "دیکھا آپ شرمائے تو یہ کہانی لائے۔ ہیں [تو] رنڈی ہوں، ناقص العقل سب کہتے ہیں۔ بھلا صاحب! اگر مجھ سے [کوئی] بے وقوفی کی کی ہوتی، تعجب [کی جا] نہیں، [ایسی بڑی خطا نہیں۔] لیکن شکر کرنے [illegible] کہ آپ کا مزاج بھی میرا ہی سا ہے۔"

آخر یہ بات [بڑھ کر] ہنسی میں اُڑ گئی۔ مگر وہ مکار [نُطفہ حرام] ہر کوچ و مقام میں وقت کا منتظر تھا۔ ایک روز غم اندوز شہزادے کا خیمہ، صحرائے باغ و بہار، دشت لالہ زار، مگر ہمہ تن خار خار، پُر آزار میں ہوا۔ فضائے صحرا نے کیفیت دکھائی، پھولوں کی خوشبو دماغ میں سمائی۔ جا بجا چشمے رواں دیکھ کے، یہ لہر آئی کہ تنہا وزیرزادے کا ہاتھ پکڑ، کر لبِ چشمہ جا بیٹھا۔ کشتی شراب کی طلب فرمائی۔ جس دم جانِ عالم کی آنکھوں میں سُرور آیا، اختلاط [ہونے لگا ہر طرح] کا زبان پر مذکور آیا۔ اُس دغا شعار، غدار، [پُر فن مکار] نے وقتِ تنہائی، صحبتِ بادہ پیمائی، نشے کی حالت، غنیمت جانی، رونے لگا۔

شہزادے نے ہنس کر کہا۔ "خیر ہے؟"

وہ بولا۔ "جو جو شرطِ رفاقت، حقِ خدمت، دنیا میں ہوتا ہے، غلام سب بجا لایا، مگر محنت و مشقتِ غریب الوطنی، دشت نوردی کا عوض خوب بھر پایا۔ جب آپ سا قدر دان بات کو چھپائے تو پھر اور کسی سے کس بات کی اُمید رہے۔"

جانِ عالم نشے میں انجام کار نہ سوچا۔ اُس تیلسون کے رونے سے بے چین ہو گیا۔ کہا۔ "اگر تجھے یہی امر ناگوار ہے تو سُن لے جو اسرار ہے۔ مجھے لکہ کے باپ نے یہ بات بتائی ہے کہ جس کے قالب میں چاہوں، اپنی روح لے جاؤں۔"

اُس نے پوچھا کہ "کس طرح۔"؟

شہزادے نے [سب] ترکیب بتا دی۔ جب وہ سیکھ چُکا، بولا۔ "غلام کو بے امتحان غلطی کا گمان ہے۔"

[شہزادے نے کہا: "اثبات اس بات کا آسان ہے۔" پھر بادشاہ زادہ اُٹھ کر جنگل کی طرف چلا۔ چند قدم بڑھ کر، [ایک] بندر مُردہ دیکھا۔ کہا: "دیکھیں اس کے قالب میں جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر زمین پر لیٹا، بندر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وزیر زادے کو تو سب ڈھنگ یاد ہو گیا تھا، فوراً وہ کور نمک زمین پر گرا، اور اپنی روح جانِ عالم کے قالبِ خالی میں لا کے کھڑا ہوا۔ اور کمر سے تلوار نکال، اپنا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں پھینک دیا۔ [یہ غضب بڑا ہوا!] شہزادے کا نشہ کرکرا ہوا۔ سمجھا بڑی خطا ہوئی۔ از ماست کہ بر ماست، خود کردہ را علاجے نیست۔ وہ کافر بندر کے پیچھے دوڑا، یہ بے چارہ بھاگ کے درختوں کے پتوں میں چھپا۔ پھر تو بہ دلجمعی تمام، وہ نطفۂ حرام، ہتھکنڈوں پر چھڑک، بے دھڑک ملکہ کے خیمے میں آیا، روتا پیٹتا چلایا۔ کہا: "اس وقت ظلم کا حادثہ ہوا، میں وزیر زادے کے ساتھ سیر کرتا تھا، یکایک جنگل سے شیر نکلا، اُسے اٹھا لے چلا۔ ہر چند میں نے جاں بازی سے شیر کو تہِ شمشیر کیا، زخمی ہوا، مگر اُسے نہ چھوڑا، لے ہی گیا۔"

ملکہ نے [بھی] تاسف کیا۔ سمجھایا کہ "قضا سے کیا چارہ، اُس کے مقدر میں یہی حیلۂ مرگ تھا۔"

پھر انجمن آرا کے پاس گیا، وہاں بھی یہی اظہار کیا۔ الا گھبرایا ہوا، باہر چلا گیا۔

ملکہ انجمن آرا کے خیمے میں آئی، وزیر زادے کا مذکور [دیر تک] آپس میں رہا۔ لیکن ملکہ کو قیافہ شناسی کا بڑا ملکہ تھا۔ پریشان ہو کر یہ کلمہ کہا: "خدا خیر کرے آج بہت شگونِ بد ہوئے تھے۔ صبح سے دہنی آنکھ پھڑکتی تھی۔ راہ میں ہرنی اکیلی رستا کاٹ، میرا منہ تکتی تھی، اپنے سامنے سے بھڑکتی تھی۔ خیمے میں اُترتے وقت دیکھا تھا۔ تم بھی فضلِ الٰہی سے عقل و شعور رکھتی ہو۔ آج کی حرکتیں شہزادے کی

غور کرو، خلاف سعادت ہیں یا مجھی کو وہم بیجا ہے۔"

انجمن آرا نے جواب دیا۔ "تم جانتی ہو، وزیر زادے سے کیسی محبت تھی۔ رنج والم بُرا ہوتا ہے، بدحواسی میں [اور] کیا ہوتا ہے۔"

القصہ وہ شب ملکہ کے پاس رہنے کی تھی۔ اسے اندر کا حال کیا معلوم تھا۔ طبیعت کے لگاؤ سے انجمن آرا کے خیمے میں گیا۔ جس وقت پہر بجا، ملکہ [انتظار کرکے] وہاں گئی، دیکھا کہ شہزادہ مضطرب بیٹھا ہے۔ مگر اُس نے پوچھا۔ "آج کہاں آرام کرو گے؟"

وہ جھجک کے بولا۔ "جہاں تم کہو۔"

ملکہ نے کہا۔ "یہیں سو رہو۔"

اُس نے کہا۔ "بہت خوب۔" یہ کلمہ بھی خلاف دستور ظہور میں آیا۔ اُس کا خوب کہنا، ملکہ نے بُرا مانا۔ [پھر] انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمے میں لائی۔ رونی بیٹی چلائی۔

انجمن آرا بولی۔ "ملکہ خدا کے واسطے کچھ مفصل بتاؤ۔"

وہ بولی۔ "غضب ہوا، قسمت اُلٹ گئی۔ شہزادے سے چھوٹ گئی۔ خدا کی قسم یہ جانِ عالم نہیں۔"

وہ بھی شہزادی تھی، گو سیدھی سادی تھی۔ کہا۔ "درست کہتی ہو، بہت سی باتیں اُس نے آج نئی کی ہیں۔"

ملکہ نے کہا۔ "خیر اب جو ہو سو ہو، تم یہیں سو رہو۔" پھر جسنوں اور ترکنوں سے فرمایا۔ "ہم سوتے ہیں، تم درِ خیمہ پر مسلح جاگو، [خبردار] اس وقت شہزادہ وہ کیا، اگر فرشتہ آئے بار نہ پائے۔"

یہ خبر سُن کے وہ نامرد ڈرا، اکیلا اور خیمے میں جا پڑا۔ ایک ڈر دو طرف

ہوتا ہے۔

ملکہ نے کہا۔ "دیکھا اگر جانِ عالم ہوتا، کبھی اکیلا نہ سوتا، بے تامل چلا آتا۔ بدمزگی کا باعث، خفگی کا سبب پوچھتا، اسے کس کا ڈر تھا؟ اس کا تو گھر تھا۔"

انجمن آرا کہنے لگی۔ "صورت تو وہی ہے۔"

اُس وقت ملکہ نے ماجرا غیر کے قالب میں [اپنی] رُوح لے جانے کا، زمِ رُخصت، اپنے باپ کے بتانے کا مفصل بتایا، پھر کہا کر "یہ حال وزیر زادے سے کہا ہوگا، یہ فساد اس کا ہے، ہمیں اس کی چتون پر [روزِ] اول شک آیا تھا، سامنے لانے کو منع کیا تھا، سمجھایا تھا، وہ نادان ہمارا کہنا خاطر میں نہ لایا، اُس کا مزہ پایا۔ [آپ تو جانے کس مصیبت میں مبتلا ہوا ہم کو موذی کے چنگل میں پھنسایا ہے۔]

القصہ وہ شب کہ شبِ اولینِ گور تھی، رونے پیٹنے میں کٹی۔ انجامِ کار کا [اس نابکار کے خوف سے] تردّد و تفکر رہا کہ دیکھیے شیشۂ ننگ و ناموس سنگِ ظلم سے کیوں کر بچتا ہے، اور [ہر بار] یہ کہتی تھیں۔ اُستاد

کسے تیغِ جفائے چرخ سے امید ہنسنے کی

جو ہووے بھی تو ہاں شاید دہانِ زخم خنداں ہو

اسی فکر و اندیشے میں صبحِ قیامت نمود ہوئی۔ سواری ڈیوڑھی پر موجود ہوئی۔ کوچ ہوا۔ خبرداروں نے اس بیٹے شہ زادے سے عرض کی۔ "یہ سرزمین غضنفریہ ہے، یہاں سے پانچ کوس شہر ہے۔ حاکم یہاں کا غضنفر شاہ زرہ پوش ہے۔ [سوار و پیادہ کے سوا، پچاس ہزار غلام جنگ آزمودہ، حلقہ بگوش ہے۔"]

حکم کیا کہ "خیمہ ہمارا شہر کے قریب ہو"۔ کارپرداز حسب الارشاد عمل میں لائے۔ جب شہ زادیاں خیمے میں داخل ہوئیں، خود آیا۔ اِدھر یہ بے چاریاں ڈر سے بہ دلِ صد چاک، اُدھر ملکہ کے رعب سے وہ بچا بھی خوفناک۔ [ایک] ساعت بھر بیٹھ، کے اُلٹا گیا۔

جب غُلغلۂ فوج اور آمدِ لشکر، وہاں کے بادشاہ نے سُنا کہ لشکرِ بے شمار، سپاہِ جرّار، شہر کے متصل آ پہنچی۔ اُسے بہت تشویش ہوئی۔ وزیر خوش تدبیر کو چند تحفے دے کر استفسارِ حال، بظاہر استقبال کو بھیجا، تا ملازمت حاصل کر کے، مِن و عَن حضور میں عرض کرے۔ وزیر حاضر ہوا۔ عرض بیگیوں نے خبر پہنچائی، وہ تو [طرزِ رزم و بزم، آئینِ صلح و جنگ،] دابِ سلطنت، ریاست کا رنگ ڈھنگ جانتا تھا، وزیرِ اعظم کا بیٹا تھا، رو برو طلب کیا۔ بعدِ ذکر و اذکارِ ہر شہر و دیار، اپنا سببِ آمد، بہجتِ سیر و شکار، اور اچھا ہونا آب و ہوا اس جوار کا، اور دیکھنا یہاں کے شہر و شہریار کا، بیان کیا۔ دمِ رُخصت خلعتِ فاخرہ، وزیر کو عنایت ہوا، اور یہ طرزِ دوستانہ کچھ ہدایا بادشاہ کو روانہ کیا۔

جب وزیر اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حُسنِ اخلاق، دبدبہ، شوکت و صولت، آئینِ سلطنت، [ہمّت،] رعب و جرأت کا اس کے اس رنگ ڈھنگ سے ذکر کیا، کہ وہ بادشاہ بے ساختہ مُشتاق ہو کر سوار ہوا۔ خیر داروں نے اس حال سے [بھی] مطلع کیا۔ ارکانِ سلطنت، وزرا، اُمرا، بخشی، سپہ سالار پیشوائی کو گئے۔ جب قریب پہنچا، خود درِ خیمہ تک آیا۔ معانقہ کر، دونوں تخت پر جا کر بیٹھے۔ سلسلۂ کلامِ بلاغت نظام طرفین سے کھُلا۔ وہ بھی اس کی صورت پر غش ہو گیا۔ فصاحت پر

عیش عشق کرتا رہا۔ بصد تکرار شہر کا مکلّف ہوا۔ جلد جلد عمارات شاہی، سجے سجائے خالی ہوئے۔ اس کو اُتارا۔ لشکر وہیں رہا۔ پھر حسب طلب ملکہ، وانجمن آرا، ہر چوک و دو محلسرا برابر خالی ہوئے۔ اس میں وہ ناموسِ سلطان مُضطر و حیران داخل، بصد خستہ حالی ہوئے۔ چند روز دعوت کے جلسے رہے۔ جب فُرصت ملی؛ دل میں سوچا اگرچہ [شہزادہ] جانِ عالم بندر ہے۔ الّا اس کے جینے میں اپنی مرگ کا خوف و خطر ہے۔ ایسی تدبیر نکالیے کہ اسے جان سے مار ڈالیے۔ پھر بے کھٹکے آرام صُبح شام کیجیے۔ ملکہ سے ڈرتا تھا، پیر مرد کے نام لینے سے مرتا تھا۔ جیسے چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ یہ سوچ کے حُکم کیا۔ "ہمیں بندر درکار ہیں، جو لائے گا دس روپے پائے گا۔"

اہلِ شہر ہزاروں بندر پکڑ لائے۔ جو سامنے آتا، بغور دیکھ کے سر تڑواتا۔ تھوڑے عرصے میں بہت بندر، اس سفّاک نے ہلاک کیے۔ جب بندر کم ہوئے، دام بڑھے۔ بعد یکہ فی بندر سو روپے مُقرر ہوئے۔ دو کوس چار کوس گرد و پیش نام و نشان نہ رہا، بندر عنقا ہو گیا۔ چنانچہ وہیں کے بھاگے ہوئے آج تک متھرا، بندرابن اور اودھ بنگلے میں خستہ تن ہیں۔ بلکہ اس زمانے میں بندرابن بالفتح تھا، اب عرصہ دراز گزرا، بندروں کی وہ کثرت جو نہ رہی۔ اس کسر سے یہ لفظ بالکسر خلقت کہنے لگی۔

غرض کہ شہر میں ہر طرف غُلغُلہ ہوا۔ سب کی یہی معاش ہوئی، ہر شخص کو بندر کی تلاش ہوئی۔ ایک چڑیمار تہ دیوار سرا اُس بستی میں بستا تھا، مگر محتاج مفلوک، بہزار جستجو و تگا پو، تمام دن کی گردش میں، دس پانچ جانور جو ہاتھ آجاتے، دو چار پیسے کو بیچ کر، جورو خصم روٹی کھاتے۔ اگر خالی پھرا، فاقے سے پیٹ بھرا۔ ایک روز اس کی جورو کہنے لگی۔ "تو سخت احمق ہے، دن بھر

جانوروں کی تلاش میں دَر دَر خاک بسر، اُتو سا دیوانہ، ہر ایک ویرانہ جھانکتا پھرتا ہے۔ اس پر جو روٹی ملی، تو لتا بدن پر ثابت نہیں۔ کسی طرح اگر بنو مان کی دیا سے ایک بندر بھی ہاتھ آئے تو برسوں کی فرصت ہو جائے۔ [دِلدّر دُور ہو جائے۔]

لالچ تو بُرا ہوتا ہے، وہ راضی ہو گیا، کہا: "کہیں سے آٹا لا، روٹی پکا، اور جس طرح بنے، تھوڑے چنے بہم پہنچا۔ صبح بندر کی تلاش میں جاؤں گا، نصیب آزماؤں گا۔"

اُس نے مانگ جانچ وہ سامان کر دیا۔ دو گھڑی رات رہے، چڑیمار جال، پھٹکی، چھینک، لاسا کُپا چھوڑ، ٹٹی جو وہ دھوکے کی تھی، اُسے توڑ۔ روٹی چنے اور رسّی لے کر چل نکلا۔ شہر سے چھ سات کوس باہر نکل، درختوں میں ڈھونڈھنے لگا۔

وہاں شہزادے کا حال یہ تھا کہ اُس نے جس دن سے بندر پکڑتے لوگوں کو دیکھا تھا، اور سر تڑوانے کا حال سُنا تھا، بدحواس، پریشان، زلیت سے یاس، سراسیمہ، حیران، ہر طرف چھپتا پھرتا تھا، [ضعف و نقاہت سے ہر قدم پر اُلجھ کے گرتا تھا۔] کہ مُبادا کوئی پکڑ لے جائے، زندگی میں خلل آئے۔ اُس روز کئی دن کا، بے آب و دانہ، خستہ و خراب، ضُعف و نقاہت سے ایک درخت کی کول میں غش ہو کے گر پڑا تھا۔ چڑیمار نے دیکھ لیا، دبے پاؤں آ کے گردن پکڑی۔ اُس نے آنکھ کھولی، گلا دستِ قضا میں پایا۔ جینے سے ہاتھ اُٹھایا یقین [کامل] ہوا زیست اتنی تھی، آج پیمانۂ بقا بادۂ اجل سے لبریز ہو کر چھلکا۔ پکارا کہ "اے گردون دوں! اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔[1]" چڑیمار نے کمر سے رسّی کھول [کے] مضبوط باندھا، پھر

---

[1] حاشیہ صفحہ ۲۳۴ پر

شہر کا رستا لیا۔ تھوڑی دُور چلی، بندر نے کفِ افسوس مل [اُس سے] کہا۔ "اے شخص! کیوں خونِ بے گناہ راندۂ درگاہ [بندۂ اللہ] اپنی گردن پر لیتا ہے۔ مُصیبت زدے کو اور دُکھ دیتا ہے۔"

وہ بولا۔ "کیا خوب! تو باتوں سے مجھے ڈراتا ہے، اگر دیو، بھوت، جن، آسیب، جو بلا ہے، بلا سے، مگر تیرا چھوڑنا ناروا ہے۔ آج [ہی تو] قسمت آزمائی [عجب چیز رام جی نے دلوائی] قسمت بغیر ترقبہ ہاتھ آئی۔ تجھے بادشاہ کو دوں گا، سو روپے لوں گا" [بکھیڑا بھگتوں گا،] چین کروں گا۔"

یہ سُنتے ہی سُن ہو گیا۔ رہی سہی جان قالب سے نکل گئی۔ ہرچند منت و سماجت سے کہا۔ "لالچ کا کام بُرا ہوتا ہے۔" کچھ کام نہ آیا، چڑیمار نے جلد جلد قدم بڑھایا، قریبِ شام شاد کام گھر آیا۔

جورو سے کہا۔ "اچھی ساعت گھر سے گیا تھا، طائرِ مطلب بے دام و دانہ خواہش کے جال میں پھنسا۔" یہ کہہ کے خوب ہنسا۔

[اب] دو کلمے یہ سُنیے۔ جس دن شہزادہ گرفتارِ بلائے تازہ ہوا، یعنی [اُس] بحر چڑیمار کے دامِ حرص میں پھنسا، ملکہ دل گرفتہ خود بخود گھبرائی، رو رو کے یہ بیت زبان پر لائی۔ اُستاد ؎

ہوئی کیا وہ تاثیر اے آہ تیری
تھی آگے تو کچھ بیشتر آزمائی

(حاشیہ صفحہ ۲۳۳)

۱؎ سورۂ البقرہ۔ پارہ ۲۔ آیت ۱۵۶

ہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں۔

انجمن آرا نے کہا: "تم نے سُنا، یہ کم بخت بندر پکڑوا کے سر کچلواتا ہے۔ یقین جانو جانِ عالم اسی مصیبت میں پڑا ہے۔ اور آج خدا خیر کرے، صبح سے بے طرح دلِ ناکام کو اضطراب ہے۔ جان ڈر کو پیچ و تاب ہے۔ گھر کاٹتا ہے، غم کلیجا چاٹتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ پکڑا گیا، یا کوئی اور آفتِ تازہ ستمِ نو بے اندازہ، چرخِ کہن دکھائے گا، ہنسی کے بدلے رُلائے گا۔ میر

جس سے جی کو کمال ہو اُلفت
جس کی جانب دُرست ہو نسبت
یار کو دردِ چشم اگر ہو وے
چشمِ عاشق لہو سے تر ہو وے
جنبش اس کی پلک کو گر واں ہو
دل میں یاں کاوش اک نمایاں ہو
واں دہن تنگ، یاں ہے دل تنگی
حُسن اور عشق میں ہے یک رنگی[1]

انجمن آرا نے جھنجھلا کے کہا: "اس سے اور افزوں کیا دُنیا میں تباہی اور خرابی ہوگی؟ شہر چھٹا، سلطنت گئی، ماں باپ عزیز و اقربا کی جدائی نصیب ہوئی۔ (مگر) تا اِز چشمِ دل و جگر آبلے پڑے ہیں، جان کے لالے پڑے ہیں۔ مصحفی

مرض الموت سے کچھ کم نہیں آزار اپنا
دل میں دشمن کے بھی یارب نہ چبھے خار اپنا

---

[1] مثنوی دریائے عشق

اور جس کے واسطے آوارہ و سرگشتہ ہوئے، یہ صدمے سہے، نحوستِ بختِ نافرجام، گردشِ ایّام سے اُسے کھو بیٹھے، وطن سے ہاتھ دھو بیٹھے. اب رَضِینَا بِالقَضَاءِ[1] مرضیِ مولیٰ، از ہمہ اولیٰ. ناسخ ؎

مجھے فُرقت کی اسیری سے رہائی ہوتی
کاش عیسیٰ کے عوض موت ہی آئی ہوتی

ابرِ رحمت سے تو محروم رہی کِشت مری
کوئی بجلی ہی فلک تو نے گرائی ہوتی

ہوں وہ غمِ دوست کہ سب بیٹے ہی دل میں بھرتا
غمِ عالم کی اگر اس میں سمائی ہوتی

[یہ کہہ کے چُپ ہو رہی ۔]

یہاں تو یہ باتیں تھیں، اُدھر چڑیمار کی جورو، چراغ لے کے بندر کو دیکھنے لگی۔ بندر سوچا، وہ کمبخت [تا] مرد، بر سرِ رحم نہ ہُوا۔ کیا عجب یہ رنڈی ہے، اگر نرم زبانی سے مذکورِ آفتِ آسمانی سُنے، اور مہربانی کرے، اس خیال سے پہلے [اُسے] سلام کیا۔ وہ ڈری تو یہ کلام کیا: "اے نیک بخت! خوف نہ کر، دو باتیں میری گوشِ دل سے سُن لے۔"

گنواریاں جی کی کڑی بھی ہوتی ہیں۔ بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کے کہا: "کہہ۔"

وہ بولا: "ہم غریب الوطن، گرفتارِ رنج و مُبتلائے محن، گھر سے دُور، قید میں مجبور ہیں۔ ماں باپ نے کس کس ناز و نعم سے [ہمیں] پالا، فلک [تفرقہ

---

[1] قضائے الٰہی پر ہم راضی ہیں۔

پرواز] نے کون کون سی مصیبت دکھانے کو گھر سے نکالا۔ یہاں تک کہ دربدر حیران پریشان کر کے [پردیس میں] بُرے دن دکھائے، کہ تیرے پاس گرفتار ہو کے آئے۔ اُستاد

پیدا کیا خدا نے کسی کو نہیں عبث
لایا مجھی کو یاں پہ جہاں آفریں عبث

اب صُبح کو جب ہم گردن مارے جائیں گے، تب سو روپے تمھارے ہاتھ آئیں گے۔ خُونِ بے گُناہ کی سزا حشر کو پاؤ گی۔ بیکُنٹھ چھوڑ نرک میں جاؤ گی۔ بپیا روپیا ہاتھ کا میل ہے۔ اس پر جو میل کرتی ہو، کتنے دن کھاؤ گی۔ [کلنک کا ٹیکا ہے] دھبا اس کا جیتے جی نہ چُھوٹے گا۔ دھوتے دھوتے مر جاؤ گی۔ [اور] اگر ہمارے حال پر رحم کرو [گی] خدا اور کوئی صورت کرے گا، سو روپے کے بدلے تمھارا گھر اشرفیوں سے بھر دے گا۔ ہمارے قتل میں گُناہِ بے لذّت یا ایک موذی کی حسرت نکلنے کے سوا، اور کیا فائدہ ہے؟ اگرچہ ایسا جینا مرنے سے بُرا ہے۔ لیکن خدا جانے ارادۂ ازلی، مشیّتِ ایزدی کیا ہے۔ [ابھی] ہماری تقدیر میں کیا کیا لکھا ہے۔ جو خُدا کے نام پر نثار ہے، اللہ اس کا ہر حال میں مُمِد و مددگار ہے۔ تو نے بادشاہِ یمن کا قصّہ سُنا نہیں؟ ایک سلطنت للہ دی، دو پائیں، لالچیوں کی قضا آئی، جانیں گنوائیں۔" رنڈی موم کی ناک ہوتی ہے، جب گھر گئی، جدھر پھیرا، پھر گئی۔ بندر کی باتوں پر کچھ تعجب، کچھ تاسّف کر کے کہنے لگی "مٹھوان جی، وہ کہانی کیسی ہے سناؤ [تو] مہاراج؟"

فسانۂ شاہِ یمن

سلطنت سائل کو دینا، اور بی بی کو مع بیٹوں لے کر شہر سے نکلنا، راہ میں سوداگر کا فریب، پھر فرزندوں کی جدائی، آخر کو سلطنت ہاتھ آئی

بندر نے کہا: "سرزمینِ یمن میں، ایک بادشاہ تھا، ملک اُس کا مالا مال تھا [تھا۔] دولت لازوال، بخشندۂ تاج و تخت، نیک سیرت، فرخندہ خصال۔ جس دم سائل کی صدا گوشِ حق نیوش میں در آئی، وہیں احتیاج بھکاری: "میں بر آئی"! یہاں تک کہ لقب اُس کا نزدیک و دُور خدا دوست مشہور ہوا۔

ایک روز کوئی شخص آیا، اور سوال کیا کہ "اگر تو خدا دوست ہے تو للہ تین دن مجھے سلطنت کرنے دے۔"

بادشاہ نے فرمایا: "بسم اللہ" جو ارکینِ سلطنت، مسند نشینِ حکومت حاضر تھے، بتاکید انھیں حکم ہوا، کہ "جو اس کی نافرمانی کرے گا، موردِ عتاب سلطانی ہوگا۔"

یہ فرما [وہ] فرماں روا تخت سے اٹھا، سائل جا بیٹھا، حکمرانی کرنے لگا۔ چوتھے روز بادشاہ آیا۔ کہا: "اب کیا قصد ہے [وعدہ ہو چکا ہے۔"] سائل بولا۔ "پہلے [تو] وہ فقط امتحان تھا، اب بادشاہت کا مزہ ملا، برائے خدا یہ تاج و تخت، یک لخت مجھے بخش دے۔"

بادشاہ نے فرمایا: "[بہ رضائے خدا،] یہ حکومت آپ کو مبارک ہو۔ [میں دے چکا،]" بادشاہت دے کر کچھ نہ اسباب لیا، فقط لڑکوں کا ہاتھ میں ہاتھ، بی بی کو ساتھ لیا۔ دل کو سمجھایا کہ اتنے دنوں سلطنت، حکومت کی، چندے فقیری کی کیفیت، فاقے کی لذت دیکھیے۔ گو جاہ و حشم مفقود ہے لیکن شاہی بہرکیف موجود ہے۔ مگر اس شہر سے کہیں اور چلنا فرض ہے۔ بحکم خدا قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ[1] ہے۔ دنیا جائے دید ہے، عنایتِ خالق سے کیا بعید ہے۔ جو کوئی اور صورت نکلے۔ ایک لڑکا سات برس کا، دوسرا نو برس کا تھا۔

غرض کہ وہ حق پرست، شہر سے تہی دست نکلا۔ بلکہ تکلف کا لباس بھی، [وہ خداشناس بار سمجھا،] نہ لیا، جامۂ عریانی جسم پر چست کیا اور چل نکلا۔ [نیرنگئ سپہرِ بوقلموں] دنیا[ئے دوں] کا زور نقشہ ہے۔ مصرع

کرایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست

کل وہ سلطنت، ثروت، لشکر، افسر و تاج، آج یہ مصیبت، اذیت۔ در بدر پیادہ پا سفر محتاج، کبھی دو کوس، گاہ چار کوس، بے نقارہ نہ کوس، بہ ہزار رنج و تعب چلا، جو کچھ میسر آیا، تو روزی [ہوئی،] نہیں تو روزہ۔ یوں ہی ہر روز راہ طے کرتا [تھا۔] جب یہ نوبت پہنچی، چند روز میں ایک شہر ملا۔ مسافر خانے میں بادشاہ اترا۔ اتفاقاً ایک سوداگر بھی کسی سمت سے وارد ہوا۔ قافلہ باہر اترا تھا۔ تنہا گھوڑے پر سوار ہو، سیر کرتا، جہاں

---

[1] اے رسول، تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ ذرا روئے زمین پر سیر کرو۔ پارہ ۲۰۔ سورہ عنکبوت ع ۱۹ آیت ۲۰۔

میں وارد ہوا۔ شہزادی کہ گردِ راہ، صعوبتِ سفر کی مبتلا تھی، لیکن اچھی صورت کبھی چھپی نہیں رہتی۔ سعدی

ع حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

سوداگر کی آنکھ جو پڑی، بیک نگاہ، از خود رفتہ ہوا، [سانس سینے میں اٹکی۔] بادشاہ کے قریب آ سلام کیا۔ یہ بیچارے اللہ کے ولی، وہ دل دادہ تھا۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا۔ اس عرصے میں وہ غدار، حیلہ سوچا، بہت افسردہ خاطر ہو کر کہا: "اے عزیز! میں تاجر ہوں، قافلہ باہر اترا ہے۔ میری عورت کو دردِ زہ ہو رہا ہے۔ دائی کی تلاش میں دیر سے گدائی کر رہا ہوں، نہیں ملتی۔ تو مردِ بزرگ ہے۔ کج ادائی نہ کر۔ اس نیک بخت کو للہ میرے ساتھ کر دے۔ تا اس کی شراکت سے اس کو رنج سے نجات ملے۔ دگرنہ بندۂ خدا کا مفت خون ہوتا ہے۔ [آدمی کا مرجانا زبوں ہوتا ہے۔"]

یہ اللہ کا نام سن کر گھبرائے۔ بی بی سے کہا: "زہے نصیب جو محتاج میں کسی کی حاجت رفع ہو، کام نکلے۔ بسم اللہ دیر نہ کرو۔"

اس نے دم نہ مارا۔ [کھڑی ہو گئی۔] سوداگر کے ساتھ روانہ ہوئی۔ [سوداگر نے] دروازے سے باہر نکل کے اس غریب سے کہا: "قافلہ دور ہے۔ مجھے آئے ہوئے عرصہ گزرا۔ آپ گھوڑے پر چڑھیں، تو جلد پہنچیں۔"

وہ فلک ستائی، فریب نہ جانتی تھی، سوار ہوئی۔ سوداگر نے گھوڑے پر بیٹھا، باگ اٹھائی، قافلے کے پاس پہنچ کے کوچ کا حکم دیا۔ آپ ایک سمت گھوڑا پھینکا۔ اس وقت اس نیک بخت نے داد بیداد فریاد مچائی [تڑپی]

روتی پیٹتی چلّائی۔ آہ و زاری اُس بے رحم، سنگ دل کی خاطر میں نہ آئی۔ بادشاہ پہر بھر منتظر رہا۔ پھر خیال میں آیا، خود چلیے، دیکھیے، وہاں کیا ماجرا ہوا۔ بیٹوں کا ہاتھ پکڑے سرا سے [باہر] نکلے۔ ہر چند ڈھونڈھا نشان کے سوا، قافلے کا سُراغ نہ ملا۔ دُور گرد اُڑتی [سیاہی] دیکھی۔ صدائے جرس [و زنگ] سُنی، نہ پاؤں میں دوڑنے کی طاقت، نہ بی بی کے چھوڑنے کی دل کو تاب۔ سب طرح [کا] عذاب۔ نہ کوئی یار نہ غم گسار۔ نہ خدا رس نہ فریاد رس۔ بہ حسرت و یاس قافلے کی سمت دیکھ کر یہ کہا۔ مصحفی؎

[1] تو ہمرہانِ قافلہ سے کہیو اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمھارے تو ہم رہے

ناچار لڑکوں کو لے کے اُسی طرف چلا۔ چند گام چل کے [اضطراب میں] راہ بھول گیا۔ [آگے] ایک ندی ملی۔ [بہت خاک اُڑائی دیکھا تو] مگر [وہاں] نہ کشتی نہ ڈونگی، نہ ملّاح۔ راہ سے یہ ناآشنا، نہ گزارۂ سیّاح۔ مجبور ایک نعرہ مارا اور ہر طرف ماہیِ بے آب سا، واہی تباہی پھرا۔ رہبرِ کامل کو پکارا۔ ساحلِ مطلب سے ہمکنار نہ ہوا۔ [اور بیڑا پار نہ ہوا]۔ مگر کچھ ڈھب ڈھونڈھنے کا ڈھب تھا۔ [مگر گھاٹ کُڈھب تھا۔] ایک لڑکے کو کنارے پر بٹھا [جرأت کی راہ سے،] چھوٹے کو کاندھے پر اُٹھا، دریا میں دَر آیا۔ نصف پانی بصد گرانی طے کیا تھا۔ کنارے کا لڑکا بھیڑیا اُٹھا لے چلا۔ وہ چلّایا۔ بادشاہ آواز

---

[1] ٹک ہمرہانِ قافلہ سے کہہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمھارے تو ہم رہے
کلیاتِ سودا مرتبہ آسی ص ۱۵۳

سُن کر گھبرایا۔ پھر کے دیکھنے جو لگا، کندھے کا لڑکا پانی میں گر پڑا۔ زیادہ مضطرب جو ہوا، خود غوطہ کھانے لگا۔ لیکن زندگی باقی تھی، بہرکیف کنارے پر پہنچا۔ دل میں سمجھا، بڑے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا۔ چھوٹا ڈوب کے مُوا۔ نیرنگیٔ فلک سے عالمِ حیرت، بی بی کے چھُٹنے کی غیرت۔ بیٹوں کے الم سے دل کباب، سلطنت کے دینے سے خستہ و خراب۔ اسی پریشانی میں تُشکر کرتا، پھر چلا، سہ پہر کو ایک شہر کے قریب پہنچا۔ درِ شہر پناہ پر خلقت کی کثرت دیکھی۔ ادھر آیا۔ اُس ملک کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ عازمِ اقلیمِ عدم ہوتا، ارکانِ سلطنت، روسائے شہر وہاں آکے باز اُڑاتے تھے، جس کے سر پر بیٹھ جاتا، اُسے بادشاہ بناتے تھے۔ چنانچہ یہ روز وہی تھا۔ باز چھوڑ چلے تھے۔ ابھی کسی کے سر پر نہ بیٹھا تھا۔ اس بادشاہ گدا صورت کا پہنچنا تھا، باز اس کے سر پر آ بیٹھا۔ لوگ معمول کے موافق حاضر ہوئے، تخت روبرو آیا، ہر چند یہ تخت پر بیٹھنے سے باز رہا، کہا: "میں گم کردہ آشیاں، سلطنت کے شایاں نہیں ہوں۔ میں نے اسی علت سے اپنے مرزبوم شوم کو چھوڑا ہے، حکومت سے مُنھ موڑا ہے۔" مگر وہ لوگ اس کے سر پر باز کا بیٹھنا، عنقا سمجھ، نہ باز رہے۔ جو جو شاہین تھے، تاڑ گئے، بربین پہچان گئے کہ یہ مقرر ہمارے اوجِ سلطنت ہے۔

قصہ مختصر، مگر رہ جھگڑ، تختِ طاؤس پر بیٹھا، نذریں دیں۔ توپ خانے میں شلک ہوئی۔ بڑے تزک حشمت سے آشیانۂ سلطنت، کاشانۂ دولت میں داخل کیا۔ تمام قلمرو، نقد و جنس، اشیائے بحری و بری، ان کے تختِ حکومت قبضۂ تصرف میں آیا۔ گز، سکے پر نام جاری ہوا۔ مُنادی نے ندا دی، دوہائی پھر گئی کہ جو ظلم و جبر کا بانی ہوگا، وہ لشور اگردن مارا جائے گا۔

سو رہو

پل میں چاہے تو گدا کو وہ کرے تخت نشیں
کچھ اچنبھا نہیں اس کا کہ خدا قادر ہے

کارخانۂ قدرت عجیب و غریب ہیں، نہ اعتمادِ سلطنت، نہ قیامِ غربت و عسرت
مرزا رفیع [سودا] :

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عُجب تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہُما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

یہ سلطنت تو کرنے لگا، مگر افسردہ خاطر، پژمردہ دل، بہ سبب شرم و حیا مُفصّل حال کسی سے نہ کہتا تھا۔ شب و روز غمگین و اندوہناک پڑا رہتا تھا۔ جب وہ بلبلِ ہزار داستان، یعنی فرزندِ [راحتِ دل و جان] شمعِ دودمان یاد آتے تھے۔ [دن کو اندھیرا پیشِ چشم ہو جاتا] نالۂ سبحانی کو کوہ کرکے آہ کو لب پر لاتے تھے۔

اب اُن لڑکوں کا حال سُنیے۔ جس کو بھیڑیا اُٹھائے لیے جاتا تھا، [اتفاقاً] اُدھر سے کوئی تیر انداز چابک دست آتا تھا۔ اُس نے [جو دیکھا رحم آیا، سبک دستی سے اُس کو] چھڑایا۔ دوسرا جو غوطے کھاتا [بلبلاتا] تھا، اُس کو ماہی گیر نے دامِ محبت میں الجھایا [کنارا دکھایا۔]

[حسبِ اتفاق] وہ دونوں لاولد تھے۔ اور اسی شہر کے رہنے والے تھے، جہاں اُن لڑکوں کا باپ بادشاہ ہوا تھا۔ وہ اپنے اپنے گھر میں لائے [بہت خوش ہوئے] بقدرِ مقدور لڑکوں کو پرورش کرنے لگے۔ جلّ جلالہ، کیا سنگِ تفرقہ فلک نے پھینکا کہ ایک دوسرے سے جُدا ہو گیا۔ چند عرصے تک ضبط کیا، آخر کو بیٹوں کی مفارقت نے بادشاہ کو بے چین کیا۔ [مجبوراً] وزیر سے فرمایا۔ دو لڑکے قومِ شریف سے ہماری صحبت کے قابل ڈھونڈھ کے لاؤ [ہمارا دل

بہلا دو۔]

وزیر نے تمام شہر کے لڑکے طلب کیے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ وہ دونوں بھی آئے۔ سبحان اللہ [وبحمدہ] جامع المتفرقین بھی اسی کا نام ہے۔ بچھڑے ملا دینا، اس کے رُو برو کتنا کام ہے۔ [بسکہ صورت و سیرت دونوں کو خالق نے عنایت کی تھی۔] وہی وزیر کو پسند آئے۔ رو برو لایا۔ بسبب طولِ زمانِ مُفارقت اور تکلیف و عُسرت، نقشے بدل گئے تھے، قطع اور ہو گئی تھی۔ بادشاہ نے [مُطلق نہ] پہچانا، اور تقاضائے سِن سے نہ لڑکوں نے باپ جانا۔ اور نہ یہ سمجھ آئی کہ ہم دونوں بھائی ہیں۔ یہ بھی قدرت نمائی ہے، ہم ہوئے، گھر جُدا ہے۔ لیکن [جوشِ خون سے] بادشاہ [کا حال دِگرگوں ہوا، وزیر کو خلعت و انعام عطا کیا، اور] بہ محبت تمام مصروفِ عنایت علی الدوام رہا۔ سب نے سُنا ہے، کامل کا یہ نکتہ ہے۔ کُلُّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقَاتِھَا [1] ـــ تھوڑے دن میں معتمد و مُقرب ہوئے۔ اور وہ سوداگر جَو فروشِ گندم نما، دغا کا پُتلا، یہاں کے پہلے بادشاہ تک رسائی، عملے سے شناسائی رکھتا تھا۔ اس توقع سے وہ بھی اس عورت ناراض کو لے کے وہاں وارد ہوا۔ خبرِ مرگِ بادشاہ سُن کے مَلول ہوا، کہ مطلب نہ حصول ہوا۔ لوگوں نے کہا۔ "یہ بادشاہ تازہ، اس سے زیادہ خلیق و غریب پرور ہے۔"

[غرض کر] بہ وساطت وزیر اعظم، تحفہ تحائف حضور میں نذر کر، شرف اندوزِ ملازمت ہوا۔ [ایک نظر تو دیکھا تھا] اس کو بھی بادشاہ نے نہ پہچانا۔ نہ سوداگر نے حریف جانا۔ مگر بادشاہ نے اس کو ذی اختیار

---

[1] ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔

سیاحِ دیار دیار سمجھ بیشتر اطراف و جوانب کا تذکور سنتا تھا۔

ایک دن قریب شام حضور میں حاضر تھا بادشاہ نے فرمایا۔ "آج کی شب گھر نہ جا کچھ پوچھنا ہے۔"

وہ بیٹھا تو مگر مکدّر و پریشاں۔ بادشاہ نے تردّد کا سبب پوچھا۔ یہ باعثِ عنایت [سلطان] [فی الجملہ گستاخ ہو چلا تھا] [تخت کو بوسہ دے کے] دست بستہ عرض کی۔ "خانہ زاد کے پاس ایک عورت نارض ہے۔ اس کو فدوی سے اغماض ہے۔ اس کی [حفاظت اور] نگہبانی بذاتِ خود کرتا ہوں، [شدّت سے ڈرتا ہوں] ۔ ایسا نہ ہو کہ نکل کے رازِ پنہاں فاش کرے۔ حمایتی [کوئی] تلاش کرے۔"

حکم ہوا کہ یہ مقدمہ آج ہمارے ذمّے ہے۔ وہی لڑکے بس کہ معتمد تھے، خاص دستہ ان کے ہمراہ کر دیا۔ پاسبانی [کی شرط سے آگاہ کیا۔] تاکیدِ اکید کی۔ [دونوں] لڑکے آداب بجا لا کے، سوداگر کے مکان پر گئے۔ باغ میں خیمہ برپا کر دیا، [جوان گرد کھڑے کر دیئے] زیرِ خیمہ پر کرسیاں بچھا دونوں بیٹھے پاسبان آس پاس پھرنے لگے۔ جب آدھی رات گزری، ایک کو نیند آنے لگی۔

دوسرے نے کہا۔ "سونا مناسب نہیں، ایسا نہ ہو، کوئی شگفتہ خوابیدہ جاگے، خیمے سے کوئی چونک بھاگے۔

وہ بولا۔ "تو [کوئی] ایسا فسانہ کہو، جو نیند اُچٹنے کا بہانہ ہو۔"

اُس نے کہا۔ "خیر آج ہم اپنی سرگزشت کہتے ہیں۔ اگر غور سے سنو گے تو نیند کیا، بھوک پیاس کبھی رونہ پاس نہ آئے گی۔ [عبرت ہو جائے گی۔"]

— "اے عزیزِ باتمیز! میں یمن کے بادشاہ کا لعل ہوں۔ میرا باپ نلندہ سلطنت سائل کو دے، مجھے اور ایک میرا چھوٹا بھائی کر وہ تم سے بہت مشابہ

تھا، اُس کو اور اپنی بی بی کو ہمراہ لے کے غریب الوطن ہوا تھا۔ راہ میں ایک سوداگر فریب سے شہزادی کو لے گیا۔ ہم دونوں بھائی [عالمِ تنہائی میں] ساتھ رہے۔ آگے چل کے دریا ملا، ناؤ بیڑا کچھ نہ تھا۔ بادشاہ مجھے کنارے پر بٹھا، چھوٹے کو کندھے پر چڑھا پار چلا۔ مجھے بھیڑیئے نے پکڑا۔ میرے چلانے سے، بادشاہ جو بدحواس ہوا، بھائی دوش سے آغوشِ دریا میں کھسک پڑا۔ خود غوطے کھانے لگا۔ پھر نہیں معلوم کیا [حادثہ] ہوا، مجھے تیرانداز نے دہنِ گرگ سے چھڑایا۔ اب فلک اس بادشاہ پاس لایا۔"

وہ رو کر لپٹ گیا۔ کہا۔" بھائی! دریا میں ہم گرے تھے، مچھلی والوں کے باعث ترے تھے۔"

پھر تو دونوں بغل گیر ہو کے، ایسے چلائے کہ وہ عورت [نیند سے] چونک پڑی۔ پردے کے پاس آ کے حال پوچھنے لگی۔ انھوں نے ماجرائے گزشتہ [ابتدا سے انتہا تک] بیان کیا۔ وہ [جھٹ] پردہ اُلٹ، [جھٹ پٹ] لڑکوں سے لپٹ گئی۔ کہا۔" ہم اب تک سوداگر کی قید میں مجبور ہیں، [سب سے دور ہیں۔"]

اُسی دم یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ سواری جلد بھیجی۔ [رُو بہ رُو] طلب کیا۔ اُس وقت سب نے [باہم دِگر] پہچانا۔ سوداگر کو فوراً قید کا حکم ہوا۔ [باقی رات مفارقت کے حکایات میں گزر گئی۔]

صبح دم جب جلّادِ سپہر یعنی مہر [بے مہر] شمشیرِ شعاع کھینچ کے ہنگامہ پردازِ عالم ہوا۔ سوداگر کو کاروانِ عدم کا ہمسفر کر کے بارِ ہستی سے سبک دوش کیا۔ [شمعِ حیات کو اُس کی خاموش کیا۔]

یمن میں اخبار نویسوں نے یہ حال لکھا، وہاں [عجب] ہڑبونگ

مچا تھا۔ وہ سائلِ ستم شعار، بدرجہ ظلم پیشہ جفا کار نکلا۔ رعیت نالاں، ارکانِ سلطنت ہراساں رہتے تھے۔ ہزاروں رنج، رات دن سہتے تھے۔ جب یہ خبر وہاں پہنچی۔ وزیر نے [بہ صلاحِ رئیسانِ شہر] زہر دے کے اُسے مارا۔ تلخ کامی سے سب کو نجات ملی۔ پھر [یہ تدبیر ٹھہرائی،] عرضداشت بادشاہ کو لکھی، تمنائے [زیارت] قدمبوس تمام شہر کی تحریر کی۔ بادشاہ کو بھی محبتِ وطن، دل میں جوش زن ہوئی۔ سفر کی تیاری ہونے لگی۔ قطعہ

ع حُبِّ وطن از مُلکِ سُلیماں خُوشتر
خارِ وطن از سُنبل و ریحاں خُوشتر
یوسف کہ بہ مصر پادشاہی می کرد
می گُفت، گدا بُودنِ کنعاں خُوشتر

القصہ یمن میں آیا، دونوں سلطنتیں قبضے میں رہیں۔ جب بندر نے یہ فسانہ تمام کیا، پھر کہا۔ "اے نیک بخت! مطلب اس کہانی سے یہ تھا کہ جو بادشاہ عاشق اللہ خدا پر شاکر تھا، ایک سلطنت دی، دو پائیں۔ یہ دونوں بد بخت جو لالچی تھے، اُنھوں نے جانیں گنوائیں۔ قیامت تک مطعونِ خلائق رہیں گے۔ جتنے نیک ہیں یہ قصہ سُن کے بد کہیں گے۔"

رنڈی ان باتوں سے بہ سر رحم ہوئی، [ترس کھایا] بندر کی تسکین کی، کہا۔ "تو خاطر جمع رکھ، جب تک کہ جیتی ہوں، تجھے بادشاہ کو نہ دوں گی، فاقہ قبول کروں گی۔" پھر اُسے روٹی کھلا، پانی پلایا۔ کھنڈری میں لٹا سو رہی۔ صبح کو چڑیمار اُٹھا، بندر کے لے جانے کا قصد کیا۔ عورت نے کہا۔ "آج اور قسمت آزما، پھر جا تو ریکڑنے جا۔ جو روٹی میسر آئے تو کیوں اس کی جان جائے۔ ہم پر ہتیا لگے، بدنامی آئے، نہیں تو کل [اسی کو] لے جانا۔"

وہ بولا۔ "تو اس کے دم میں آ گئی"۔

بندر نے کہا۔ "ماشاء اللہ! رنڈی تو خدا پر شاکر ہے، تو مرد ہو کے مضطر ہوتا ہے"۔ [گھبرا اٹھا۔] پاجی تو زن مرید ہوتے ہیں۔" پھر وہ پٹک جھٹک، جال پھٹکی اٹھا، لاسا، کمپا لے، ٹٹی کندھے سے لگا، گھر سے نکلا۔ یا تو دن بھر خراب ہو کے دو تین جانور لاتا تھا، اُس روز دو پہر میں پچاس ساٹھ آئے۔ پھٹکی بھر گئی۔ خوش خوش گھر پھرا۔ کئی روپے کو جانور بیچے۔ آٹا، دال، نون، تیل، لکڑی خرید تھوڑی مٹھائی لی، پھر بھٹی پر جا کے ٹکے کا ٹھرّا پیا۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گیت گاتے، جھومتے گھر کا رستا لیا، مفلسی کا غم [بچا] بھول گیا۔ جورو سے آتے ہی کہا۔ "اری! ہنومان جی کے کدم بڑے بھاگوان ہیں۔ بھگوان نے دیا کی، آج روپیا دلوائے۔ اتنے جانور ہاتھ آئے۔"

وہ گھر بسی [بھی] بہت ہنسی۔ پہلے مٹھائی بندر کو کھلائی، پھر روٹی پکا آپ کھا، کچھ اُسے کھلا پڑ رہی۔ بندر بچارا سمجھا، چندے پھر جان بچی۔ جو فلک نہ جل مرے، اور اس کار رشک نہ کرے۔ مؤلف

کیا شاخ گُل پہ پھُول کے بیٹھی ہے عندلیب
ڈرتا ہوں میں نہ چشم فلک کو بُرا لگے

جب لایا یار پاس ہی لایا یہ اے سرور
لگا ہے نہ نخلِ غم میں ثمر اس سوا لگے

اب روز چڑیمار کی ترقی ہونے لگی، تھوڑے دنوں میں گھر بار، کپڑا لتا، گہنا پاتا درست ہو گیا۔

قضارا کوئی بڑا تاجر، سرا میں اُس بھٹیاری کے گھر میں اُترا، جس کی دیوار تلے چڑیمار رہتا تھا۔ ایک روز بعد نماز عشا، سوداگر وظیفہ پڑھتا تھا، ناگاہ

آواز خوب صدلے مرغوب، جیسے لڑکا پیاری پیاری باتیں کرتا ہے، اُس کے کان میں آئی۔ بھٹیاری سے پوچھا۔ "یہاں کون رہتا ہے؟"

وہ بولی۔ "چڑیمار۔"

سوداگر نے کہا: "اُس کا لڑکا خوب باتیں کرتا ہے۔"

بھٹیاری بولی۔ "لڑکا بالا تو کوئی بھی نہیں، فقط جورو خصم رہتے ہیں۔"

سوداگر نے کہا۔ "ادھر آ، سُن، یہ کس کی آواز آتی ہے؟"

بھٹیاری۔ جو آئی، لڑکے کی آواز پائی۔

وہ بولا۔ "اس صدا سے بوئے درد پیدا ہے، اُس کو میرے پاس لا، باتیں کروں گا۔ کچھ لڑکے کو دوں گا اور تیرا بھی منہ میٹھا کردوں گا۔"

بھٹیاری چڑیمار کے گھر گئی، دیکھا بندر باتیں کرتا ہے۔ اُسے دیکھ کے چُپ ہو رہا۔ وہ دونوں بھٹیاری کے پاؤں پر گر کے منت کرنے لگے۔ کہا۔ "ہم نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے۔ اپنا دُکھ اسی سے کہتا ہے۔ شہر پُرآشوب ہو رہا ہے۔ بندر کُش بادشاہ اُترا ہے، افسانہ ہو یہ خبر اُڑتے اُڑتے اُسے پہنچے، بندر چھن جائے، ہم پر خرابی آئے۔"

وہ بولی۔ "مجھے کیا کام جو یہ کلام کروں۔"

سرا میں آ کے سوداگر سے کہا۔ "وہاں کوئی نہ تھا۔"

اُس نے کہا۔ "دیوانی ابھی وہ آواز کس کی تھی؟"

بغور سُنیے کہ کیا معقول جواب، وہ نامعقول دیتی ہے۔

بولی۔ "بلیّاں لوں، بھلا مجھے کیا غرض، جو کہوں بندر بولتا ہے۔"

سوداگر خوب ہنسا۔ پھر کہا۔ "تو بھٹن ہے، ارے بندر کہیں بولا ہے۔"

پھر بولی۔ "جی گریب پرور! صدقے گئی، اسی سے تو میں بھی نہیں کہتی

بندر بولتا ہے۔ [اور چڑیمار کی جورو نے منت کر کے منع کیا ہے۔"]

سوداگر کو سخت خلجان بہ مرتبہ خفقان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مکان [تو] قریب تھا، خود چلا گیا۔ دیکھا تو فی الحقیقت ایک عورت، دوسرا مرد مچھندر، تیسرا بندر ہے۔ یقین کامل ہوا کہ یہی بندر بولتا تھا۔ بھٹیاری سچی ہے، [گو عقل کی کچی ہے۔] وہ سوداگر کو دیکھ کے بندر کو چھپانے لگی۔

سوداگر نے کہا: "بھید کھل گیا، اب [اس کا] پوشیدہ کرنا لاحاصل ہے۔ مصلحت یہی ہے، بندر ہمیں دو، اس کے بدلے، جو کچھ احتیاج ہو ہم سے لو۔ نہیں تو بادشاہ سے اطلاع کروں گا، یہ بے چارہ مارا جائے گا، تمھارا کیا جائے گا؟"

وہ دونوں رونے پیٹنے لگے۔ بندر کہا، اب جان نہیں بچتی، اتنی ہی زیست تھی۔ چڑیمار سے کہا: "اے شخص! فلک کج رفتار گردون دوّار نے اتنی جفا پر صبر نہ کیا، یہاں بھی چین نہ دیا۔ مناسب یہی ہے، رضائے الٰہی پر راضی ہو، مجھے حوالے کر دو۔ قضا آئی ٹلتی نہیں، تقدیر کے آگے کبھی تدبیر چلتی نہیں۔ فردِ بشر کو حکمِ قضا و قدر سے چارہ نہیں، اس کے ٹال دینے کا یارا نہیں۔ [قولہٗ تبارک و تعالیٰ] اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ[1]۔

چڑیمار نے کہا: "دیکھو بندر کی ذات کیا بے وفا ہوتی ہے! ہماری محنت،

---

[1] اشارہ ہے پارہ ۱۱۔ سورۂ یونس آیت ۴۹ کی طرف۔

"جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

مشقت پر نظر نہ کی، توتے کی طرح آنکھ پھیر لی، سوداگر کے ساتھ جانے کو راضی ہو گیا۔ بڑا آدمی جو دیکھا، ہمارے پاس رہنے کا مطلق پاس نہ کیا۔"

بندر نے کہا: "اگر نہ جاؤں اپنی جان کھوؤں، تم پر خرابی لاؤں۔"

آخر کار بہ ہزار گریہ و زاری سوداگر سے دونوں نے قسم لی کہ "بادشاہ کو نہ دینا، اچھی طرح پرورش کرنا۔" یہ کہہ کے بندر حوالے کیا۔ سوداگر نے اس کے عوض بہت کچھ دیا۔ بندر کو سرا میں لا، پیار کیا۔ پھر بہ دلداری و نرمی حال پوچھا۔ بندر نے یہ چند شعر حسبِ حال سودا کے سوداگر کے رُو برو پڑھے۔ مرزا رفیع [سودا] ؎

"نے بلبلِ چمن نہ گُلِ نودمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بُریدہ ہوں
گریاں بشکلِ شیشہ و خنداں بہ شکلِ جام
اس میکدے کے بیچ، عبث آفریدہ ہوں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقولِ درد
جو کچھ کہ ہوں، سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

اے عزیز! آتشِ کاروان نقشِ پائے یارانِ رفتگاں ظاہر ہوں، مگر پنہاں ہوں۔ بلبلِ دُور از گلزار، گُم کردہ آشیاں، صیاد درپئے آزار، گھات میں باغباں۔ کیوں کر نہ سرگرمِ فغاں ہوں۔ حضرت عشق کی عنایت ہے، [احباب] زمانہ کی شکایت ہے۔ [طرفہ حکایت ہے] کہ حاجت روائے عالم محتاج ہے۔ تخت ہے، نہ افسر ہے، نہ وہ سر ہے، نہ تاج ہے۔ غریب دیار، چرخ موجدِ آزار، شفیق و مہربان نہیں، حالِ زار کا کوئی پُرسان نہیں۔ حیرت کا کیوں نہ مبتلا ہوں، اپنے ہاتھ سے اسیرِ دامِ بلا ہوں۔ خود گرفتار پنجۂ ستم ہوا، کبھی مجھے جن

کا الم تھا، اب انھیں میرا غم ہوا۔ مرنے سے ہم اس لیے جی چھپاتے ہیں کہ ہمدم میرے فراق میں موئے جاتے ہیں۔ مجھے دامِ مکر میں اُلجھایا، دوستوں کو میرے، دشمن کے پھندے میں پھنسایا۔ گردشِ چرخ سے عجیب سانحہ، [ہوش رُبا] پیش آیا۔ میر تقی میر سے

سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد
ایک میں خوں گرفتہ سو جلّاد
کوئی مشفق نہیں جو ہووے شفیق
بے کسی چھٹ، نہیں ہے کوئی رفیق
آہ جو ہمدمی سی کرتی ہے
اب تو وہ بھی کمی سی کرتی ہے
اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات
ایک میں اور ہزار تصدیعات[1]

مصرع
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل —— مگر آج

خوش قسمتی سے آپ سا قدردان ہاتھ آیا ہے، انشاءاللہ طبیعت برطرف ہو، تو بہ دل جمعیِ تمام، آغاز سے تا انجام اپنی داستانِ غم، سانحہ ستم گزارش کروں گا۔

سوداگر کے اس مضمونِ دردناک سے آنسو نکل پڑے۔ سمجھا یہ بندر نہیں، کوئی فصیح و بلیغ، عالی خاندان، والا دودمان، سحر میں پھنس گیا ہے۔ کہا، اطمینانِ خاطر رکھ، تیری جان کے ساتھ میری جان ہے، اب زیست کا یہی سامان ہے۔ بندر کو تسکین کامل حاصل ہوئی۔ غزلیں پڑھیں۔ نقل و حکایات میں

---

[1] مثنوی دریائے عشق

سرگرم رہا۔ اپنا حال پھر کچھ نہ کہا۔ تمام شب سوداگر نہ سویا۔ اس کے بیان جانگاہ پر خوب رویا۔ اب بہت تعظیم و تکریم سے بندر رہنے لگا۔ مگر امر شدنی بہر کیف ہوا چاہیے۔ راز فاش ہو، اگر خدا چاہے۔ سوداگر کا یہ انداز ہوا۔ جو شخص نیا اُس کی ملاقات کو آتا، اُسے بندر کی باتیں سُنواتا۔ وہ استعجاب سے غرقِ بحرِ فکر ہوتا۔ ہر جگہ ذکر ہوتا۔

آخر کار اُس کی گویائی کا چرچا، کوچہ و بازار میں مچا۔ اور یہ خبر اُس کو نمک محسن کُش [ولد الحرام] کے گوش زد ہوئی۔ سُنتے ہی سمجھا یہ وہی ہے۔ بعد مدت فلک نے پتا لگایا، اب ہاتھ آیا۔ فوراً چوبدار بندر کے لینے کو سوداگر کے پاس بھیجا، یہ بہت گھبرایا۔ اور تو کچھ بن نہ آیا، بصد عجز۔ و نیاز عرضداشت لکھی: "غلام صاحبِ اولاد نہیں، اس اندوہ سے دل مُضطر شاد نہیں۔ طبیعت بہلانے کو یہ جانور فرزندوں کی طرح پالا ہے، رات دن دیکھا بھالا ہے۔ بندر ہے مگر غنیمت ہے۔ مُفارقت اس کی، خانہ زاد کی جان لے گی، آیندہ جو حضور کی مرضی۔"

چوبدار یہاں سے خالی جو پھرا، وہ ظالم انظلم غضب میں بھرا۔ وہاں کے بادشاہ کو لکھا: "اگر اپنی سلطنت اور آبادیِ مملکت منظور ہو، سوداگر سے جلد بندر لے کے یہاں بھیج دو۔ نہیں تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، نام و نشان مٹادوں گا۔"

یہ خبر وحشت اثر سُن کے غضنفر شاہ متردد ہوا۔ مشیرانِ خوش تدبیر، امیر وزیر سمجھانے لگے کہ "خداوندِ نعمت ایک جانور کی خاطر آدمیوں کا کُشت و خون زبوں ہے۔"

حُکم ہوا کہ کچھ لوگ سرکاری وہاں جائیں، جس طرح بنے سوداگر سے پکڑ کر بندر اس کی ڈیوڑھی پر پہنچائیں۔ جب بادشاہی دستہ سرا میں آیا، بندر

دست بستہ [یہ کلمہ] زبان پر لایا۔ "اے مونس و غم گسار، وفا شعار، اس اجل رسیدہ کے باب میں کد و کاوش بے کار ہے، سراسر بے جا ہے۔ قضا کا زمانہ قریب پہنچا، دیر ناکامی دا ہے۔ مُبادا کسی طرح کا رنج میری دوستی میں تمھارے دشمنوں کو پہنچے، تو مجھے حشر تک حجاب و ندامت رہے، خلقِ خدا [یہ ماجرا سُن کے] بُرا بھلا کہے۔"

سوداگر نے کہا۔ "استغفر اللہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ جو کہا وہ سر کے ساتھ ہے۔"

جب بادشاہ کے لوگوں کا تقاضائے شدید ہوا، اور دن کم رہا، بعد ردّ و قدح، بہ معذرتِ بسیار و منّت بے شمار ہزار دینار دے کے، اُس شب [کی] مُہلت لی اور صُبح کے [وقت بے] چلنے کی ٹھہری۔ بموجبِ مثلِ مصرع

زر بر سرِ فولاد نہی نرم شود

اس عرصے میں یہ حالِ تباہ و ماجرائے جانکاہ، گلی کوچے میں زباں زدِ خاص ہوا کہ ایک بندر کسی سوداگر پاس باتیں کرتا تھا، وہ بھی کل مارا جائے گا۔ بحدیکہ اُس گُشتۂ انتظار، مایوس، دلفگار، یعنی ملکہ مہر نگار کو بھی معلوم ہوا۔ وہ شیدائے جانِ عالم سمجھی کہ یہ بندر نہیں ہے۔ افسوس صد افسوس! اب کون سی تدبیر کیجیے کہ اس بے کس کی جان بچے۔ دل کو مسوس، وزیر زادے کو کوس، لوگوں سے پوچھا۔ "دمِ سحر کدھر سے وہ سوداگر جائے گا، یہ تماشا ہمارے دیکھنے میں کیوں کر آئے گا؟"

اُنھوں نے عرض کی۔ "حُضور کے جھروکے تلے شاہراہ ہے، یہی ہر سمت کی گزرگاہ ہے۔"

یہ سُن کے تمام شب تڑپا کی، نیند نہ پڑی۔ دو گھڑی رات سے برآمدے

میں برآمد ہوئی اور ایک توتا پنجرے میں پاس رکھ لیا، گجر [بجنے] سے پیشتر بازار میں ہڑ بڑ مچا، تماشائیوں کا میلا سا ہو گیا۔ جس وقت تاجرِ ماہ نے، متاعِ انجم کو نہاں خانۂ مغرب میں چھپایا، اور شحنۂ چرخِ چہارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا۔ سوداگر بھی نمازِ صبح پڑھ کر، ہاتھی پر سوار ہوا، کمر میں پیش قبض رکھ، گود میں بندر کو بٹھا، مرنے پر کمر مضبوط باندھ کے مجبور چلا۔ بندر سے کہا۔ "پریشان نہ ہونا، جب تقریر سے اور اصرار کثیر سے کام نہ نکلے گا۔ [اُس وقت] جو کچھ بن پڑے گا وہ کروں گا، اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دوں گا۔ قولِ مرداں جان دارد۔ مصرع

بعد از سر من کُن فیکون شد، شدہ باشد

سوداگر کا سراسیمہ آگے بڑھنا کہ خلقت نے چار طرف سے گھیر لیا۔ بندر لوگوں سے مخاطب ہو کے یہ کہنے لگا۔ میر سوز:

برقِ طپیدہ یا شررِ آرمیدہ ہوں
جس رنگ میں ہوں، غرض از خود رمیدہ ہوں

اے اہلِ بزم میں بھی مُرقّع میں دہر کے
تصویر ہوں ولے، لبِ حسرت گزیدہ ہوں

صیاد اپنا دام اُٹھا لے کہ جوں صبا
ہوں تو چمن میں پر گُلِ عشرت نہ چیدہ ہوں

اے آہ و نالہ مجھ سے تم آگے چلو کہ میں
بچھڑا ہوں کارواں سے، مسافر جریدہ ہوں

غم ہوں، الم ہوں، درد ہوں، سوز و گداز ہوں
سب اہلِ دل کے واسطے میں آفریدہ ہوں

صاحبو! دنیائے دوں، نیرنگیٔ زمانۂ سفلہ پرور، بوقلموں، عبرت و دید
کی جا ہے۔ گرما گرم آیند و روند کا بازار ہے۔ کس و ناکس، جنسِ ناپائدار، لہو و
لعب کا خریدار ہے۔ اپنے کام میں مصروف قضا ہے۔ جو شے ہے [ایک روز] نا
فنا ہے۔ معاملاتِ قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے، یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے۔
کوئی کسی کی عداوت میں ہے، کوئی کسی کا شیدا ہے، جسے دیکھا آزاد نہ پایا، کسی
نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے۔ ایک کو اتنا سوجھتا نہیں کیا لین دین ہو رہا ہے۔
سود کی امید میں سراسر زیاں ہے۔ بڑی نادانی کا سودا ہے۔ اُس کی قدرت
ناطقہ دیکھو: مجھ سے بے زبان ناچیز کو یہ تکلّفِ گویائی عنایت کیا، تم سب
کا ساعتوں میں چہرہ لکھ دیا۔ [میری] باتیں سُننے کو ساتھ چلے آتے ہو، جدائی
میری شاق ہے۔ جو ہے مشتاق ہے۔ حالِ زار پر رحم کھا، آنسو بہاتے ہو۔ یہ
رحیمی کی صفت ہے، اور شان تمہاری دیکھ کر اُسی تقریر کی دھوم سے ایک
ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یقین کامل ہے کہ وہ قتل کرے گا،
بے گناہ کے خون سے ہاتھ بھرے گا۔ سَوَّدَ اللہُ وَجْہَہٗ فِی الدَّارَیْن[1] ہوگا
تب اُسے آرام و راحت ملے گی، نہ چین ہوگا۔ یہ گویائی گویا پیامِ مرگ
تھا۔ دنیا جائے آزمائش ہے، اور سفیہ جانتے ہیں کہ یہ مقام قابلِ آرام و آسائش
ہے۔ دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہیں۔ فرعون بے سامان
ہو کے زمین پر پاؤں نہیں دھرتے ہیں۔ جب سر کو اٹھایا، آنکھ بند کر چلتے ہیں،
خاکساروں کے سر کچلتے ہیں۔ آخر کار حسرت و ارمان فقط لے کر مرتے ہیں۔ جان
اس کی جستجو میں کھوتے ہیں۔ جو شے ہاتھ آئے، ذلّت سے جمع ہو، پریشانی و خفت

---

[1] اُس کا مُنہ دونوں جہان میں کالا ہوگا۔

سے پاس رہے، خِسّت سے چُھوٹ جائے، یاس و حسرت سے' پھر سر پر ہاتھ دھر کر روتے ہیں۔ [صبح کو کوئی نام نہیں لیتا ہے، جو کسی اور نے لیا تو گالیاں دیتا ہے]
ناسخ ؎

دُنیا اک زالِ بیسوا ہے
بے مہر و دغا و بے حیا ہے
مردوں کے لیے یہ زن ہے رہزن
دُنیا کی عدو ہے دیں کی دشمن
رہتی نہیں ایک جا پہ جم کر
پھرتی ہے برنگِ زن گھر گھر

انجام شاہ و گدا' دو گز کفن اور تختۂ تابوت کے سوا نہیں۔ کسی نے اُدھر یا محمودی کا دیا' یا تحریر کربلا۔ کسی کو گزی گاڑھا میسّر ہوا بصد کرب و بلا۔ اُس نے صندل کا تختہ لگایا' اِس نے بیر کے چیلوں میں چھپایا۔ کسی نے بعد سنگِ مرمر کا مقبرہ بنایا' کسی نے مرمر کے گور گڑھا پایا۔ کسی کا مزار مُطلّا' منقش زنگار رنگ ہے' کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے۔ حسرت دُنیا سے کفن چاک۔ ہوا' بستر دونوں کا فرشِ خاک ہوا۔ نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا' نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا لا سکا۔ بعد چندے جب گردشِ چرخ نے مقبرہ گرایا' اینٹ سے اینٹ کو بجایا' تو اتنا کوئی بتانے نہ آیا کہ دونوں میں یہ گورِ شاہ ہے' یہ لحدِ فقیر ہے۔ اس کو مرگِ جوانی آئی' بلائے ناگہانی آئی اور یہ استخوانِ پوسیدہ پیر ہے۔ سو یہ بھی خوش نصیب' نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہیں' نہیں تو سیکڑوں ہاتھ رکھ کر مرجاتے ہیں۔ لوگ در گور کہہ کر چلے آتے ہیں' گِدھ' بلّی' کوّے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔ دامنِ دشت' عُریاں کفن' گورِ بے چراغ صحرا کا صحن

ہوتا ہے۔ یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے۔ تمنا چھُٹ کوئی نہ پائیتی ہوتا ہے۔ سالہا مقبروں کے عمارات عالی، اور ساز و سامان کی دیکھا بھالی میں سریع التسییر رہے، ہزاروں رنج گور بے چراغ غریباں کی دید میں بیٹھے بٹھائے سہے۔ طرفہ نقل یہ ہے کہ والی وارث اِن کے سر پر سلطنت، مسندِ حکومت پر شب و روز جلوہ افروز رہے۔ مگر غافلوں کی تنبیہہ کو قدرتِ حق سے گنبدوں میں آشیانۂ زاغ و زغن، مناروں پر مسکن بوم شوم، قبروں پر گتے لوٹتے دیکھے۔

میر سہ
مزارِ غریباں تاسّف کی جا ہے[1]
وہ سوتے ہیں پھرتے جو کل جابجا تھے

رنگِ چمن صرفِ خزاں دیکھا، ڈھلا ہوا حسنِ گل رخاں دیکھا۔ اگر گلِ خنداں پر جوبن ہے بہار ہے، غور کیا تو پہلوئے نازنیں میں، نشتر سے زیادہ خلش خار ہے گریاں بلبلِ زار ہے سینہ فگار ہے۔ دنیا میں دن رات زق زق، بق بق ہے، کوئی پیچھے کرتا ہے کسی کو قلق ہے۔ نوش کے ساتھ گزندِ نیش ہے، ہر راہرو کو کڑی منزل درپیش ہے۔ [ایک فقیر کے اس نکتے نے بہت جی کڑھایا، مگر پسند آیا۔ بابا دن تھوڑا، سر پر بوجھ بھاری منزل دور ہے، مسافر کے پاؤں میں حرص کے چھالے۔ ہوس کی بیڑیاں، غفلت کا نشہ، لیکن چلنا ضرور ہے۔ مولف

سہ
بلبل کو خزاں میں جان کھوتے پایا
شیدا کو سر ٹیک کے روتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اڑ گئی لیک سرور
جو اہلِ دول تھے اُن کو سوتے پایا

---

[1] یہ شعر مرزا محمد تقی ہوس لکھنوی کا ہے۔ دیکھیے لکھنؤ کے چند نامور شعرا از مرتب صفحہ ۲۲

مدتوں صدائے مرغِ سحر کے رنج اٹھائے، کبھی دم نہ مارا، شکوہ لب پر نہ لائے۔ برسوں ندائے اللہ اکبر کے صدمے سہے، شکر کیا، چُپ رہے۔ بھینوں گجر کی آواز نے دم بند کیا، تلق جی پر لیا، نالہ نہ بلند کیا۔ سوچے تو وصل بھروباں خوابِ شب تھا۔ لطف اُن کا عین غضب تھا۔ تمام عالم کی خوب سیر کی، کبھی حرمِ محترم میں مسکن رہا، گاہ دھونی رمائی کنشت و دیر کی۔ عالم سے آیۂ [قاضل] حدیث، [ناصح سے] وعظ و پندسُنا، نا توس، برہمن سُن [بُت ہو گئے] سر دُھنا۔ وہ بدکیش مانعِ بلتِ صنم، لُطفِ زیست، حظِ نفس کا دُشمن تھا۔ یہ کوتاہ اندیش، رخنہ پردازِ اہلِ ایمان، دین کا رہزن تھا۔ تامل [جو] کیا تو اِن دونوں سے دُور حسد بغض بیر ہوتا معلوم، اپنے نزدیک اُن کا انجام بخیر ہونا معلوم۔ واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے، خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا سمجھے۔ مطلب کی بات، ہیہات دونوں کی سمجھ میں نہ آئی، [افراط تفریط نے گونگا بہرا کیا، ذلت رسوائی، سب سے بہتر ہے کنجِ تنہائی۔] بہ ایں دانائی ان سے خدا سمجھے۔ مؤلف

اچھے کو بُرا بُرے کو اچھا سمجھے
کتنی یہ بُری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دُنیا فقط راہ گزر ہے، درپیش ہردم مثالِ تارِ نفس سفر ہے۔ تا زیست ہزاروں مُفسد [سے] ہیں۔ ڈر ہے مرنے کے بعد بازپُرس کا خطر ہے۔ کسی طرح انسان کو مفر نہیں، کون سا نفع ہے جس کی تلاش میں [بے سُود] اضرار نہیں۔ حاصل کار یہ ہے کہ دنیا میں جینے کی خوشی، نہ [کسی کے] مرنے کا غم کرے۔ تا مقدور کسی کی خاطر نہ رہم کرے۔ وگرنہ، شعر

نیم شبے آہ زند پیرزال   دولتِ صدسالہ کند پائمال

دلِ شکستہ کی دلداری، پافتادہ کی [یاری] مددگاری کرے، ہوا و ہوس جو دل سے [کسی طرح] دور ہو جائے، زوال سے، باکمال سے، عُجب و نخوت نزدیک نہ آئے۔ عنایتِ ایزدی پر قانع ہو، شکرِ ہر نعمت، پاسِ خدمت کرے۔ منہیات کا مانع ہو، رنج کا حامل رہے۔ سب رنگ میں شامل رہے، زمانے کے مکروہات سے گھبرائے نہیں۔ دولت کا اعتبار کیا، مفلس سے ننگ و عار کیا، ایک دن مرنا ہے، جینا مُستعار ہے اس پر کس کا اختیار ہے۔ نیک عمل کا خیال رکھے کہ قیدِ ہستی زیست کا نام ہے، ایک دن یہاں سے رہائی انجام ہے۔ [باہم وہے ہم رہتے ہیں مزہ ہے، باقی بکھیڑا ہے] شعر

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجیے چشم تر ہرگز[1]
بہت سا رو ہئے اُن پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

عمرِ خضر کی تمنا اور حشمتِ خسروانہ، خزانۂ قارون کی فکر میں ہر ایک صباح و مسا ذلیل و خوار ہے۔ [اس کی] تحصیل لاحاصل، کوشش [اور کد] اس امر میں سراسر بے کار ہے۔ بقولِ ناسخ

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت
ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم
مانوس ہے، بل احمق و خر سے دولت

روپے کا جمع ہونا۔ جواہر کی تلاش میں [ہیرا کھانا] دن کا جاگنا، چاندی سونے کی اُمید میں راتوں کا نہ سونا، کہیں تن، لعلِ لبوں سے بہم ہونا، جنھیں میسّر ہر بار

---

[1] یہ شعر سوداؔ کا ہے۔ کلیاتِ سودا مرتبہ آسی صد ۱۱۹

ہے۔ انھیں دُنیا کی مفارقت [سخت] ناگوار ہے۔ اور یہ کلام ہے۔ مؤلف

؎ یاں کے جانے سے جی اُلجھتا ہے
کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہلِ کمال، دُنیا کے مال سے محروم رہے، جو سزاوارِ حکومت تھے، وہ محکوم رہے۔ شعر ؎

اسپِ تازی شُدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم

لیکن کبھی صُبحِ عشرت ہے، گاہ الم کی شام ہے، دنیا عجب مقام ہے۔ نہ امیر ہوتے عرصہ لگتا ہے، نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے۔ اس کارگاہِ بے ثبات میں یہ عجب اندھیر ہے۔ سَودا ؎

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایّام پر سوار
رکھتا نہیں ہے ہاتھ عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کا ذکر ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

اور جب وعدہ آ پہنچا، تو نہ روپیا کام آتا ہے، نہ فوجِ ظفر موج سے کچھ ہو، نہ تہمتنِ جرّار بچاتا ہے، نہ کوئی آشنا دوست آڑے آئے، نہ عزیز و اقربا، پنجۂ ملک الموت سے چھڑائے۔ اگر یہی امر مانعِ قضا و قدر ہوتے کاؤس و جم، دارا و سکندر بصد حسرت و غم جان نہ کھوتے۔ نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے۔ احتیاج کسی کی بر لائے، یا للہ کچھ [کسی] کو دے، یہ البتہ [بُرے وقت میں] کام

آتا ہے۔ وگرنہ دُنیا سراب زندگی، بدتر از حباب ہے، پابند اس کا خراب، ترک کرنے والا نایاب ہے۔ [ناسخ]

ترکِ دنیا کا سوچ کیا ناسخ
کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں

شعرؔ[1]

اس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

قطعہ

دُنیا خرابیست کش عدم تعبیر است
صید اجل است، گر جواں ور پیر است
ہم روئے زمیں پُر است و ہم زیرِ زمیں
ایں صفحۂ خاک ہر دو رُو تصویر است

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہ ہو، تعلقِ خاطر نہ رکھے، ہمیشہ اس نے بھلے سے بُرائی کی ہے۔ جو گیا یہاں سے یعنی جہاں گزراں سے اس کا شاکی تھا۔ بادشاہ سے فقیر، جوان سے پیر تک۔ حقیقت میں نفسِ امارہ سخت ناکارہ، اس کو بہر کیف [زیر کرے، زبردستی] پچھاڑے۔ گردِ ہوا و ہوس سے دامن [ہمت کو] جھاڑے۔

شعر

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
آں را کہ عقل بیش غم روزگار بیش

یہاں کچھ ایسی بات خُدا کی عنایت سے پیدا کرے، تا چندے صفحۂ روزگار

---

[1] یہ شعر سوداؔ کا ہے۔

پر نام، بہ نیکی یاد رہے۔ میر سوز

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے
یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دُنیا میں کسی سے دل نہ لگائے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے۔ وصل سے فرحت، ہجر کی مصیبت اپنے سر پر نہ لائے کہ مر جانے کی بات ہے۔ معشوق با وفا، عنقا کی طرح ناپیدا ہے، [کہاں ملتا ہے] اور بہ رُو دغا ہر جائی ہر جگہ مہیا ہے۔ خواہش کا انجام کاہش ہے، تمنّا دل سے دُور کرنے میں جان کی آسائش ہے۔ مؤلف

کبھی نہ چین سے سونے دیا تمنّا نے
خراب و خستہ میں اس دل کی آرزو سے ہوا

مگر وائے غفلت، ہائے نادانی کہ جب نشہ جوانی کا موسم پیری میں خمار اُتار ہوتا ہے، اُس وقت آدمی سر پر ہاتھ دھر کر روتا ہے۔ وقت از دستِ رفتہ و تیر از شستِ جستہ کب ہاتھ آتا ہے۔ ناچار ہو کفِ افسوس مل کر پچھتاتا ہے۔ گزشتہ را صلوٰات، کہہ کے دل کو سمجھاتا ہے۔"

آدمیوں کو بندر کی تقریرِ دل خراش، پُر اثر سے عبرت و حیرت حاصل تھی۔ کبھی نصیحت و پند، گاہ کلامِ رنگین و دلچسپ بہ دلِ دردمند۔ کبھی سُخنانِ وحشت افزا اُٹھاتا چلا جاتا تھا۔ اہلِ دل، گداز طبیعت روتے ہوئے ساتھ آتے تھے۔ ہر فقرہ پُر درد پر ضبط نہ ہو سکتا تھا، چلّاتے تھے۔ خلقِ خدا جنازے کی طرح ہاتھی کے ہمراہ تھی۔ ایک عالم کے لب پر نالے تھے، فغان و آہ تھی۔ اسی سامان سے ملکہ کے جھروکے تلے پہنچے۔ وہ منتظر تمام شب، نالہ بہ لب، سوداگر سے بولی۔

"ایک دم [یہاں] ٹھہر جا، میں [بھی] اس [اسیرِ پنجۂ تقدیر] کی تقریر کی مشتاق ہوں۔"

سوداگر نے [یہ سُن کے] ہاتھی روکا۔ ملکہ نے کہا۔ "اے مقرّرِ بے زباں، [وطن آوارہ] گُم کردہ خانماں! اگرچہ اب ہم کس لائق ہیں، مگر تیری داستانِ ظُلم و جور کے [بہت] شائق ہیں۔"

بندر نے [ملکہ کی] آواز پہچانی، پہلے تو خُوب رویا، پھر جی ٹھہرا کر یہ کہنے لگا۔ شعر

ہر کس از دستِ غیر نالہ کُند
سعدیؔ از دستِ خویشتن فریاد

میر

کیونکہ کہیے کوئی نہیں آگاہ
اک قیامت بپا ہے یاں سرِ راہ
کچھ چھپا اب نہیں رہا یہ راز
ہے جہاں اس سے سب سُخن پرداز
بس تغافل نہ کر ترحُم کر
گوشِ دل جانب تکلّم کر

شعر[۱]
قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو تین ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

افسوس! یار نے عیاری کی، دغا سے یہ نوبت ہماری کی۔ جس کا رونا کیا

---

[۱] یہ شعر قائم چاندپوری کا ہے۔ دیکھیے تذکرۂ گلشنِ بے خار صد ۱۵۳

ناگوار تھا، وہ ہمارے لہو کا پیاسا، قتل کا روادار تھا۔ یہ مثل سچ ہے کہ تیرھویں صدی ہے۔ نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ مجبوریوں کی تمنا دل میں رہی، وطن جانے کی حسرت آب و گل میں رہی۔ دوستوں کا کہا نہ مانا، وہ آگے آیا، پچھتانا پڑا۔ بے اجل جلاد کے فریب سے ذبح ہوئے، طالب و مطلوب جان۔ جوکھوں میں پھنسے۔ زندہ در گور ہوئے۔ الحق دُنیا دم مارنے کی جا نہیں۔ کسی سے راز کہنا اچھا نہیں۔ منصور حلاج نے کلمۂ حق کہا تھا، ناحق لوگوں نے دار پر کھینچا۔ غرض جو بولا وہ مارا گیا۔ کہنے کو تو کہا، پھر کچھ جو سوچا، دہشت کھائی، بات بنائی کہ شاید یہ خبر اُس اکفر کو پہنچے تو یقین [کامل] ہے، جان [دشتۂ ظلم سے] نہ بچے۔ کہا۔ "اے ملکہ! کوئی کسی کمال سے دُنیا میں نہال ہوتا ہے، یہ بے گناہ گویائی کے سبب، ناحق حرام زادے کی بدولت حلال ہوتا ہے۔"

مؤلف ؎

کمال شے، زوال شے ہے، اس پر لاکھ حاسد ہوں
بھلا نازاں نہ ہوں کیوں کر میں اپنی بے کمالی کا
خدا جانے ہے، دیکھا دیکھ کر یہ چاند مُنھ کس کا
ہوئی ہے عید غیروں کو، ہمیں ہے چاند خالی کا

میں نے [نادانستہ] اپنے ہاتھ سے پاؤں میں کلھاڑی ماری، فلک نے بنا کر بات بگاڑی۔ مصرع

اے روشنیِ طبع تو بر من بلا شدی

شعر ؎

گُل و گلچیں کا گلہ، بُلبُلِ خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

اب سر دست کچھ تدبیر بن نہیں آتی ہے، صورتِ مرگ، آئینۂ چشم میں مدِ نظر ہے۔ ہماری ہمیں کو خبر ہے۔ دم میں مفت جان جاتی ہے۔ جو جانتا ہے وہ دیکھتا ہے، جس کو خبر نہیں، اس سے کہہ دو، تمھارے واسطے غریب دیا لُٹے اور تمھارے سبب سے قتل کے سزاوار ہوئے۔ شعر

بجرمِ عشقِ توام می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

ان باتوں سے رہا سہا شک ملکہ کا برطرف ہوا، سمجھی جانِ عالم یہی ہے۔ جواب دیا۔ "جو جانتے تھے ان سے کیا ہو سکا، انجان کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ۔ اور توتے کی گردن مروڑ، پنجرا باہر نکالا۔ بندر کی نگاہ جو پنجرے پر پڑی، سمجھا ملکہ پہچان گئی۔ یہی فرصت کا وقت ہے، ہنگامہ اور تلاطم تو مچا تھا، کسی نے دیکھا نہ بھالا، بندر سوداگر کی گود میں لیٹ کر توتے کے قالب میں پرواز کر آیا۔ توتا پھڑکا، ملکہ کا خوشی سے دل دھڑکا، پنجرا اندر کھینچ لیا۔

[وہاں] سوداگر نے [جو] دیکھا، بندر مر گیا، چاہا ہلاک ہو [جائے] بدنامی کا قصہ پاک ہو [جائے]۔ جو شخص خواصی میں بیٹھا تھا، سمجھانے لگا: "بندہ پرور! شکر کرنے کی جا ہے، شکایت کا موقع کیا ہے۔ حرمت رہی جان بچی۔ مرگِ فرزند سے ماں باپ کو چارہ نہیں، مر جاتا، بجز احمق کے عقلمند کو گوارا نہیں۔ اگر بادشاہ جبر سے بندر کو چھین کے مار ڈالتا، جان کھونے کی جگہ تھی۔ صبر کیجیے۔ جو خدا کی مرضی، اسی کی رضا میں مجبوری ہے۔ جائے مجبوری ہے۔ صابروں کا مرتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کے حق میں اللہ فرماتا ہے، تم نے سنا ہے کہ نہیں: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[1]۔"

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۲۔ بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تماشائیوں پر یہ حال جو کھلا، رونے پیٹنے کا دُونا شور وغُل مچا۔ سب نے متفق [ہونا] یہی کہا۔ بس کہ بندر عقیل تھا، یہ پیام، طلب کوس رحیل تھا۔ سامنے جانے کی نوبت نہ آئی۔ سوداگر کی گود میں جان گنوائی۔ اپنا قتل جو ثابت ہوا، خوف سے مرگیا، داغِ تقریر ہمارے صفحۂ دل پر دھر گیا۔ یہ خبر اُس کافر اکفر کو پہنچی، اس پر بھی جبین نہ آیا، لاش منگا، جلا کے دل ٹھنڈا کیا۔ خاک تک برباد کی۔ جب تسکین ہوئی۔

وہاں ملکہ، مہر نگار، حجرے [آکے] بیٹھی۔ لڑکوں کو پاس سے سرکا دیا۔ [میاں] مٹھو نے ہو بہو، ابتدا سے انتہا تک مفصل حال سب سُنا دیا کہ "اس طرح نشے کی حالت میں اس کے رونے پر عمل بتایا، وہ ہمیں پر عمل میں لایا۔ بندر بنایا۔ پھر چڑیمار کے جال میں پھنسے، دوست روئے، دشمن ہنسے۔ وہاں سے سوداگر متاعِ خوبی سمجھ کے اپنے پاس لایا، فلک نے بعد خرابیِ بسیار، آج تم سے ملایا۔"
ملکہ نے کہا: "خاطر پریشاں، جمع رکھیے، انشاء اللہ تعالیٰ جلد کوئی صورت ہوئی جاتی ہے۔"

یہاں یہ گفتگو تھی کہ اس نطفۂ شیطان کی آمد ہوئی۔ ملکہ باہر نکل آئی، تعظیم دتواضع کرنے لگی۔ ہمیشہ یہ معمول تھا، جب وہ آتا، ملکہ بات نہ کرتی، یہ [طیش کھاتا] خفیف ہو کے اُٹھ جاتا۔ اس روز جو گفتگو ہوئی، وہ مردک سمجھا بند کا مرنا ملکہ نے بچشم دیکھا، اس سے دب گئی۔ ہم کلام ہوئی [بے التفاتی کی بات اب گئی] جلدی نہ کرو، امروز، فردا [سب] مقدمہ دُرست ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اس سے فیصلہ شرط ہے۔ ملکہ کے باپ کا بہت ڈر تھا، اس باعث ملکہ سے ہراس کرتا تھا، نہایت پاس کرتا تھا۔ جب رخصت ہونے لگا، ملکہ نے کہا: "ایک بکری کا بچہ، خوبصورت سا، ہمیں بھیج دو، پالیں گے، رنج کو ٹالیں گے۔"

یا تو چپ رہتی تھی آج بچہ اٹھ گا" یہ بچّا بہت خوش ہوئے۔ اُسی وقت ایک بر بری کا بچہ تحفہ بھجوا دیا۔

دوسرے روز جو آیا، ملکہ کو زیادہ متوجہ پایا۔ اُس کے روبرو بچے سے کھیلا کی۔ دو تین روز یہی صحبت رہی۔ ایک روز ملکہ نے [اُس] بچے کو دبا کے ادھ موا کر دیا، اور چوبدار [کو] دوڑایا کہ شہزادے کو جلد بلا لا۔ عرض کرنا "اگر دیر لگاؤ گے، جیتا نہ پاؤ گے۔"

یہ خبر سن کے وہ محل سرا کا عازم ہوا۔ ملکہ نے بچہ اُس ہمائے اوج سلطنت کا پلنگ کے پاس رکھ لیا۔ جب وہ نابکار رو برو آیا، ملکہ نے بچے کو گود میں اُٹھا کے اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا۔ اس کا مرنا، اس کا نالہ و فریاد کرنا۔ گریبان چاک کرنے کی، بکھیڑا پاک کرنے کی، تدبیر کی۔ وہ بے قرار ہو کے بہ منت کہنے لگا۔ "ملکہ: اور ہزار بچہ، اس سے اچھا، ابھی موجود ہوتا ہے۔ تم کیوں روتی ہو [جی کھوتی ہو]" ملکہ نے اُسی حالت میں کہا۔ "میں کچھ نہیں جانتی، تم اسے ابھی جلا دو، جو میری خوشی چاہتے ہو۔"

وہ بولا۔" [بھلا] مُردہ کہیں جیا ہے، کبھی کسی نے [سوائے مسیح] ایسا کیا ہے۔"

ملکہ نے رو کر کہا۔ "واہ تم نے میری مینا جو جلائی تھی [جب میں بلبلائی تھی]۔" یہ دل میں سمجھا کہ شاید شہزادہ [جان عالم] نے یہ حرکت کی ہو گی۔ کارخانے مسبّب الاسباب کے مشہور و معروف ہیں۔ دنیا میں یہ مثل [سب نے سنی] ہے۔ کر کہ نیافت۔ جس نے جیسا کیا ویسا کیا۔ ہر فرعونے راموسیٰ [یہ کیا خوب کہا ہے۔]

قطعہ ؎

اے یار جو کوئی کسی کو کلپا دے گا
یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا
اس دار مکافات میں سن اے غافل
بے داد کرے گا آج، کل پاوے گا[1]

وہ بدحواس پوچھنے لگا۔ "ہم نے مینا کیوں کر جلائی تھی"۔ ملکہ بولی۔ "تم پلنگ پر لیٹے رہے تھے"، وہ جی اٹھی"۔ "یہ پتہ بھی درست پایا" [اور قضا کا زمانہ قریب آیا]۔ کہا، "بچہ گود سے رکھ دو۔"

ملکہ نے پھینک دیا۔ وہ پلنگ پر نیٹا، [اور] اپنی روح [بکری کے] بچے کے قالب میں لایا، وہ اٹھ کے کودنے لگا۔ ملکہ مہر نگار نے [خوش ہو کے] اسے گود میں لیا، پیار کیا۔ وہ [دل میں] سوچا، دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائے، پھر روح اپنے قالب میں لے جاؤں گا، مطلب تو نکل آئے۔ یہ نہ سمجھا فلک کی گھات ہے، فریب کی بات ہے، چرخ کو کچھ اور [ہی چکر] منظور ہے۔ اب اس جسم کے نزدیک جانا، بہت دور ہے۔

القصہ یہ تو ادھر اس خیال میں رہا، ادھر شہزادہ جان عالم پنجرے سے یہ تماشا دیکھتا تھا۔ قالب کو خالی پایا، فوراً اپنی روح، اپنے جسم میں لایا، [منھ سے] الٰہی اللہ کہا اور] اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہاں وہ بزدلا جان عالم کو دیکھ کے تھرّا گیا، [چوکڑی بھولا]، خوف چھا گیا، سمجھا قسمت اب بری ہے۔ کوئی دم کو گلا ہے اور چھری ہے۔ ملکہ نے اسی

---

[1] میر حسن نے اس رباعی کو محمد علی خاں ولد نعیم خاں سے منسوب کیا ہے۔ دیکھیے تذکرۂ شعرا از میر حسن مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صفحہ ۱۸۹

وقت دوا پھر وہ پڑھ کر [کان میں] پھونک دیئے کہ وہ روح اور کے قالب میں سے جانا بھول گیا۔

پھر انجمن آرا کو بلایا، کہا: "لو صاحب! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمھاری ہماری حرمت و آبرو کو بچایا، بچھڑے سے ملایا۔ یہ آپ کا احمق الّذی شہزادہ ہے، وہ بکری کا بچہ بے دین وزیر زادہ ہے۔" پھر تو تینوں عاشق و معشوق گلے مل مل کے خوب روئے۔ جو جو محرم راز، [شریک سوز و گداز] تھیں، دوڑیں۔ مبارک سلامت کی [دھوم] ہوئی، [بشاش ہر ایک مغموم ہوئی]۔

جانِ عالم نے اسی وقت سوداگر کو طلب کیا، اپنی سرگذشت سے آگاہ سب کیا۔ بعد ادائے شکر نعمت، خلعت [مکلّف] اور انعام ہر اقسام کا [مع ہاتھی پالکی] عنایت کیا، وطن میں آنے کا حتمی وعدہ لیا۔ پھر چڑیمار اور اُس کی جورو کو بلایا، بہت سا نقد و جنس دیا، اور بہ مشورہ غضنفر شاہ اُس مملکت کے چڑیماروں کا چودھری کر دیا۔ پھر لشکر ظفر پیکر کو حکم تیاریِ سامانِ سفر فرمایا۔ آپ رخصت ہونے کو غضنفر شاہ کے پاس آیا۔ آخر کار بدقت تمام و طولِ کلام، درازیِ ایامِ مفارقتِ والدین بیان کر کے اُسے راضی کیا۔ پیش خیمہ اسی دن لد گیا۔ دو چار دن رخصت کی دعوتوں میں اور لگے۔ اخیر جلسے خوب دھوم دھڑکے کے ہوئے۔ اپنے عمل تک غضنفر شاہ ساتھ آیا؛ تمام لشکر نے [دونوں وقت] پکا پکایا پایا۔ اُس کو تو رخصت کیا، پھر وہی دو چار کوچ، ایک دو مقام کرتے بہ راحت و آرام، وطن کی سمت روانہ ہوئے۔

ورودِ لشکرِ نُصرت اثر دشتِ پُرخوف خطر میں، لبِ حوض خیامِ شاہی ہونا، ساحرہ کا آنا، تمام لشکر کو بصورت پتھر بنانا، پھر ملکہ کے باپ کا آنا اور جادوگرنیوں کی لڑائی، شہپال کا قتل، فوج کی رہائی

[نظم]

نگارندۂ داستانِ عجیب
یہ لکھتا ہے پھر ماجرائے غریب
طلسمِ جہاں زید کا ہے مکاں
کھنسے اس میں رہتے ہیں پیر و جواں
و لیکن ہنسا جو کوئی غنچہ ساں
ہوا مثلِ گُل، دستِ بُردِ خزاں
جسے ہم نے دیکھا وہ تھا دل حزیں
خوشی کی جگہ سچ ہے دُنیا نہیں

محرّرانِ جادو نگار و سحر ساز، راقمانِ فسانہ [ہائے] ہوش رُبا، حیرت پرداز نے لکھا ہے کہ جانِ عالم ہر صبح مثلِ مہرِ درخشاں قطعِ منازل و مراحل یعنی کوچ و ہر شام مانندِ ماہِ تاباں، مقام کرتا، چند عرصے میں پھر اُسی دشتِ ادبار، صحرائے خار خار، جہاں حوض میں کود پڑا تھا، وارد ہوا۔ حوض کے متصل سراپردہ خاص نصب ہوئے۔ گرد لشکرِ نُصرت اثر اُترا۔ انجمن آرا اور ملکۂ مہر نگار کو وہ چشمہ دکھایا، [ماجرائے گزشتہ مکرّر زبان پر لایا۔]

جب دن تمام ہوا، نمازِ شام کے واسطے جدا خیمے میں تشریف لایا۔ بعد ادائے فریضۂ باری، کسل راہ سے لیٹنے کی تیاری کی۔ جواہر نگار پلنگڑی بچھی تھی، اس پر استراحت فرمائی۔ سستی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتاً ایک خواص خاص انجمن آرا کی، بدحواس دوڑی آئی، کہا۔ "شہزادے کی عمر دراز ہو، [قضا مطیع قدر و دمساز ہو] نصیب دشمناں شہزادی کی طبیعت ناساز ہے۔ [سب کی عقل پرواز ہے] شدت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے۔ [چھوٹا بڑا محل میں روتا ہے۔] وہ نقش سلیمانی اور لوح دیجیے، دھو کر پلا دیں، [یا اور کوئی مجرب دوا ہو تو اسے کھلا دیں۔"] عارضۂ مزاج مطلوب بدمزگی طبیعت محبوب سن کر بے قرار ہوا، [عقل اڑ گئی، حواس فرار ہو گیا،] کچھ تو نیند کا خمار، دوسرے جی کا انتشار، دیکھا نہ بھالا، [نہ وقفہ کیا نہ ٹالا،] لوح اور نقش حوالے کیا۔ نقش دیتے ہی نقشہ بگڑ گیا، [مقدمہ سب خراب ہوا، ثواب کے بدلے عذاب ہوا،] ایک آواز مہیب پیدا ہوئی کہ "اے جان عالم بہت دنوں اڑتا پھرا، مدت کے بعد پھنسا، خبردار ہو جا۔"

ایسی ہولناک آواز تھی کہ لشکر سب ڈر گیا، شجاعوں کے دل تھرا گئے۔ محل میں رنڈیوں کو غش آ گئے۔ گھبرا کے شہزادے نے اٹھنے کا قصد کیا، جگہ سے ہل نہ سکا، غور جو کیا تو آدھا جسم پتھر کا ہو گیا تھا۔ پھر تو جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا۔ جو کھڑا تھا، [زمین میں گڑا تھا] ایستادہ رہ گیا۔ ہر طرف غل اور شور تھا۔ جو پڑا تھا، زندہ درگور تھا۔ کچھ دکھ کچھ ہنسی [تھی] تمام فوج آفت ناگہانی میں پھنسی [تھی] عجب کھلبلی مچی [تھی] نامردوں کی بائی بچی۔ کُل لشکر انسان سے حیوان تک، نیچے کا دھڑ پتھر کا، اوپر کا جسم بدستور۔ آہ و نالہ فریاد و بُکا سب لشکر میں بپا تھا، اور محلسرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا۔ ہر ایک

گرفتارِ بلا تھا۔ وہ رنڈیوں کی زاری، اور انجمن آرا کی بے قراری۔ علی الخصوص ملکۂ مہر نگار کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا۔ جب وہ کہتی تھی۔ شعر

ہر دم زمانہ داغِ دگر گونہ در دہد
یک داغ نیک نا شدہ، داغِ دگر دہد

تمام لشکر میں از شام تا پگاہ ہر ایک کے لب سے نالۂ جانکاہ، بلند رہا۔ جس وقت ماہ، دمِ سرد بھرتا، نقابِ سیاہ روئے تاباں پر ڈال کے، غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا، اور آفتابِ جگر سوختہ، مشرق سے نکل کے، خدنگِ آہ بیکساں کا نشانہ ہوا۔ ایک ابرِ تیرہ و تار نمودار ہوا۔ آدمی [سب] خوفزدہ دیکھنے لگے۔ اس ابر سے اژدہا خونخوار، شعلہ فشاں، آتش دہاں نکلا۔ ایک رنڈی اُس پر سوار، [وہ بھی] آتش بار، شہزادے کے خیمے میں اُتری۔ جانِ عالم نے پہچانا کہ وہی جادوگرنی ہے۔ دل سے کہا: "شہر اپنا دور رہا، سوت قریب آئی۔ قسمت نے کس جگہ لا کے نیرنگی دکھائی"۔ وہ بولی۔ "جانِ عالم! کہو اب کیا قصد ہے۔"

شہزادے نے کہا۔ "وہی جو تھا۔"

اُس نے کہا۔ "اب وہ نقشِ سلیمانی اور لوحِ پیر مرد کی نشانی کہاں ہے؟ جس کے بھروسے پر کُودتے تھے۔ اگر زندگی [اپنی] مع لشکر درکار ہے، [اور سر دوش پر نہ بار ہو] تو ملکہ اور انجمن آرا سے انکار کرو، ہماری اطاعت اور محبت مقدم جانو، [جو کچھ کہیں وہ مانو] ہم سے وارو مدار کرو، نہیں تو ایک دم میں سب کو بے گور و کفن، طعمۂ زاغ و زغن کر دوں گی۔ دشت لاشوں سے بھر دوں گی۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "ہمارے لوحِ دل پر نقشِ ارادتِ حافظِ حقیقی کلکِ قدرت نے منقش ہے۔ عادت سے مجبور ہوں، بے وفائی [کے کوچے سے

دور ہوں۔ جو کہا سو کیا، اگر قضا آئی ہے مرنے سے کیا چارہ ہے، مگر جیتے جی بات جاتی کب گوارا ہے۔"

یہ [کلمہ] سُن کے جل گئی۔ غصّے سے [چہرے کی] رنگت بدل گئی۔ کچھ بڑبڑا کر جانِ عالم پر پھونکا، یا نصیحت پیغمبر تھا، اب حلق تک ہو گیا۔ حسرت و یاس سینے میں بھری تھی۔ [ایک] تصویر آذری کی پنگڑی پر سے جس [کو حرکت] دھری تھی۔ پھر وہ اژدہے پر چڑھ کر اڑی اور پکاری: "اے اجل رسیدہ آج کے دن اور رات کی مہلت ہے، اگر صبح کو بھی انکار کیا تو یاد رکھنا، لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا۔"

یہ سُنا وہ تو ہوا ہو گئی۔ [یہاں کا حال سُنیے کہ] جب تک شہزادہ آدھا پتھر تھا، تو ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا کر پکارتی تھیں، جانِ عالم جواب دیتا تھا، یہی آواز کا سہارا، اُن کی زیست کا سبب تھا۔ اب تا حلق پتھر ہونے سے وہ جرسِ قافلۂ گُم کردہ راہ دشتِ غربت بے صدا ہو گیا۔ وہاں صبر کا راہبر جدا ہو گیا۔ ہر چند دونوں چلائیں، شہزادے نے مطلق جواب نہ دیا۔ بولا ہی نہ گیا۔ پھر تو ملکہ مہر نگار دل افگار سر پیٹ کر کہنے لگی۔

میر حسن:

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا

کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا [1]

مژدہ اے مرگِ غریب الوطنی! خوب حیلہ ہاتھ آیا، تو بدنامی سے بچی، ہم نے ناکامی میں جان دی، چرخِ ستم شعار تو نیرنگ لایا۔"

انجمن آرا بے چاری، مصیبت کی ماری، سب کا منہ حیرت سے تکتی تھی اور

---

[1] مثنوی میر حسن

روتی تھی۔ نہ بین کرآتے تھے، نہ غل مچایا جاتا تھا، گھُٹ گھُٹ کے جان کھوتی تھی، خواصیں سرکھول کے کہتی تھیں۔ "ہے ہے! ہم اس جنگل ویران میں لُٹ گئے، وارث سے چھُٹ گئے۔ شعر

تو وہ کریم ہے ناشاد کو جو شاد کرے
مُراد مند کو ہر طرح بامراد کرے

لوگو! ہم کدھر جائیں، اس بلا سے کیوں کر نجات پائیں۔"

کوئی کہتی تھی۔ "شیطان کے کان بہرے، خدانخواستہ اگر جانِ عالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا، شہزادیاں خاک میں مل جائیں گی، غمِ جدائی سے جانیں گنوائیں گی۔ ہم اُن کے ماں باپ کو کیا مُنھ دکھائیں گے۔ اس دشت ادبار میں سر ٹکرا [ٹکرا] کے مرجائیں گے۔ یہ جادوگرنی قربان کی تھی [لاشوں کو]، یوں ہی بے گور و کفن رکھے گی۔"

اور آتون، محل دار جگر افگار سر سے چادریں پھینک مدینے کی طرف پکار پکار یہ کہتی تھیں۔ شعر

تصدق اپنے نواسوں کا یا رسول اللہ
کہو کہ حل کریں مشکل ہماری حضرت شاہ

ایک طرف مُغلانیاں، غم کی ماریاں، دم گرم آہ سرد بھرتی تھیں۔ ایک سمت انیسیں، جلیسیں نجف کی طرف بالی کھول کے التجا سے، گریہ و بکا سے یہ عرض کرتی تھیں شعر

تم نے مدد کر نوح کی طوفاں سے کشتی پار کی
یا مرتضیٰ مشکل کشا کیوں دیر میری بار کی

کوئی کہتی تھی۔ "ہمارا لشکر جو اس بلا سے نکلے گا، تو مشکل کشا کا کھرّا دونا

دوں گی۔"

کوئی بولی۔ "میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی، کونڈے بھروں گی، صحنک کھلاؤں گی۔ دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی۔"

کسی نے کہا۔ "میں اگر جیتی چھُٹی جناب عباسؑ کی درگاہ جاؤں گی، سقائے سکینہ کا علم چڑھا، چہل منبری کروں گی، نذرِ حسینؑ سبیل پلاؤں گی۔"

غرض کہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا۔ صدائے حزیں، نالۂ ہر غمگیں سے ہنگامۂ محشر بپا تھا۔

اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشیدِ فنِ سحر میں دیدہ شُنید، اس مردِ بُزرگ کی ملاقات کو ادھر سے ہوا اُڑا جاتا تھا۔ یہ نالۂ بلند، صدائے ہر دردمند اُس کے کان میں جو پہنچی، زمین کا متوجہ ہوا، دیکھا تو ایک لشکرِ عظیم بہ حالِ سقیم سحر میں مُبتلا ہے، شور و غل ہو رہا ہے۔ جب قریب تر آیا، طرفہ ماجرا نظر آیا، کہ انسان سے جانور تک سب آدھے پتھر ہیں۔ سمجھا کہ سحرِ شہپال میں خراب حال ہیں۔ لوگوں سے پوچھا۔ "یہ ستم رسیدہ لشکر کس کا ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ کس نے یہ حال بنایا ہے؟"

وہ ملکۂ مہر نگار کے مُلازم تھے۔ سب نے اپنا [مُفصّل] حال بیان کیا۔ جب اُسے یہ امر معلوم ہوا کہ اُستاد زادی کے گھر میں ماتم ہے، خانہ بربادی ہے۔ اور شہپال کی بیٹی کو مسرت ہے، شادی ہے۔ دَر خیمۂ ملکہ پر آیا، سر پیٹا چلایا۔ ملکہ نے [بد حواسی میں] آواز پہچانی کہا۔ "بھائی! اس وقت پر وہ کہاں کا، یہاں آ کے بالمشافہ ہمارا عذاب اور حالِ خراب دیکھو۔" وہ [جب] اندر آیا، ملکہ کو بھی اسی عالم میں پایا۔ اُس نے فرمایا۔ "عداوتِ ساحرہ سے ہمارا قافلہ تباہ ہے۔" وہ عرض کرنے لگا۔ "فدوی کو اس کی ہمسری کی طاقت نہیں، اور وقفہ کم

صبح سب کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ بجز آپ کے والد بزرگوار کے تشریف لائے، یہ بلا ٹلتی نہیں، [فدوی کی یہاں دال گلتی نہیں]۔ لو خدا حافظ و ناصر ہے"۔ یہ کہہ کے بہ حال خستہ و تباہ لب پر نالہ و آہ اس تیز قدم سے چلا کہ ادہم صبا کی ڈپٹ ہر قدم پر نثار تھی، ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی۔ پہر بھر میں وارد باغ ہوا۔ گل سا چاک گریباں، غنچے کی طرح خموش، شبنم نما اشک رواں۔ [بلبل کے طور کبھی نالاں با جوش و خروش]۔

پیر مرد نے فرمایا۔ "خیر ہے؟"

اُس نے شمّہ گرفتاری جان عالم، ملکہ کی بے قراری، انجمن آرا کا الم، لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی۔ "جلد چلیے، اگر شام تک نہ پہنچے تو وہاں ذبح ہے۔ دم سحر ملک الموت کا بازار گرم ہوگا۔ ارمان سب دل میں رہے گا، کشتوں کو عالم بے والی وارث کہے گا۔ کوئی گور و کفن نہ پائے گا۔ خاتمہ بالخیر ہو جائے گا۔"

پیر مرد نے آہ سرد بھر کر فرمایا۔ "افسوس شہزادے کو سب کچھ سمجھایا تھا مگر عمل میں [مطلق] نہ لایا۔"

میر سوز ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اُسی دم شاہین تیز پرواز پر سوار ہو، مغرب کی نماز لشکر میں آکے پڑھی۔ پہلے جان عالم کے خیمے میں آیا، حال دیکھ کے سخت گھبرایا۔ پھر جاکے انجمن آرا کی تسکین کی وہ رونے لگی۔ وہاں سے ملکہ کے پاس آکے کہا۔ "تمھاری بدبختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا، برسوں کے بعد باغ سے نکالا۔"

ملکہ نے رو کے عرض کی۔ "یہ وقت تدبیر ہے نہ ہنگام تعزیر۔ بعد رہائی

اس آفتِ سماوی کے جو چاہتا فرماتا۔"

القصہ مجبور و ناچار، وہ عارفِ باوقار شہزادے کے خیمے کے نزدیک، دور تک حصار کھینچ کر بیٹھا۔ یہ مردِ بزرگ نیک صفات، فنِ سحر کے سوا عاملِ اسمِ ذات کا تھا۔ کچھ پڑھنے لگا، کبھی مناجات بہ درگاہِ مجیب الدعوات کرتا کہ "اے یاورِ زیردستاں و سرفرو کنندۂ گردن کشاں! اس بوڑھے کی شرم تیرے ہاتھ ہے۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ وقت اخیر ہے، تو ہی حافظ و نگہبان ہے۔ مجھ پر جو مشکل ہے، تیرے روبرو آسان ہے۔ سفید داڑھی کو بدنامی کے دھبے سے نہ رنگانا، تیرہ بختی کا دھبا اس ریشِ سفید پر نہ لگانا۔

شعر

مشکل ز توجہِ تو آساں

آساں ز تغافلِ تو مشکل

جب کہ سجادہ نشینِ چرخِ اول، با مجمعِ مریدانِ کواکب حجرۂ مغرب میں روپوش ہوا، اور ساحرِ فلکِ چہارم با جلال و حشم، طلسمِ مشرق سے نمودار، با جوش و خروش ہوا۔ وہ عبادت گزار، پیرِ جواں، مردِ شب زندہ دار، وظائفِ صبح سے فرصت پاچکا۔ یکایک وہ نابکار، شیطان صفت، ناپاک صفت، ناپاک عورت اژدہے پر سوار، بچشمِ خونخوار، بہ عزمِ قتلِ جانِ عالم، لشکر میں تنہا آئی۔ پہلے ملکہ کے باپ پاس گئی۔ آنکھیں لال لال، با طیشِ کمال اور باآوازِ کرخت اُس وہ نگوں بخت نابکاری کر۔" اے مردِ پیرِ شکست تدبیر! تیری اجل دامن گیر ہو کے کشاں کشاں اس دشتِ جانفشاں میں لائی ہے۔ تجھے شرم آتی ہے کہ تو پیر نوّد سالہ ہو چکا ہے۔ ہلے مارے مرتا ہے۔ تیرے قتل میں بدنامی چھوٹ فائدہ کیا ہے، جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا۔ میں بیک نگاہِ کج، نشانِ لشکر، اس صفحۂ زمین سے، مثلِ حرفِ غلط، کارد سحر سے

ستائے دیتی ہوں۔"

مردِ بزرگ نے آشفتہ ہو کے فرمایا: "اے ننگِ فرقۂ بنی آدم، مردودِ عالم! تجھے جوشِ شہوت، ولولۂ مباشرت نے آمادۂ قتلِ ہزار بندۂ اللہ بے جرم و گناہ کیا۔ میں مرگِ عزیزاں دیکھوں، مرنے سے ڈروں! بقول تیرے آج نہ موا، کل مر جاؤں گا، جیتے جی خلقِ [خدا] کو کیا منھ دکھاؤں گا۔ ہم چشموں سے ناحق آنکھ چھپانی پڑے گی، تو بدبخت، مجھ سے کیا لڑے گی؟"

یہ سن کے وہ فاحشہ جھلّا، آستین چڑھا، سحر کی نیرنجیاں دکھانے لگی۔ ان کی بھی دعا کی تاثیر سپر بن گئی، اس کا سحر اسی پر ڈھال، رنگ مٹانے لگی۔ صبح سے پہر دن باقی رہا، مگر طرفین سے کوئی دقیقہ نہ باقی رہا۔ طول اس مقام کا بیجا تھا۔ اسی کلمے پر تمام کیا کہ جب وہ عاجز ہوئی، تب سحر کی طاقت سے اپنی صورت شیر کی بنائی۔ پیر مرد بھی اسد اللہ الغالب کو یاد کر، وہ مہیب ببر بنا اور اس طرح للکار کے گونجا کہ جنگل کے چارپائے ڈر کے خوف سے دریا میں گرے اور پانی کے [رہنے والے] جانور خشکی میں چھپتے پھرے۔

کچھ دیر اس ہیئت میں لڑائی زور آزمائی رہی۔ آخر کار وہ روباہ خصال اس ہزبرِ نیستانِ شجاعت کی تاب نہ لائی، گیدڑ بھبکی دکھا، عقاب بن کے اڑ چلی۔ وہ شاہینِ اوجِ دلیری سوچا، بے گرفتاری طائرِ مطلب اس ڈھنڈو کے لشکرِ جنجال سے نہ نکلے گا۔ اسی طرح یہ بھٹکی بھٹکی، ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے گی۔ بلا سے کچھ ہو، اسے پھنساؤ، زور میں کم پایا تھا، فوراً باز تیز پرواز ہو کے اس سناٹے سے چنگلِ فولادی میں اسے دبوچا، اور ایسا نوچا کہ اس کی جان سنسنا گئی۔ بھاگتے وقت رجال الغیب سامنے تھا، موت پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑی۔ بہت تڑپی [مگر] پنجۂ قضا سے نہ چھٹی۔ اسی کشمکش اینچا کھینچی میں مرغِ روح

اُس کا مجروح، قفسِ تن سے اُڑ کے آشیانۂ جہنّم میں پہنچا۔ غلغلۂ محشر و شورِ نشور اُس صحرا میں نزدیک و دُور مچا۔ ہر طرف سے دار و گیر کی صدا آئی۔ آسمان چکّر میں آیا۔ زمین تھرّائی، دشت تیرہ و مکدّر ہوا، آندھی چلی، سحر کا کارخانہ اُڑ گیا۔ ابتر ہوا۔ قریبِ شام وہ سیاہی موقوف ہوئی۔ خورشید نے رُخِ انور دکھایا، اپنا بیگانہ [منفعل سا نظر آیا۔

جانِ عالم گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اہلِ لشکر نے رہائی، از سرِ نو زندگی پائی۔ جانِ عالم خیمے سے نکل، نادم و خجل پیرمرد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب نے دیکھا کہ دور حصار میں ایک رنڈی، اسّی نوّے برس کا سن، ضعف کا زور و شور، بڑھاپے کے دن قد [خمیدہ جیسے چڑھی] کمان، مرنے پر بیس، [منھ اُترا] آنکھیں تو وہ طوفان جسم کا ہر پٹھا درپے ژولیدگی، گھٹی ہوئی رگیں صاف نظر آتی تھیں۔ ہڈیاں پسلیاں بوسیدہ جلد کے اوپر سے گنی جاتی تھیں۔ دُرجِ دہاں بے دُرِ دندان، سینۂ خالی کی طرح وا، ڈاڑھ دانت کے نام سے منھ میں خاک نہیں، بھاڑ سا کھلا۔ نیلے نیلے مسوڑے سڑے، تالو توے کا پتا، جیب جھلسی، چھالے پڑے، ہاتھ دھتا برگد کا ٹہنا، پایاں جز زمین پر ڈالا تھا، وہ ساکھو کا ڈالا تھا۔ قد کا ڈول نرالا، عوج بن عنق کی خالہ۔ ٹانگ ہر ایک تاڑ سے بڑی، کھڑی ہو تو سقفِ بے ستون کی اژدار ہو، گنبدِ چرخ کی پاڑ ہو، پھیلائے پڑی تھی، گویا چھوڑا کسے محل کی کڑی تھی۔ سینہ پُر کینہ تنگ، چھاتیوں کے تکّے تُکّے کی طرح سیدھے لٹکتے، [دمِ رفتار ٹانگوں میں اٹکتے] پیٹ کے لپیٹ کی انتہا نہیں، بے خاک گور کبھی بھرا نہیں۔ [کمر کا طول کیا عرض کروں، ناپ نہ سکا۔ بغلوں سے کیچڑ بہتی، ناف جیسے گھنٹا بیگ کی گڑھیا۔] دل پہاڑ کی سِل سے سخت تر، گردہ توپ کا ہمسر، ہڈی سے گوشت، گوشت سے

کھال جُدا، پیر زال، فرہادکُش بڑھیا۔ چہرے کا یہ رنگ کہ سلہٹ کی سپر کا اُس کے رُو بہ رو منُھ سفید ہو جائے، شبِ فرقت کی سیاہی میں کالی بلا سی نظر آئے۔ کھونبڑ کا وہ ڈھنگ کہ سب کہتے تھے نہ بچا ہے۔ لڑکوں کو آنکھ ڈرائے کاٹ نہ کھائے۔ ماتھے پر سیندور کا ٹیکا، دُور سے نظر پڑتا اور سفید چونڈا چنور کی طرح لٹکتا۔ سیاہی کا دھبّا۔ بجز تیرہ بختی کہیں نہ دیکھا۔ ایسے سر کی مانگ میں بھی مانگ جانچ وہی سیندور بھرا۔ سر میں ناریل کا تیل، پھٹے پھٹے دیدوں میں نریدوں کی طرح، کاجل رہی ہیں۔ گہنے کے عوض سانپ بچھو لپیٹے۔ کھوپڑی اور ہڈیوں کے ہار گلے میں پڑے۔ سحر کا سنگار [وہ نابکار] کیے۔ پُشت بہ بہشت رو بہ نحس سوئے جہنم چت پڑی تھی۔

[یہ دیکھ کے] شہزادہ، پیر مرد کو ساتھ لے کے محلسرا کے خیمے میں آیا۔ شہزادیوں نے جان پائی۔ جلیسوں کے مُنھ پر رونق آئی۔ خواصوں نے شکرِ جنابِ باری کیا، ماما اصیلوں نے پیر مرد کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ یہ کہا، مصرع
— اے آمدنت باعثِ آزادیٔ ما۔

اُس بزرگ نے فرمایا۔ "ابھی اس معرکے سے نجات نہیں ہوئی، آفتِ عظیم کا سامنا باقی ہے۔"

جانِ عالم نے پوچھا۔ "قبلہ! وہ کیا ہے؟"

اس نے فرمایا۔ "اس کا باپ شہنشاہِ جادواں ہے، کوئی دم میں ضرور آئے گا۔ بکھیڑا مچائے گا۔"

ملکہ مہر نگار مضطرب ہوئی۔ پیر مرد نے فرمایا۔ "اللہ یار ہے، وہ کیا ابکار ہے۔ ع

دشمن اگر قویست نگہباں قوی تر ست۔"

یہ کہہ کے دو ماش چپ و راست پھینکے ، دو جانوری صورت کے پیدا ہوئے ، ہرن کے چہرے ، طاؤس کا دھڑ ، یاقوت کے سینگ ، الماس کی آنکھیں ، زمرد کے پر ۔ پھر دو ٹھیکروں پر کچھ لکھ کے دونوں کے سامنے رکھا ، وہ ہر ایک چونچ میں اٹھا ، اڑ گیا ۔ وہ رات بھی بیم و ہراس میں گزری ۔ جب وقت ساحرِ شب بیدار عاملِ صبح کی آمد کے دبدبے سے بھاگا ، ہوا تند چلی ، برق چمکی ، رعد کی آواز ہوئی ، اہلِ لشکر ڈر گئے ۔ مثل مشہور ہے ، مار گزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد

پیر مرد کے گرد سب جمع ہوئے کہ ایک سمت سے غول کے غول ، غٹ کے غٹ ، جادوگروں کے جھٹ پٹے ، باز ، جرے ، باشے [اور] بھجنگے ، پر لگے دھڑ لگے ۔ سوار قطار قطار آئے ۔ میدان میں مرشدِ کامل نے ان کا پرا جمایا ۔

دوسری جانب سے جادوگرنیاں طاؤس اور ناگنوں پر سوار ، آتش بازی کے حقے اڑاتی ، ناریل اچھالتی ، اکتارے چھڑاتی ، یا دیے کی جھنڈیاں کھلی ، ہوا سے اڑتی ہوئیں ۔ آپس میں چھیڑ چھاڑ ، سحر آزمائیاں ، ہاتھوں کی صفائیاں ہوتیں ۔ لڑائی کے عزم پر ہر ہر کرتی موجود ہوئیں ۔ اسی پرے کے مقابل ٹھہریں ۔ انھیں دیکھ کے جانِ عالم کا جی کلبلایا ۔ فوج کے سرداروں کو [روبرو] بلا کے ، فرمایا ۔ "گو آج دغدغہ کامل ہے ، اگر فضلِ الٰہی شامل ہے ، تو یہ معرکہ دیکھنے کے قابل ہے ۔ زندگی ہے تو ایسا روز پھر کبھی کاہے کو نظر سے گزرے گا ۔ وگرنہ مرگ انبوہ جشنے دارد ۔ ہماری بھی فوج چمک دمک سے صف آرا ہو ، اسباب سب کو نیا دو"

یہ خبر سن کے پہلے بیلدار نکلے ، پست و بلند زمین ہموار کر ، کنکر پتھر چن کر ، جھاڑی جھنڈی کاٹ ڈالی ، جھاڑی ہوئی زمین صاف برابر نکالی ، پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کیے ۔ توپوں کے پیے دمدمے جھانکی لگا کے باندھ دیے ۔ کہیں

سُرنگ کا پوشیدہ رنگ جمایا۔ بارود کو بچھا، میدانِ جنگی بنایا۔ پھر سقے آبپاشی کر گئے۔ توپ خانے والے باچوں میں پانی بھر گئے۔ فوج کی آمد ہوئی، صفِ کارزار آراستہ ہونے لگی۔ راس و جیب پانچ پانچ سے ہاتھی مست، پٹے سونڈوں میں [گلکاری بھسونڈوں میں،] دانت سفید آبدار، [اُن پر چوڑی جواہر نگار] ایک ایک پہلوان [ثانیِ رستم دستاں] قوی ہیکل، زرہ پوش، گُرز گراں، [کوہ شکن] بردوش، ان پر سوار۔ پھر پلٹنیں اور توپ خانہ آیا۔ انھیں قرینے سے جمایا۔ کیا کیا توپ فلک شکوہ، [شعلہ وہاں آتش فشاں] سُورج جھنکار، اور ناٹک متی کی پتی کی۔ گردون گرزاں پر چوٹ کرتی۔ [غضب کی بھری، ترحم سے خالی] مدد کو ہوٹ، کوسوں کی چوٹ کی، اور وہ غبارے جس کا گولا قصرِ چرخ میں اُتارے۔ پھر سواروں کے پرے میں میمنہ، میسرہ، قلب و جناح، ساقہ و کمیں گاہ دُرست کر دیا۔ آگے ہراول، پیچھے سواروں کے پیدل، فوجوں کے دل۔ نقیب چار سُو سے نکلے۔ کلّے سے کلّہ، کنوتی سے کنوتی، پُٹھے سے پُٹھا، دُم سے دُم، سُم سے سُم ملا دیا۔ نشان برداروں نے علم ہائے سبز و سُرخ زرافشاں کو جلوہ دیا۔ سبز ہر علم ماہی، پرچم کی چمک چشم دلاوراں میں بادۂ جرأت کا کام کر گئی۔ نامردوں کو ہول ہوئی، [کچھ اور لہر آئی] بھاگنے کی فکر پڑی پیٹ میں کھلبلی مچی، کتنوں کی چلتے چلتے گانڑ چلی۔ دریائے فوجِ ظفر موج موجزن ہوا، حشر کا میدان رن ہوا۔ غرشِ کوسِ حربی صدائے نقارۂ جنگی، چرخِ چنبر بُرجِ ثور تک، زیرِ زمیں، گاوِ ثری کو پہنچی۔ اور صدمۂ دمامۂ تند و نہیبِ آوازِ دُہل، گوش فریب سے کرۂ ارض و سما دہل گیا، اور کرنائے چینی نے غریو سے صُور کی ہمدمی کا دم بھرا۔ [آیۂ کریمہ] اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا[۵] کا وقت

---

۵ حاشیہ صفحہ ۱۷۸ پر

قریب آیا۔

[شہزادہ] جانِ عالم بھی بصد جاہ و حشم، اسپِ پری پیکر پر جلوہ گر ہوا۔ چترِ زرنگار بالائے سر، تاجِ شہریاری کج رکھ کر، شمشیرِ برق دم، زیبِ کمر، فولادی سپر پُشت پر، دہنے ہاتھ میں نیزہ اژدہا پیکر دو زبان، بائیں میں مرکبِ رشکِ صرصر کی عنان۔ فتح و نصرت جلو میں، اقبال و یاور تگ و دو میں، ہمّت و غیرت دست بستہ ہم، جرأت زیرِ قدم، قربوس زین میں کمانِ کیانی پھرے پُر رعب و جلال کشورستانی۔ سمندِ صرصر گام کو گرمِ عنان جولاں کرکے، [فوج کے] برے کے برابر باگ لی۔ چاؤش طرار، خبردار باش للکارا۔ چرخ پر مریخ سا خنجر گزار "الاماں" پکارا۔ [فوج کو ملاحظہ فرمایا۔] کڑکیتوں نے کڑکا شروع کیا، نقیبوں نے نہیب دی۔ کہ "دلاورو! آج عرصۂ جنگ، جگہ نام و ننگ کی ہے۔ دنیا میں زندگی چار دن ہے، لڑنے بھڑنے کا نوجوانو یہی سن ہے۔ کسی کو بقا بجز ذاتِ خدا نہیں، ہمیشہ دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ شعر

؎ رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا[1]

(حاشیہ صفحہ ۲۸۳)

۱۔ سورۃ الزلزال آیت ۱۔ پارہ ۳۰

جب زمین بڑے زوروں کے ساتھ زلزلے میں آجائے گی

۱؎ بہ تغیرِ الفاظ یہ شعر کلیاتِ سودا میں شامل ہے ؎

نے رستم اب جہاں میں نہ سام رہ گیا   مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

کلیاتِ سودا مرتبہ آسی ص ۳۷

اس صدا سے جو سدا کے بہادر، صاحبِ جرأت تھے، اُن کا دریائے شجاعت سینے میں موجزن ہوا۔ مونچھیں کھڑی، آنکھیں سُرخ، چہرے بشاش ہو گئے۔ بسانِ شیرِ دلیر قبضہ ہائے شمشیر دیکھنے لگے اور چست و چالاک ہو کے مُستعدِ کارزار، آمادۂ مرگ ہو گئے۔ جانفشانی کو تیار ہو گئے۔ ہر دم باہم یہ اختلاط تھا، دیکھیں آج تلوار کس کو خُوب کاٹتی ہے۔ کس کس کا لہو چاٹتی ہے۔ پہلے نیزہ کس کا سینۂ عدو پر چلتا ہے، اور طعن پر کون چھاتی تانتا ہے۔ لوہا کون مانتا ہے، اور کس کے تیر کے نشانے سے فوارہ خُون کا اچھلتا ہے۔ آبِ پیکاں، [سرِ میدان] دشمن کے حلق میں کون اتارتا ہے۔ بسرِ پیکان کس کا تالبِ سوفار سُرخرو ہوتا ہے۔ کس کو کون للکار کر، ڈانٹ کر [ڈپٹ کر] مارتا ہے۔ دواکو [دیکھ بھال کے] کون پکارتا ہے۔ عرصۂ کارزار میں حقِ نمک آقا کا ادا کیجیے، دشمنوں کا لہو پیجیے۔ جب بگڑے تو وہ کام بنے، جس سے رُستم کی گور تھرّائے، سام و نریمان کا رنگ فق ہو جائے۔ کوہ کو پرکاہ کی طرح اکھاڑیئے۔ دیو سامنے آجائے تو پچھاڑیئے۔ رئیس قدردان سرِ میدان سرگرمِ نظارہ ہے۔ دیکھیے کون کام کا ہے، کون ناکارہ ہے۔ کس کے ہاتھ کھیت رہتا ہے، [دیکھیے] کون کون کھیت رہتا ہے۔ منچلا پن کر لو، زرد و سُرخ و سفید سے ڈھالیں..........

....

....

.... آج ہی تو آن بان ہے، یہ گو یہی میدان ہے۔ اور ڈیل ڈول کا لاحول ولا، عجب ڈول ہوا، ہول سے چہرے زرد، لب پر آہیں سرد، منھ پر ہوائیاں اڑتی تھیں، ہر بار بھاگنے کو باگیں مڑتی تھیں، کھڑے

الٹے اپنے مُنھ نوچتے تھے' [اور بھاگ جانے کی راہ سوچتے تھے] پیٹ پکڑے پھرتے تھے۔ دست بر دست چلے آتے تھے۔ ڈر کے مارے پن مارے موئے جاتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ میاں! جی ہے تو جہان ہے۔ نوکری نہ ملے گی، بھیک مانگ کھائیں گے، جانیں کہاں پائیں گے۔ حُرمت گئی تو گئی، لہو کی ندی تو بدن سے نہ بہے گی۔ یہی نا کوئی نام رکھے گا، آبرو جائے گی۔ جی تو رہے گا۔ یہاں کی بگڑی کہیں اور بنا لیں گے۔ تیر تلوار کی گولی بچا کے گالیاں کھا لیں گے۔ لڑنے کو سپاہیوں نے کمریں باندھی ہیں۔ کوسنے کو ہم موجود ہیں، کو یوں بھاگنے کو آندھی ہیں۔ جو تکیں لگانے میں ہمارے ماں باپ بھنگ پلاتے تھے، معجون کھلاتے تھے۔ کسی کی فصد کھُلی دیکھ کے ہمیں غش آتے تھے۔ دوست ہو یا دُشمن ہم تو دونوں کی خیر مانگنے والے ہیں۔ سب سے پہلے معرکے سے بھاگنے والے ہیں۔ ہمیشہ گالی گلوج کو خانہ جنگی، دھول دھپے کو میدان داری سمجھے۔ لڑائی بھڑائی سے کبھی بھڑکے نہ نکلے۔ تمام عمر بدن میں سوئی نہ گڑنے دی [جوتی پیزار چھوٹ تلوار نہیں پڑی]۔ گالیاں کھا کھا کے زندگی کی۔ بے غیرتی کا بھلا ہو جس کے صدقے میں آج تک جان سلامت رہی۔ اس پر بھی قسمت نے یہ دن دکھایا۔ خُدا نے ہمیں ہیجڑا کیوں نہ بنایا۔ [اس زمانے میں ماں، بہن جورو، بیٹی کی کمائی نہ کھاتے تھے۔ اس پر یہ حال تھا، اُن کا رنگ دیکھا چاہیے جو اس روزی کے چٹیل ہیں۔"

غرض کہ ادھر فوج میں تو یہ ہلچل، کھلبلی مچی تھی۔ ادھر انجمن آرا اور ملکۂ مہر نگار نے ایک اونچا ٹیکرا تجویز کر کے خیمہ بپا کیا۔ چلمن چھوڑ کے آ بیٹھیں سیر دیکھنے لگیں۔

اس عرصے میں لشکرِ غنیم کی آمد ہوئی۔ یعنی شہپال جادوگر، [سیاہ رو]

تو لاکھ ساحر ہمراہ رکاب شکست انتساب لیے، تخت پر سوار، چالیس اژدر خونخوار [آتش بار] تخت اٹھائے [شعلے نکلتے] پھاڑ سا منھ ہر ایک پھیلائے، [بڑے کرّ و فر سے آیا۔ فوج بے قیاس، وہ خدا ناشناس لایا۔ اور سامنے جوانان تہمتن و گردان صف شکن کے اپنا پرا جمایا۔ پھر علم کالے آگے نکالے۔ پرچم سیاہ، ہم صورت بخت اس گمراہ کے کھلے۔ دف و نے اور گھنٹہ بجنے لگے۔ ادھر کوس و کور گرجنے لگے۔ [دونوں لشکر لڑائی پر تلے]۔

وزیر اس کا [پہلے پیام لایا] پیر مرد کے روبرو دست ادب باندھ کے زبان پر یہ کلام لایا۔ "ایلچی کو زوال نہیں، زیادہ گوئی کی مجال نہیں۔ شہپال نے فرمایا ہے، تمھارا چلنا سرتا سر برابر ہے کہ گرم و سرد زمانہ دیکھ کے عمر طبعی کو پہنچے۔ مگر ان نوجوانوں پر [اپنے بیگانوں پر] رحم نہ کیا۔ ان کے خون کا حساب اپنے اعمال کی کتاب پر لکھوا، بوجھ اپنے ذمے لیا۔"

پیر مرد خوش تقریر نے فرمایا: "اس اجل رسیدہ پیر نابالغ سے کہنا، بزرگین ہے جس کا خون زمین پر بہے گا، اس کا مظلمہ، مواخذہ تیری بیٹی، جو فاحشہ تھی، اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم سمجھتے تھے، وہی ننگ خاندان تھی، لیکن اب معلوم ہوا، [وہی زمین سے اگتا ہے جو بوتے ہیں،] افسوس کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مری، تیرے کلنک کا ٹیکا مٹا۔ تو تو اس سے بھی زیادہ بے حیا، سیہ قلب نکلا۔ یہ مقام رزم ہے۔ جائے نشتر وہ شمشیر یا رزم ہے۔ جو محل تقریر ہو، بے فائدہ گفتگو، لاطائل باتوں سے کیا حاصل، جو منظور ہو، بسم اللہ۔ اس میں دیر نہ کر۔ دیکھیں آج کس کے حصے میں [کس کا] تخت و تاج ہوتا ہے، اور گور و کفن کو کون محتاج ہوتا ہے۔"

وزیرِ محجوب بھرا۔ شہپال سے سب حال کہا۔ پھر تو وہ کافرِ غدّار، گبرِ ناہنجار مثلِ مارِ دُم بُریدہ، برخود پیچیدہ ہو، شعلۂ غضب سے وہ ناری جل گیا۔ چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح بدل گیا۔ پہلے تو آپ حقّۂ آتشیں، بیر مرد پر مارا، پھر لشکر کے سرداروں کو للکارا۔ دوپہر تک عجیب و غریب سحر سازی و ہنگامہ پردازی، جادوگر اور جادوگرنیوں کی لڑائی رہی کہ دیکھی نہ سُنی۔ کسی نے کسی کو جلایا، کسی نے بُجھایا۔ کسی سنگدل نے پتھر برسائے، سب کچھ سحر کے نیرنگ دکھائے۔

آخر کار جب جادوگری ختم ہوئی، لڑائی کی نوبت بہ گرز و شمشیر، نیزہ و تیر آئی۔ پھر تو شہزادہ جانِ عالم کی بن آئی۔ باگ اُٹھائی۔ فوجِ جرّار، غازیانِ نامدار خبردار ہوئے۔ سپاہ مانندِ ابر، چہار سمت سے گھر آئی۔ [صف کی صف دُھر دھمکی]۔ برقِ شمشیر چمکی۔ پہلوانوں کے نعرے نے رعد کا کام کیا۔ خُوب لوہا برسا۔ [بوند بھر پانی کو ہر ایک زخمی ترسا]۔ یہ سب تازہ دم، وہ دوپہر کے شَل، سیکڑوں ٹاپوں میں کچل گئے۔ گھوڑوں کی جھپٹ میں کھنڈل گئے۔ شمشیرِ صاعقہ خصالِ جانِ عالم کا یہ حال تھا، جس کے سر پر پڑی، خود و سر اُس خود سر کا کاٹا، حلق میں قطرۂ سیماب کی طرح اُتر، سینۂ پُر کینہ کا لہو چاٹا۔ وہی سر جو پناہ خود میں تھا، پلک جھپکی تو گود میں تھا۔ پھر گھوڑے کے تنگ سے جُست گزر، زخم کشادہ کر، خانۂ زین سے زمین میں قرار لیا۔ سرِ بالیں اس کی قضا کو روتے دیکھا۔ اسے خوابِ مرگ میں پاؤں پھیلائے سوتے دیکھا۔ [ملک الموت کی صدا آئی کہ ”وہ مارلیا“] جس پر ٹیک کر ایک وار کیا، دو کیا دو کو چار کیا۔ حواسِ خمسہ کسی کے دُرست نہ تھے، ششدر ہو گئے۔ ساتوں طبق زمین کے تھرّائے، آسمانوں کو چکّر ہوا، مُردے قبروں سے چونک کر باہر نکل آئے۔ جو اُٹکا اُسے مار لیا، بھاگ گئے کا پیچھا نہ کیا۔ گھڑی بھر میں خُون کا دریا بہہ گیا۔ لاشوں

کا انبار رہ گیا۔ کاسۂ سر حباب دریا کی طرح بہتے نظر آتے تھے۔ ڈھیر موج خوں میں ادھر ادھر غوطے کھاتے تھے۔ دشمنوں کی کشتیِ زیست طوفانی تھی۔ آبِ تیغ کی طغیانی تھی۔ عدو کی فوج کا دل زندگی سے سیراب اور اچاٹ تھا، لہو بہ لب ہر تلوار کا گھاٹ تھا۔ کوسوں تک لاشے پٹے تھے، یہ پاٹ تھا۔

آخر کار فوج کو شکست دی۔ شہپال کو مارا، سر اُس خود سرِ پُر نخوت کا مثلِ خیارِ تر اُتارا۔ باقی ماندہ سپاہ اُس تیرہ بخت، نگوں سار کی خوار ہوئی۔ زندگی دشوار ہوئی۔

پھر تو غازیانِ فتح نصیب جادو وانِ بہیب ٹوٹ پر ٹوٹ پڑے۔ سب کچھ لوٹا، ساز و سامان ان کا ذرہ نہ چھوٹا۔ ادھر نشان کھلے، شادیانے بجے۔ وہ سب جادو پھراتے، ماتم کرتے، گریباں چاک، سر در گم، آغشتہ خاک، دم سرد بھرتے، جس کا منھ جدھر اُٹھا، بھاگ نکلا۔ میدان کشتوں سے اٹ گیا۔ آج تک طعمۂ زاغ و زغن اسی جنگ سے ہے۔ صحرائی درندوں کے خوب پیٹ بھرے۔ بلکہ جانوروں کی دعوت کو گوشت کے تختے قیمہ کیے اٹھا رکھے۔ بہت ہیضہ کر کے مرے۔ وہ سرزمین، قلعہ و خزانہ سب اُجانِ عالم کے قبضے میں آیا۔ بڑی جستجو اور تگاپو سے وہ لوح اور نقش پایا۔ پیر مرد رخصت ہوا۔ اور جتنے مدارج پند و نصیحت تھے، مکرر سمجھائے۔ راہ کا خطر، مصیبتِ سفر، ہر منزل و مقام کا نفع و ضرر کہہ کے فرمایا: "میری جان! اب ایسی حرکت اور سامان نہ کرنا، جو پھر کوئی دیو، بد نہاد، دشمنوں کے سامنے آئے۔ دوستوں سے رنج اُٹھانا پڑے۔ ہم سے باغ چھوٹے، کوہِ الم ٹوٹے۔ اللہ حافظ و ناصر ہے۔ رسول اس کا اور تمھارا مددگار و یاور ہے۔"

نزول موکبِ شوکت و جلال بعد فتح جادو شہپال، ساحلِ دریائے شور پر جہاز کا آنا، شہزادے کی طبیعت کا لہرانا، پھر سوار ہونا اور جہاز کی تباہی باہم کی جدائی، انجمن آرا کی بے سروپائی، جوگی کی ملاقات

آشنایانِ بحرِ تقریر و غوّاصانِ محیطِ تحریر، شناورانِ شطِ الفت، غریقِ لجۂ محبت نے گوہرِ آبدارِ سخن کو سلکِ گفتار میں منسلک کر کے زیبِ گوشِ سامعان [سخن شنوا] ذی ہوش اس طرح کیا ہے، کہ بعد فتح جنگِ جادو شہپال اور ہاتھ آنے خزانہ مالا مال کے، دو مہینے تک [تفریحاً] عساکرِ نصرت اثر شب و روز اُس دشت میں جلوہ افروز رہا۔

جب پیرِ رو باغ کو تشریف فرما ہوا، جانِ عالم نے کوچ کیا۔ چند مدت کے بعد ایک روز خیمہ لبِ دریائے شور ہوا۔ شہزادہ معشوقوں سے باہم تماشائے بحرِ زخّار و نظارۂ امواج [آپے در پے] پیچ پار [کا] اور سیرِ دریائے ناپید اکنار کی۔ پانی کا زور، ہوا سے دریائے شور کا شور، کیفیتِ لطمہ و گرداب دیکھتا تھا۔

نظم

آب کیسا کہ بحر تھا زخّار ‏ ‏ تند و موّاج و تیرہ و تہ دار

موج کا ہر کنایہ طوفاں پر ‏ ‏ مارے چشمک حباب عمّاں پر[1]

گزرِ موج جب نہ تب دیکھا ‏ ‏ ساحل اُس کا نہ خشک لب دیکھا

---

[1] مثنوی دریائے عشق

ناگاہ ایک جہاز پُر تکلف با نقش و نگار بسیار، صفا دار نمودار ہوا۔ شہزادہ سمجھا کوئی سوداگر کہیں جاتا ہے۔ جب قریب آیا، جہاز کو لنگر کیا اور ناخدا درِ دولت پر شرف اندوز ہو کے عرض کرنے لگا: "ہم لوگ ملّاح ہیں، یہاں جو شاہ و شہریار رونق افروز ہوتا ہے، ہم اُسے دریا کی سیر شکار، بحری جانور آبی دکھاتے ہیں۔ موافق قدر جو قسمت میں ہوتا ہے، انعام پاتے ہیں۔"

یہ سُن کے خواہش سیرِ دریا شہزادے کے سفینۂ دل میں موجزن [اور] لطمہ پیرا ہوئی۔ ملکہ [مہر نگار] سے کہا: "چلتی ہو؟"

اُس نے عرض کی: "ہنوز گردابِ غم، تلاطم اندوہ و الم سے ساحلِ فرحت و طرب کی ہمکناری میسر نہیں ہوئی، آپ کو اور لہر آئی، نیا ڈھکوسلا سوجھا۔"

جانِ عالم نے کہا: "دریا کی سیر جی مسرور کرتی ہے، خفقان دُور کرتی ہے، طبیعت بہل جاتی ہے، [لاکھ طرح کی] کیفیت نظر آتی ہے۔ تم نے [کیا] سُنا نہیں قولِ سعدی [ہے]:

مصرع۔ بہ دریا در منافع بے شمار است

دو چار گھڑی دل بہلا کے چلے آئیں گے، ملّاح محروم نہ رہ جائیں گے۔

ملکۂ مہر نگار نے متردد ہو کے کہا: "یہ سب سچ ہے، جو آپ نے فرمایا، خفقان کیا، آپ کے دشمنوں کو زرا لیجیو لیا ہے۔ میں نے بارہا انجمن آرا سے کہا ہے، سو یہ مرض لا دوا ہے، پانی سے دُونا ہوتا ہے۔ اس کے سوا میرے دماغ میں بھی کیا خلل ہے، سعدی:

ع اگر خواہی سلامت بر کنار است

شہزادہ [بد مزہ ہوا] فرمایا: "خیر ہم تو سڑی ہیں، تنہا جائیں گے، تم نہ چلو بیٹھی رہو، آرام کرو۔"

جُدائی کی تاب محبّت کے مُبتلا کو کہاں ہے۔ اُلفت کا یہی بڑا امتحان ہے۔ [اس کا متحمّل ہونا غلط گمان ہے]۔ ناچار اُسی دم ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا مع چند خواص ہمراہ ہوئیں۔ جہاز پر پہنچیں۔ بادبان کھنچے، پالیں چڑھیں، لنگر اُٹھا، مہر نگار [بہ دلِ فگار اضطراب وار] یہ شعر پڑھنے لگی۔ حافظ

درین دریائے بے پایاں، درین طوفانِ موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا[1]

لوگ مصروفِ تماشا، ملکہ غریقِ بحرِ تفکّر، غوطہ زنِ گردابِ تحیّر، لُطمۂ اندوہ والم کی آشنا۔ باربار انجمن آرا سے کہتی تھی: "خدا خیر کرے، دشمن نہ ایسی سیر کرے۔ بے طور موجِ الم سر سے گزرتی ہے۔ خود بخود پانی دیکھ کے جان ڈرتی ہے۔ اللہ حافظ ہے۔ سراسر سامانِ بد نظر آتے ہیں، کلیجا خوف سے لرزاں ہے۔"

القصّہ چار گھڑی جہاز نے بادِ مراد پائی، سیر دکھائی، پھر آفت آئی۔ ناخدا چلّایا، ملّاح ہراساں ہوئے۔ شہزادے نے پوچھا: "کیا ہے؟"

عرض کی: "طوفانِ عظیم الشّان اٹھا ہے۔"

ابھی یہ ذکر تھا کہ ہوا عالمگیر ہوئی۔ جہاز تباہی میں آیا، بادبان ٹوٹ گرے، مستول گرا، ملّاحوں کے چھکّے چھوٹ گئے، سنبھالنے کا مقدور نہیں رہا۔ آخرش تلاطمِ آب، صدمۂ پیچ و تابِ موج سے ٹکڑے [ٹکڑے] ہو گیا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ ملی۔ کون ڈوب گیا، کون جیتا رہا۔ ایک سے دوسرا جُدا ہو گیا۔

جانِ عالم تختے کے سہارے سے ڈوبتا، ترتا چار [پانچ] دن میں کنارے لگا۔ جب تکان پانی کی موقوف ہوئی، غش سے آنکھ کھلی۔ دیکھا کنارے گیا ہوں۔

---

[1] اللہ کے حکم سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔

بلکہ گور کے کنارے لگ رہا ہوں۔ بڑی جدّ و کد سے اُترا۔ آہستہ آہستہ اُٹھتا بیٹھتا ایک طرف چلا۔ ایک بستی میں پہنچا۔ وہاں کے باشندے اُس کا چہرہ اور جمال، یہ خراب حال دیکھ کے بہت گھبرائے، قریب آئے۔ کوئی بولا "یہ پری زاد مثلِ سروِ آزاد ہے، چمنِ حُسن و خوبی کا شمشاد ہے۔"

کسی نے کہا "ابھی تو دِن ہے۔ یہ از قسمِ جن ہے۔"

غرض کہ جن جن نے اُسے جن کہا تھا، پاس آ، کچھ خوف سا کھا۔ [ڈرتے ڈرتے] اس طرح بولے۔ اُستاد ؎

کون ہو، کیا ہو، سچ کہو، حُور ہو یا پری ہو تم

[شہزادۂ] جانِ عالم [مصائب دیدہ] نے دمِ سرد، دلِ اندہ گیں سے بھر کے، چشم تر کر کے ان لوگوں سے یہ کہا۔ لا اعلمہٗ

حالے دارم چناں کہ دشمن خواہد
جانے دارم کہ فرقت تن خواہد
ناکامی خویش را، اگر شرح دہم
دُشمن بخدا زندگی من خواہد

ایھا النّاس: میں گم کردۂ کاروان، جرس کی طرح نالاں ہوں، دلِ گرفتہ نقشِ پائے یاران رفتہ ہوں۔ حُمق میں گرفتار، بچھڑوں کا طالبِ دیدار ہوں۔ غریب دیار، بیتاب، دانہ نصیب ہوا، نہ آب۔ مُفارقتِ یارانِ چند سے خستہ و خراب ہوں۔ ہوش و حواس یک لخت زائل، ضعف سدِ راہ۔ ناطاقتی حائل۔ یاروں کی صُورت نظر آتی نہیں، دیدۂ دیدار طلب میں بینائی نہیں۔ نہ تابِ رفتار، نہ طاقتِ گفتار۔

مؤلف ؎

بسانِ نقشِ پا بیٹھے جہاں، واں سے نہ پھر سرکے
بھٹکنا پوچھتے ہو کیا، بھلا ہم بے ٹھکانوں کا
یہ یاد دوستاں پہروں مجھے ہچکی لگ آتی ہے
کہیں مذکور جب ہوتا ہے کچھ گزرے فسانوں کا
علم سے آہ کے ثابت ہوئی غم کی ظفر ہم کو
کہ باعث فتح کا ہوتا ہے کھل جانا نشانوں کا
چھڑائے جبر سے پیرِ فلک نے دوست سب میرے
مٹے گا داغ کب دل سے مرے ان نوجوانوں کا
شرر منھ سے نکلتے ہیں سرورِ دل حزیں ہر دم
بھلا کیوں کر ہو دیواں جمع، ہم آتش بیانوں کا

اس حکایتِ جانسوز و شکایتِ چرخِ بے مہر غم اندوز سے، سب رونے لگے۔ کہا: "یہ [کوئی] شہزادۂ عالی تبار ہے۔ الاّ دل از دست دادہ محبوبوں سے دُور افتادہ، اس سبب سے جگر افگار ہے۔" منت و سماجت سے مکان پر لے گئے۔ ہاتھ منھ دُھلوایا، کھانا پانی حاضر کیا۔ شہزادۂ باوقار نے آب و طعام دیکھ کے رو رو یہ کلام کیا۔ اُستاد ؎

ہو خاک بھوک کی اُس فاقہ مست کو پھر جھانجھ
جو اپنا خونِ جگر روز ناشتا سمجھے

خدا جانے میرے بچھڑوں کا کیا حال ہوا! کسی کو دانہ پانی میسر آیا، یا کچھ نہیں پایا۔ میں نہ کھاؤں گا، بھوکا پیاسا [اس وقت میں] مر جاؤں گا۔" وہ بولے: "حضرت سلامت کھانے پینے سے انکار نادانی ہے، اسی سے بشر کی زندگانی ہے۔ جو جیتے ہو تو کسی روز بچھڑوں سے مل جاؤ گے، دگرنہ غربت

کے مرجانے میں، گور و کفن بھی نہ پاؤ گے۔"

ناچار سب کے سمجھانے سے دو ایک نوالے، بجبر حلق سے اُتارے۔ پانی جو پیا، ہاتھ پاؤں سنسنائے، پھر غش آئے۔ جب طبیعت ٹھہری، سب حالِ پُرملال، جہاز کی تباہی، انیسانِ ہمراز کی جُدائی، اپنا ڈوبتے اُچھلتے وہاں تک آنا، اور دل کا پتا نہ پانا بیان کر کے بقول مرزا حسین بیگ صاحب، یہ کہا۔

بیت ؎

ہمرہاں رفتند و ما ماندیم، دُزداں در کمیں
خانۂ ملّاح در چین است و کشتی در فرنگ

سب تاسّف کرنے لگے۔ ایک شخص بولا۔ "یہاں سے دو منزل ایک پہاڑ ہے۔ کوہِ مطلب برآر [اس کا] نام ہے۔ اُس پر جوگی کا مقام ہے۔ مردِ باکمال، شیریں مقال، ہزاروں کوس سے حاجت مند، اُس کے پاس جاتے ہیں۔ سب کے مطلب برآتے ہیں۔ بسکہ اُس پر عنایت باری ہے، چشمۂ فیض اُس سے جاری ہے۔ مشہور ہے کہ آج تک کوئی شخص تحرد م ناکام، اس مقام سے نہیں پھرا۔"

یہ مژدہ سُن کے چہرے پر بشاشت چھاگئی، گئی ہوئی جان اُسی آن بدن میں آگئی۔ گھبرا کر یہ شعر پڑھا۔ حافظ

؎
آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اُسی دم چلنے کا قصد کیا۔ وہ لوگ مانع ہوئے، کہا۔ "ابھی جانے کی طاقت آپ میں آئی نہیں، پاؤں میں راہ چلنے کی تاب و توانائی نہیں۔ دو چار روز یہاں آرام کرو، قوت آجائے تو مختار ہو۔"

غرض کہ جانِ عالم نے ان لوگوں کے سمجھانے سے وہاں مقام کیا۔ عجب

پریشانی میں صبح کو شام کیا۔ گروہ وہ سب حلقہ زن یہ باندوہ معشوقان، گرفتار رنج و محن۔ کبھی تو [وہ] محزوں چپ رہتا، گاہ مثلِ مجنوں خود بخود بکنے لگتا۔

اور جب حواسِ خمسہ دُرست ہوتے [تو] یہ خمسہ پڑھتا۔

اُستاد؎

ہر سُو خبرِ اُلفت کیا آپ سے پہنچائی
آگے بھی مرے لب پر فریاد کبھی آئی
کیوں مجھ سے بگڑتا ہے او کافرِ ترسائی
تا داشت دلم طاقت بودم بہ شکیبائی
چوں کار بہ جاں آمد زیں پس من و رسوائی

گاہے مرے لب پر ہے فریاد کبھی افغاں
بیمارِ غمِ دوری سے میں سخت ہوں نالاں
یہ جائے ترحم ہے، کر رحم ذرا جاناں
در زاویۂ الفت دُور از تو چو مہجوراں
تنہا منم و آہے، آہ از غمِ تنہائی

ہے دن کو تو یہ عالم، ظالم ترے مجنوں پر
ہیں گرد کھڑے لڑکے جھولی میں بھرے پتھر
سونے کی کسے فرصت اے یار اسے باور کر
شبہا منم و اشکے در خوں بھرا لیں تر
عشق ایں ہنرم فرمود ار عیب نہ فرمائی

اغضا شکنی گاہے، گر دردِ جگر دیکھو
رومال بھگوتا ہوں لاکھوں ہی کبھی رو رو
گردن زدنی ہوں میں، شکوہ کروں تیرا گو

صد رنج ہمی بینم اے راحت جاں از تو
از دیدہ تواں دیدن چیزے کہ تو بنمائی

تھا تاب و تحمل میں یکتا جگر خسرو
آگے تو نہ بہتے تھے، سلکِ گہر خسرو
تم اب تو نوازش لو چل کر خبر خسرو
بس دُور کہ ہمی ریزد از چشم تر خسرو
کز دست بدوں رفتست سر رشتۂ دانائی

آخرش وہ رات کی رات، بہزار عقوبات تڑپ تڑپ کے سحر کی، نمازِ صُبح کے بعد پہاڑ کی راہ لی۔ چار دن میں ناچار وہ راہ طے کی۔ پہاڑ پر پہنچا۔ سنگ سفید کا پہاڑ بہت آبدار، باشدِ ہمت۔ جوانمردان صافت باطن، سر بلند اور مثل طبع سخنوران فرح افزا و دل پسند۔ درہ ہائے فراخ کُشادہ روشن، جوشِ نباتاتِ روئیدگی ریاحین و لالہ [زار] سے اور خروشِ مرغانِ خوش الحاں سے رشکِ صد گلشن۔ چشمہ ہائے سرد و شیریں۔ جابجا فرہاد کی رُوح کا ٹھیکا۔ ہر قسم کا میوہ دار درخت قدرتِ حق سے اُگا پُھولا پھلا۔ پتھر ہر ایک معدنِ لعل، پرند چرند صاحب حُسن و جمال۔

یہ سیر دیکھتا چلا۔ ایک طرف درخت گنجان گھنے، پُختہ مزار بیدار دلوں کے بنے، [نظر پڑے]۔ اور منڈھی کا گنبد [بسان] گنبدِ گردان بے ستوں کا جواب بنا۔ ترسول گڑا، گھاروے کی جھنڈی پُھر پُھر اڑتی، کلمۂ شہادت بخطِ جلی [اس پر] لکھا [صاف معلوم ہوا]۔ جب اُس کے نزدیک آیا، دُور دُور تک مکان صاف، صحن شفاف پایا۔ منھ کے رُو برُو درخت کے تلے، چبوترے کے اوپر ایک جوگی سو سوا سو برس کا سن و سال، مگر ٹانٹھا کمال۔ داڑھی ناف

سے بڑھی، گرہ لگی۔ جٹا ہر ایک راکھ سے بھری۔ قدمبوس ہو رہی۔ پاؤں پر پڑی۔ پلکیں دیدۂ حق بیں کا اسرار چھپانے کو، چشمِ حاسد کی گزند بچانے کو، مونچھوں سے ملیں۔ جسم میں موج دریا کی طرح جھرّیاں پڑیں۔ کمر میں کردھنی [بھی] اگر موتی سی، مہین بان کی، عجب آن بان کی۔ کھاروے کا لنگوٹ، ستر عورتین کی اوٹ۔ گلے میں محمودی کی کفنی، [سامنے گریبان پھٹا] کار سوزنی۔ سر پوشیدہ نہیں کھلا۔ [حقّہ، جو گانی منھ سے لگائے۔ انیونیوں کی شکل بنائے۔ شیر کی کھال بچھائے، بھبھوت رمائے۔ دیر دا دید سے بظاہر آنکھیں بند، مگر دیدۂ دل کھلا، خموشی پسند، قلب گویا بولتا، سوتا نہ جاگتا۔ آسن مارے، دنیا سے کنارے [خدا جانے کس پینک میں] بیٹھا، پیٹ پیٹھ سے لگا۔ تیر سا قدِ راست مثلِ کمانِ خمیدہ، گویا چلّہ کھینچ چکا ہے۔ زنّار آسا رگیں عیاں، کھال سے ہڈیوں کے جوڑ، شمعِ فانوس نمط نمایاں۔ تسبیحِ سلیمانی، ایمان کی نشانی ہاتھ میں، ہر بھجو ہر بھجو تکیہ کلام بات [بات] میں۔ قشقہ ٹیکا ماتھے پر ہندوؤں کا سا، اور سجدے کا گھٹا بدرِ کامل کی صورت چمکتا۔ زرد مٹی بدن میں، ذکرِ حق دل میں، وِدِ من میں۔ کہیں مُصلّے پر سجدہ، سجدہ گاہ رکھی، کپڑے کی جانماز بچھی۔ کسی جا پوتھی کھلی، دھونی رمی، دونوں سے راہ رکھی۔ عجب رنگ [ڈھنگ] کا انسان، خلاصہ یہ کہ نہ ہندو نہ مسلمان۔ مرزا سودا:

شعر
کس کی ملّت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ
تو کہے گبر مجھے، گبر مسلماں مجھ کو

ایک طرف تکیے میں دو چار کیاریاں، بیلے چمبیلی کی، بہار گلکاریاں۔ کہیں مرشدوں کے ڈھیر، گردکی چھتری۔ بزرگوں کے مزاروں پر مولسری کے درخت سایہ دار، قطار قطار۔ درختوں کی ٹہنیوں میں پنجرے لٹکتے، باہم بحث کرتے اٹکتے۔ فاختہ کی کوکو، قمری کی حق سرّہٗ، کوئلا کے زم، سنّاٹے کا عالم۔ کہیں مرگ چھالا

بچھا، شیر چوکی دیتا۔ دھونی لگی، لکڑ سُلگتا۔ کسی جا ببر کی کھال کا بستر، آہوئے صحرائی اس پر بیٹھا۔ اوداسا، تونبا، بے منتا دھرا۔ ایک سمت بھوانی کا مٹھ، تلسی کا پیڑ ہرا بھرا۔ گرد چشمہ پانی کا بھرا۔ جائے دلچسپ، مکان رعب دار، گلِ خود رو کی جدا بہار۔ ایک طرف بھنڈارا جاری، کڑھاؤ چڑھا، موہن بھوگ ملتا۔ کہیں پلاؤ، قلیے کی تیاری، چھاندا بٹ رہا۔ کچھ مہنت بالکے، کچھ مرید حال قال کے۔ کوئی چلّے میں بیٹھا، کوئی دُنیا سے ہاتھ اٹھائے کھڑا۔ کسی کے خرقہ و تاج سر و تن میں، کوئی چواگن میں۔ کہیں کتھا ہوتی، کوئی وعظ کہہ رہا۔ ایک طرف خنجری بجتی، تنبورا چھڑتا، بھجن ہوتے۔ ایک سمت حلقۂ مراقبے کا بندھا، نوحہ پڑھ رہے، لوگ روتے۔ عجیب وہ گرو و مرشد، غریب یہ مرید چیلے۔ روز ایک دو کو مونڈتا، تیسرے چوتھے دن عُرس [ہر ہفتے] میلے۔ حاصلِ کلام یہ کہ وہ عجیب جلسہ تھا کہ دیکھا نہ سُنا۔ یہ اجتماعِ نقیضین بہت آرام و چین سے تھا

[غرض کہ] شہزادے کے پاؤں کی آہٹ جو پائی، مردِ آگاہ دل، روشن ضمیر نے پلک ہاتھ سے اُٹھائی، آنکھ ملائی۔ دیدے لال لال، چہرے پر رعب و جلال۔ جانِ عالم کو بغور دیکھا۔ اُس نے جھک کے مؤدب سلام کیا۔ اُس خوش تقریر شیریں مقال نے کہا۔ "بھلا ہو بچا، بڑی مصیبت فلک نے دکھائی، جو یہ صورت یہاں تک آئی۔ آؤ بیٹھو، گرو دیکھل کرے، مرشد کی دعا سے حق حاجت روا کرے۔ ہم تمھارے امانت دار ہیں، سواری کھڑی ہے، چلنے کو تیار ہیں۔"

جانِ عالم متحیر تو ہو رہا تھا، زیادہ حیران ہوا کہ یہ کیا اسرار ہے: پاس جا بیٹھا۔ جوگی اُٹھا، چشمے میں جا کے نہایا، گیروا چادر پھینک، سفید اوڑھا، عطر ملا [پھر] جانِ عالم کے نزدیک آ، یہ نکتہ زبان پر لایا کہ "بابا! ایک دن ذوق و شوق

کے عالم میں، ہمارے مُرشد گُرو نے تیرے حال سے خبر دی تھی کہ ایک شہزادے کا جہاز تباہ ہو جائے گا، وہ بہ سُراغ مطلب یہاں آئے گا، اُس کا کام تجھ سے [اور] تیرا کام اُس کے سامنے پورا ہو جائے گا۔"

اس بات کے سننے سے شہزادے کو نہایت مسرت ہوئی۔ کہا: "جوگی جی! تمھارے نام سے میری زندگی ہوئی، وگرنہ دو چار دن میں گریبانِ صبر چاک ہو جاتا۔ میں سر پٹک کے ہلاک ہو جاتا۔ خوبصورتی کا بھی عجب مزہ ہے، جہاں اُس کا شیدا ہے۔ عالم کو مرغوب ہے، طرحدار سب کا محبوب ہے۔ پیر، فقیر، غریب امیر سب کو عزیز ہے، اُس کا خواہش مند ہر باتمیز ہے۔"

جوگی سمجھانے لگا کہ "یہ اضطراب [عالم اسباب میں] بے جا ہے۔ دیر آید درست آید، بابا! دُنیا کا یہ نقشہ ہے، [کہ کسی شے کو ایک وضع پر دو گھڑی ثبات و قرار نہیں، اس کے نیرنگ کا اعتبار نہیں۔] گاہ خُوشی، گاہ غم، یہ دونوں امر باہم [توام] ہیں۔ کبھی وصل کی شام کو دل کیسا بشاش ہوتا ہے۔ کبھی ہجر کی صُبح کو کلیجا پاش پاش ہوتا ہے۔ ایک شب [بستر پر] لذت ہمکناری ہے، [دوسرے] روز پہلو تہی گریہ و زاری ہے۔ کبھی شبِ وصل کیا کیا اختلاط ہوتے ہیں، گاہ فصل کے دن [وہی] سر پیٹتے ہیں، روتے ہیں۔ [مگر] آدمی جب رنج سے گھبرائے اور غمِ مُفارقتِ دوست، جان بلونٹوں پر لائے، دل کو یہ تسکین دے کے سمجھائے [اس مصرعے سے دل بہلائے] مصرع:

چناں نماند، چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

مصرع:

در پسِ ہر گریہ آخر خندہ ایست

مصحفی ؎

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دن
فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آئے گی ؎[1]

جو وصل میں راحت و آرام پاتا ہے، وہی ہجر کے دُکھ قلق اٹھاتا ہے۔ تو نے قصہ ان بھائیوں کا، جو توام پیدا ہوئے تھے، سُنا نہیں کہ پہلے آفتوں نے کیا کیا رنج جھیلے، صعوبت اُٹھائی، پھر ایک نے سلطنت پائی، دوسرے کے ہاتھ شہزادی آئی۔"

جانِ عالم نے کہا۔ "ارشاد ہو، کیوں کر ہے۔"

قصّہ برادرانِ توام کا، شکار کو جانا، پھر شب کو اندھیرے میں دونوں جانوروں کا پھنس جانا، اُن کا کھانا، ایک نے سلطنت پائی، دوسرے پر خرابی آئی، پھر شہزادی پاکر بھائی سے ملا۔

جوگی نے کہا ــــ

ایک شہر میں دو بھائی تھے۔ توام پیدا ہوئے اور ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ وہ نیک اندیشہ، روزگار پیشہ تھے اور سوائے رشتۂ برادری کے سررشتۂ محبت و اتحاد، وہ نیک نہاد، باہم مستحکم رکھتے تھے۔ مگر دونوں کی طبیعت متوجہ سیر و شکار، ہمت مصروفِ سیاحیِ دیار و دیار تھی۔ ایک روز شکار کی فکر میں چلے جاتے تھے، دامنِ صحرا سے ہرن نکل کے سامنے آیا، چھوٹے بھائی نے تیر مارا، کاری نہ لگا۔

---

[1] بہ تغیرِ الفاظ یہ شعر میر حسن نے خود اپنے نمونۂ کلام میں پیش کیا ہے۔ دیکھئے تذکرہ میر حسن صہ ۸۹

ہرن کنوتیاں اُٹھا کے بھاگا۔ دونوں نے تعاقب کیا۔ تمام دن رواں دواں افتاں وخیزاں چلے گئے۔ قریب شام [موقع پاکے] بڑے بھائی نے جو تیر لگایا، ہرن ڈگمگا کے گر پڑا۔ یہ دونوں گھوڑے سے اُترے، ذبح کیا۔ دن بھر کی دوڑ سے گھوڑے شل، خود بھی مضمحل ہو گئے تھے۔ تمام روز کے بے آب و دانہ، بھوک پیاس سے بے تاب تھے۔ لکڑیاں چُن کے پانی بہم پہنچایا، کباب لگائے۔ بخوبی تمام دونوں نے کھائے۔ مگر اُس روز جو کیفیت اور لذّت خشک کباب میں پائی، مُرغ کی زیر بریانی تر رّاتی، کبھی ایسی نہ کھائی تھی۔ پانی جو ڈگڈگا کے پیا، سُستی زیادہ معلوم ہوئی، اور رات بھی ہو گئی تھی۔ لیکن شب ماہ پُورن ماشی کا چاند، اللہ اللہ جنگل کی فضا، سبزہ نورستہ جا بجا۔

انھوں نے کہا۔ آج کی شب اسی صحرا میں سحر کیجیے، چاندنی کی بہار، صنعتِ پروردگار، دیکھ لیجیے۔ پھر دل میں سوچے کہ تنہائی کی چاندنی گور کے اندھیرے سے بدتر ہے۔ سچ ہے جب ماہرو برمیں نہ ہو تو نور نظر میں نہ ہو، اندھیرا اُجالا آنکھوں میں برابر ہے۔ [بموجب شعر] ناسخ سے

دھوپ بہتر ہے شبِ فُرقت کی بدتر چاندنی
صاعقے کے طور سے پڑتی ہے مجھ پر چاندنی

خیر یہ دونوں [بھائی]، ایک درختِ سایہ دار، چشمے کے قریب دیکھ، شطرنجی چاندنی تو ہمراہ نہ تھی، زین پوش بچھا کے چاندنی کی سیر کرنے لگے۔ باگ ڈور سے گھوڑے اٹکا دیے۔ چھوٹا بھائی بڑا متین، ذی شعور، نکتہ سنج دُوربین تھا۔

بڑے بھائی نے کہا۔ "آج ہم تمھاری عقل کا امتحان کرتے ہیں۔ بتاؤ تو اس وقت ہمارے شہر کا یہاں سے کتنا فاصلہ ہے۔ اور یہ کون سی سمت ہے؟ تیسرے کباب کی لذّت، پانی کا مزہ آج بہت ملا، اس کا سبب کیا تھا؟"

اُس نے جواب دیا۔ "یہ [سب] باتیں سہل ہیں۔ شہر ہمارا یہاں سے سو کوس ہے اور دلیل کامل یہ ہے کہ بارہا تجربہ جو کیا ہے، میرا گھوڑا تمام دن میں سو کوس اسی چال سے پہنچا ہے۔ اور سمت تاروں سے ثابت ہے کہ شمال ہے۔ رہا کھانے پانی کا لطف، خلافِ وقت سے تھا۔ الّا نیا مقدمہ یہ سنیے یقین کامل ہے کہ صبح کو عنایتِ خالق، اور مددِ طالع سے وہ سامان مہیا ہو، جو کدورتِ سابق دور ہو، آیندہ آسائش رہے، طبیعت مسرور ہو۔"

بڑے بھائی نے اس کی وجہ پوچھی۔ اُس نے کہا۔ "[غور کیجیے] آج سو کوس کی مسافت، بصد آفت طے کی، بھوکے پیاسے رہے، لیکن جی بشاش ہے۔"

وہ سُن کے چُپ ہو رہا۔ یہ قصّہ رفت و گزشت، پھر [یہ] مشورہ ہوا کہ "یہ جنگل سنسان، ہُو کا مکان ہے، یہاں درندے، گزندے، سانپ، بچھو، شیر بھیڑیئے کے سوا، پرندہ نہ درندہ نظر نہیں آتا۔ اگر ہم تم دونوں سو رہے، [اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ][1] خدا جانے کیا [معاملہ روبکار] ہو۔ تین پہر رات باقی ہے۔ ڈیڑھ پہر ہم جاگیں، پھر [ڈیڑھ پہر] تم ہوشیار رہو۔"

یہ صلاح پسندِ خاطرِ طرفین ہوئی۔ پہلے بڑے بھائی نے آرام کیا۔ چھوٹے بھائی نے جاگنے کا سرانجام کیا۔ تیر و کمان ہاتھ میں اٹھا، ٹہلنے لگا۔ جب زلفِ لیلائے شب کمر تک آئی۔ اُسی درخت پر دو جانور آپس میں اپنی اپنی توصیف و تعریف زبانِ بے زبانی میں کرنے لگے۔ اور یہ شخص بہت جانوروں کی بولی سمجھتا تھا۔ آواز پر کان لگائے۔ ایک بولا۔ "میرے گوشت میں یہ تاثیر ہے، جو کھائے ایک لعل پہلے تو دو پہر کے بعد اُگلے، پھر ہر مہینے منہ سے نکلے۔" دوسرے نے کہا۔ "جو شخص

---

[1] خواب موت کا بھائی ہے۔

میرا گوشت کھائے، اُسی روز بادشاہ ہو جائے۔"

یہ باتیں سُن کے دل میں نہایت خوش ہوا۔ تیر و کمان تو موجود تھا۔ "اللہ اکبر" کہہ کے تیر بے تامّل چلّے سے جوڑ کے کھینچا۔ لبِ سوفار کان کے پاس آ، بہ وعدۂ نشانہ سرگوشی کر کے روانہ ہوا۔ قضا نے ہر چند اُن کے سر پر "خبردار" پکارا، [مگر] کمان گڑگڑا کر چلّائی کہ "وہ مارا"۔ رات کا تیر سراسری، اُڑتے ہیں، محرم رگ جو وہ پہلے ہو گئی، [کسی گوشے میں] جان نہ بچی۔ پیکان سے تا سوفار، دوسار ہوا۔ زمین پر [دونوں] ایک تیر میں پھڑک کے گر پڑے۔ اُس نے [بلا تاخیر] تکبیر کہہ کے ذبح کیا۔ طائرِ روح اُن کا اُڑ گیا۔ دن کی بچی کھچی لکڑیاں [پھر] سلگا، کباب لگائے۔ جس کے گوشت میں سلطنت کا ذائقہ سمجھا تھا۔ اُسے [خود] کھایا، دوسرا بھائی کے واسطے اٹھا رکھا۔ اور ایسا خوش ہوا کہ تمام شب آپ پاسبانی کر کے بڑے بھائی کو تکلیف نہ دی۔ [جلّ جلالہٗ] معاملاتِ قضا و قدر سے مجبور بشر ہے۔ اُس کے قبضۂ قدرت میں نفع ہے نہ ضرر ہے۔ مصرع

تدبیر کند بندہ، تقدیر زند خندہ

شعر

آنچہ نصیب است، ہم می رسد

ورنہ ستانی بہ ستم می رسد

جس وقت زاغِ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانۂ مغرب میں چھپائے اور صیادانِ سحر خیز، دام بر دوش آئے اور سیمرغِ زرّیں جناحِ طلا، بالِ غیرت [وہ] لعلِ [بدخشاں بصد عزم و شاں] قفسِ مشرق سے نکل کے، [گلشن زنگاری میں] جلوہ افروز ہوا۔ یعنی شب گزری روز ہوا۔ بڑا بھائی [نیند سے] چونکا۔ چھوٹے بھائی نے وہ کباب پس ماندۂ شب یعنی رات کے بچے، روبرو رکھ دیے۔

وہ نوش کر گیا اور حال کچھ نہ کہا۔

دو گھڑی دن چڑھے، جب [اُس نے] لعل اُگلا تب سمجھا، ہم نے بہت تدبیر کی، مگر سلطنت بڑے بھائی کی قسمت میں تھی۔ پھر وہ لعل بطریقِ نذر رو برو لایا۔ اور رات کا فسانہ مُفصّل سب کہہ سُنایا۔ کہا: "اللہ کی عنایت سے جلد سلطنت آپ کو حصُول ہو۔ یہ نذرِ غُلام کی قبول ہو!"

اُس کو اس کی سعادت مندی سے [بہت] خورسندی حاصل ہوئی پھر [اُس نے] کہا۔ "سامنے آبادی معلوم ہوتی ہے، ہم جا کر اس لعل کو، کسی دلال کی معرفت بیچ آئیں، تم [یہیں] گھوڑوں کے پاس بیٹھے رہو، اگر اپنے شہر چل کے بیچیں گے، تو حاکم کا خوف مانعِ کار ہوگا، مُفلسی کے باعث کس کو ہمارا اعتبار ہوگا!"

یہ کہہ کے اُدھر چلا۔ جس دم شہر کے دروازے پر پہنچا، خلقت کا انبوہ نظر پڑا۔ اُس ملک کا یہ معمول تھا، جب وہاں کا بادشاہ دارالسلطنتِ عدم کا تخت نشین ہوتا، تو شہر کے وضیع و شریف، سوم کی رسم کے بعد وزیرِ اعظم کے ہمراہ، صبح دم تخت لے کے دروازے پر آتے [تھے]۔ اُس روز جو مسافر پہلے باہر سے آتا اُس کو بادشاہ بناتے [تھے]۔ قضارا وہاں کا بادشاہ قضا کر گیا تھا۔ لوگ تخت لیے منتظر تھے۔ یہ داخل ہوا، سب نے تخت پر بٹھایا، نذریں دیں، نوبت و نشان، جلوس کا سامان سب موجود تھا، دھوم دھڑکے سے دیوانِ خاص میں داخل کیا۔ مُنادی ہوئی، بقولِ مشہور ان کی رانی دوہائی زوو ٹیہ ندنو ہو گئی۔ اُس کو سرورِ سلطنت اور احکامِ مملکت کے باعث اُس دن بھائی کا خیال نہ آیا۔

دوسرے روز جب تخت پر رونق افروز ہوا [اور سامنے لعل آیا،]

تب بھائی کا خیال آیا۔ فوراً جاسوس اور ہرکارے درخت کا پتا بتا [کے] جلد روانہ کیے۔ کہا، "اس صورت کا جوان اور دو گھوڑے وہاں ہیں، جلد حضور میں حاضر کرو۔"

وہ سب دوپہر تک تمام جنگل کی خاک چھان، حیران و پریشان پھر آئے۔ عرض کی: "تمام دشت میں پھر کر پاؤں توڑے، نہ کوئی آدمی ملا نہ گھوڑے۔"

وہ کچھ رنجیدہ ہو، سلطنت کے شغل میں مشغول ہوا۔ پھر کبھی بھولے سے بھی بھائی بیچارے کو یاد نہ کیا۔ مگر وہ لعل جسے بیچنے کو لایا تھا، جس کے بہانے میں تخت و تاج میسر آیا تھا، خالِ مبارک، اور بے نشان بھائی کی نشانی سمجھ کے، ہر روز دربار میں لاتا، سب ملازموں کو دکھاتا۔ وہ یا حاطر شاہ، واہ واہ کہتے، یہ خوش رہتے۔

مذکور اس گرفتارِ پنجۂ اجل کا، جانور کا اٹھا لے جا کر کنوئیں میں گرانا، قافلے کا آنا، پھر بہ علتِ لعل شہزادی تک پہنچنا، اور بہ حیلۂ ایلچی بھائی کی ملاقات

صیادانِ طائرِ معانی ذی ہوش و دام دارانِ بلبلِ خوش بیانی، خانہ بدوش نے حال اس منتظرِ زیرِ درخت کا یہ لکھا ہے کہ ہمہ تن چشم، محوِ انتظار، برادرِ فراموش کا بیٹھا تھا۔ ناگہاں ایک جانورِ مہیب بہ شکلِ عجیب آسمان سے آیا اور [اس کو] پنجے میں دباب کے اڑا۔ گھوڑوں نے ڈر سے باگ ڈور تڑا کے جنگل کا رستا لیا، کوندھ بھاگے۔ اللہ کی قدرت دیکھیے۔ بڑا بھائی سلطنت کا مالک ہوا، چھوٹا بچارا موذی کے پنگل میں پھنسا۔ واللہ اعلم بالصواب وہ جانور

وہاں سے کتنی دُور اُڑا۔ آخر کار تھک کر ایک درخت کنویں کی جگت پر تھا اُس پر بیٹھنے جو لگا، یہ چھٹ کے کنویں میں جا گرا۔ [مولوی] جامی ؎

نغان زین چرخ دولابی کہ ہر روز
بچاہے افگند ماہے دل افروز

اِلّا رسنِ حیات مضبوط تھی، نہ نیچے کی گزند پہنچی، نہ چوٹ چپیٹ [کنویں میں] گرنے سے لگی۔ میر حسن

؎ کنواں وہ جو اندھا تھا روشن ہوا
جواں اس میں وہ سانپ کا من ہوا ؎۱

وہ جانور تو [دم لے کر] اُڑ گیا۔ یہ بے پَر کنوئیں میں پڑا رہا۔ اتفاقاً اُسی روز ایک قافلہ گم گشتۂ راہ، [خستہ و تباہ] وہاں آنکلا۔ پانی کے سہارے سے وہیں مقام ہوا۔ لوگ پانی بھرنے کو کنویں پر آئے۔ اُنھوں نے رسی کا سہارا جو پایا۔ باہر آئے۔ جس نے اُس کا جمال دیکھا، یَا بُشْرٰی ھٰذَا غُلَامٌ ؎۲ کا غل برپا کیا۔ دُنیا کے عجب معاملے ہیں، شعر

؎ روزے نگر کہ طوطیِ جانم سوئے لبش
بربوئے پستہ آمد و در شکر افتاد

جب لوگوں نے حال پوچھا، اُس نے جیسا موقع دیکھا، ویسا بیان کیا۔ غرضکہ میرِ قافلہ کی خدمت میں [توقیر سے] رہنے لگا۔ چند روز میں قافلہ منزلِ مقصود

۱؎ مثنوی سحرالبیان
۲؎ قرآن مجید — سورہ یوسف ۱۲/۱۹
ارے واہ یہ تو لڑکا ہے۔

کو پہنچا۔ اور مہینا بھی تمام ہوا۔ [اُس] جوانِ غم دیدہ نے دوسرا لعل اُگلا۔ رئیسِ قافلہ نے لعل جو دیکھا، [اپنا] تمام ملال بھُولا۔ پست ہمتی سے سوچا، ایسی گراں بہا شے کا سہل سے لینا مشکل ہے۔ مُبادا کچھ فساد اُٹھے۔ [اُس کا خون حلال سمجھا، بُرے کام کا مطلق نہ مآل سمجھا]۔ تدبیر شرط ہے، جوان کو قید کر کے کوتوال کے پاس بھیج دیا کہ "یہ میرا غلام ہے، آج اس نے لعل چرایا۔ کچھ ایسا وسوسۂ شیطانی دل میں آیا۔ میں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ امیدوار ہوں کہ اُسے سزا ملے، تا [اور سب] لوگ ڈریں، [خوف و] عبرت سے [آیندہ] ایسی حرکت نہ کریں۔"

کوتوال نے قاضی سے مسئلہ پوچھا۔ اُس نے [بے تحقیق] ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دیا۔ مگر اُس شہر کا یہ دستور تھا، جب کسی شخص پر گناہ ثابت ہوتا تو مدعی اور مدعا علیہ پادشاہ کی بیٹی کے رُو برُو حاضر ہوتے۔ اظہارِ حال کے بعد مرافعۂ ثانی میں، جو اُس کی رائے معدلت پیرائے میں آتا وہ ہوتا۔ اس واسطے کہ بادشاہ مُسن تھا، بیٹی کے سوا اور کوئی تخت و سلطنت کا وارث نہ تھا۔ اللہ رے اُس کے جمال کا جلوہ، اور حُسن کا غوغا، پری کو ہزار جان سے اُس کی پروا، حُور اُس کی شیدا، خلقِ خدا اُس مہ سیما پر نثار، آفتِ روزگار تھی، اور حُسنِ عالم فریب کے علاوہ، طبعِ حلیم، رائے سلیم، نکتہ فہم، دقیقہ رس، اپنے عصر کی حکیم، حقیقتاً قابلِ ریاست، وہ صاحبِ فراست تھی۔ غنچۂ خاطر اُس گل اندام یاسمین پیکر کا، رُو نادیدۂ صبا تھا۔ دہنِ صدفِ مُراد و تمنائے قطرۂ نیساں میں بستہ۔ کوچۂ عصمت و عفّت میں، اُس دُرِ ناسُفتہ، دُرجِ شہریاری کے وہم و فکر تاجدارانِ دہر کا گزر نہ ہوا تھا۔ اُس دم تک نا کتخدا تھی۔ جس وقت وہ دونوں رو برو گئے، پہلے شہزادی نے میرِ قافلہ سے حال پوچھا۔ اُس نے جو کچھ کوتوال

سے کہا تھا وہی بے کم و کاست پھر عرض کیا۔ شہزادی نے برجستہ یہ مصرع پڑھا
سعدی

باطل است انچہ مدعی گوید

پھر جوان کی طرف مخاطب ہوئی۔ بسکہ یہ زیست سے تنگ، مرگ کا آمادہ تھا، بے تامل بولا: "شہزادی آپ روشن ضمیر ہیں، ہم مصیبت زدوں کی طرح سلسلۂ بے جرمی میں اسیر ہیں۔ یہ شخص سچا ہے۔"

وہ تو عقیدہ تھی، زیادہ شک ہوا۔ دل سے کہا: "آج تک کسی چور نے حاکم کے رو برو بجز انکار درست بُردی، دفعتاً اقرار دُزدی کیا نہیں۔ یہ بے گناہ ہے۔ تقریر اس شاہد کی شاہد ہے۔ خُدا گواہ ہے کچھ اس میں بھید ہے۔ قافلہ باشی سے فرمایا۔ "کل تو محکمے میں حاضر ہونا۔"

جوان کو اپنی ڈیوڑھی پر قید کا حُکم دیا۔ یہ تو حسین بلکہ مہر طلعت، ماہ جبین تھا۔ طالع کا ستارہ جو چمکا، شہزادی کا میلانِ خاطر جوان کی جانب ہوا۔ شب کو تنہا [بلا کے] بہ دلداری و تاسّف استفسارِ حال فرمایا۔ اُس وقت جوان ناکردہ گناہ نے [دل سے] آہِ سرد بھر، مشروحاً از آغاز تا انجام عرض کیا۔ شہزادی کا دل یہ نیا قصہ سُن کے بہ مرتبۂ اتم مسرور ہوا۔ چوری کا شک اس دزدِ دل کی جانب سے دُور ہوا۔

صُبح کو بادشاہ کے حُضور [میں] لا، خود دستِ ادب باندھ کے عرض پیرا ہوئی: "قبلۂ عالم و عالمیان کی عمر [و دولت] دراز ہو، قیصر و فغفور کی اس در پر جبیں بہ نیاز ہو، شہر کا قاضی اور کوتوال، بے دریافت، حقیقتِ حال، حکمِ سزا، بندہ ہائے خُداکو دیتے ہیں۔ روزِ جزا کی جواب دہی سے کوئی نہیں ڈرتا ہے۔ غضب کی جا ہے، عجیب ماجرا ہے۔ واجب التعزیز، صاحبِ تقصیر کو لعل

ملے، بے گناہ کا ہاتھ کٹے۔"

بادشاہ نے پھر دونوں کی زبان سے حال سُنا۔ بسببِ کبرِ سن کہ عقل کو زوال ہوتا ہے، یہ وہ دن ہیں کہ نسیان بمرتبۂ کمال ہوتا ہے۔ ذہن نہ لڑا، تامل کیا۔

شہزادی نے پھر عرض کی: "[قبلۂ عالم]! یہ امتحان بہت آسان ہے۔ ایک مہینے اس جوان کو اور قید رکھیے، اگر دوسرا لعل اُگلا تو سچا ہے، پھر ایسے دُرِ یتیم، صدفِ راستی کو کیوں کر بے آب و تاب کیجیے، آبرو لیجیے۔ وگرنہ یہ بادِ آیندہ یہ بدکردار، دار کا سزاوار ہے۔ ہاتھ کاٹنے سے کیا ہاتھ آئے گا۔"

بادشاہ کو سر دست، جواب باصواب بیٹی کا بہت پسند آیا، حاضرین نے تحسین و آفرین کی۔ بادشاہ نے جوان کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر بند رکھا۔ میر قافلہ کو شہزادی نے مجلس [میں] بھیجا۔

قصہ کوتاہ وہ مہینا بھی تمام ہوا۔ اور اتنے دنوں میں شعلۂ محبت مجمرِ سینہ سے بھڑکنے لگا، دم شہزادی کا پھڑکنے لگا۔ حال طشت از بام اُفتادہ ہوا۔

جوان نے [بادشاہ سے] عرض کی۔ "کل لعل اُگلوں گا۔" پھر صبح کو سرِ دربار، روبروے حضار، لعلِ بے بہا، دُرجِ دہاں سے نکالا۔ سب کو حیرت شہزادی کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی۔ اُسی دم مال و اسباب قافلہ باشی کا جوان کو دلا۔ اُسے تشہیر کر کے شہر بدر کیا۔ جوان کی صورت دلپذیر، فصاحت تقریر، پسندِ خاطرِ صغیر و کبیر تھی۔ بایمائے شہزادی سب نے متفق اللفظ بادشاہ سے عرض کی کہ "یہ شخص حضور کی عنایت کے لائق ہے، تمنائے ملازمت رکھتا ہے، کفش برداری کا شائق ہے۔"

بادشاہ بھی اُس کی راست بازی سے خوش تھا، راضی ہوا۔ سعدی ؔ

راستی موجب رضائے خدا ست
کس نہ دیدم کہ گم شد از رہِ راست

چند عرصے میں مقرّبِ بارگاہِ سلطانی، مورِدِ عنایاتِ جہانبانی ہوا۔ ہر مہینے لعل اُگل [کے] حضور میں لانے لگا، روز بروز بخششوں میں سرخروئی حاصل کر آبرو پانے لگا۔

آخر کار بہ مشورۂ ملازمانِ قدیم، بہ تحریکِ حکما و ندیم بادشاہ نے اُس گوہرِ مُسلّم سلکِ تاجداری کو بہ رشتۂ عقد، اُس لعلِ بے بہا سے منعقد کر دیا۔ یہ دونوں مُشتاق بصد اشتیاق، باہم لُطف کے ساتھ بے اندیشہ و غم، ایام گزاری بڑی دُھوم [دھام] اور تیاری سے کرنے لگے۔ مگر ہر روز بلا ناغہ جوان بادشاہ کے حضور میں حاضر رہتا تھا۔ ایک دن اُس کے بھائی کا ایلچی، کسی تقریب میں یہاں آیا، اور جواہر کا ذکر نکلا۔ ایلچی نے عرض کی "ہمارے بادشاہ کے پاس ایک لعل، اس رنگ ڈھنگ سنگ کا ہے کہ آج تک جوہریِ چرخ نے، باوجودِ عینکِ مہر و ماہ، گردشِ شام و پگاہ، سال و ماہ میں اِس کے سنگ کا کیا، پاسنگ کے برابر نہیں دیکھا۔"

یہ کلمہ سُن کے بادشاہ نے وہی لعل، جو گنجینۂ سینۂ بے کینۂ جوان سے نکلے تھے، دس بارہ ایلچی کو دکھائے۔ وہ بھی جواہر شناس تھا، سخت حیران، تادیر سر بہ گریباں رہا۔ پھر عرض کی۔ "قبلۂ عالم! عجب کی جا ہے کہ رنگ، روپ وزن اور نقشہ ان کا ایک سا ہے۔ اتنا فرق مقرّر ہے کہ وہاں ایک ہے، یہاں ایک سے ایک بہتر دھرتے ہے۔"

بادشاہ نے جوان کی طرف اشارہ کیا کہ "یہ میرا فرزند ہر مہینے ایک لعل [بے رنج و ملال] اُگلتا ہے۔"

ایلچی نے غور سے جو دیکھا، اپنے بادشاہ سے مُشابہ کیا، بعینہٖ پایا۔ خیر رخصت ہوا۔ جب اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس کا تو معمول تھا، جب تخت پر آ کے جلوہ گر ہوتا، وہ لعل پیشِ نظر ہوتا۔ ایلچی کو وہ سانحہ یاد آیا۔ [دست بستہ] عرض کی۔ "قبلۂ عالم! اس لعل کو جُدا کرتے نہیں۔ بے اس کے قدم مُبارک تخت پر دھرتے نہیں۔ ان روزوں خانہ زاد جس بادشاہ کے پاس گیا تھا، نیا ماجرا دیکھا، معدنِ لعل اور جواہر کی کان کہ امکان میں نہیں، لیکن وہ جواہر بے قیاس رکھتا ہے۔ بلکہ لعل کا پُتلا زندہ اپنے پاس رکھتا ہے۔"

بادشاہ نے اُس کا حال مفصّل پوچھا۔ اس نے سب بیان کیا کہ "داماد اس شاہِ خجستہ نہاد کا، ہر مہینے لعل اگلتا ہے اور کیا گزارش کروں، جیسی حضور کی صورت ملتی ہے، حقیقی بھائی ایسے دکھائی نہیں دیتے۔"

یہ سُنتے ہی [اُس کو] یقین ہوا کہ اب پتا ملا، وہ مقرّر میرا بھائی ہے۔ اُسی وقت نامۂ شوقیہ، اُس کانِ جواہر کے اشتیاقِ دید میں بادشاہ کو لکھا کہ برائے چندے اگر اس فرزندِ ارجمند کو ادھر روانہ کرد، محبّتِ دیرینہ سے بعید نہ ہو۔ ہمیں شوقِ دیدار، از حدِ تحریر و اظہار افزوں ہے اور پوشیدہ خطِ تمنّا بھائی کو رقم کیا کہ ــــ

"آج تک تیری مُفارقت سے تختِ شاہی بدتر از بوریائے گدائی تھا۔ اب ایلچی سے یہ خبرِ فرحت اثر سُن کر، دل کو سُرور، آنکھوں میں نُور آیا۔ لازم کہ بمجرد ورودِ رقیمہ دوادو، ادھر کو روانہ ہو۔"

اور کچھ تحفے حسبِ نسب کے، سانحۂ اشکار، تفصیل وار قلم بند کر دیئے۔ ایلچی سے فرمایا کہ۔ "نامہ علی رؤس الاشہاد شہنشاہ بادشاہ کو، اور یہ خطِ خفیہ اس غیرتِ ماہ

کو دینا۔

قاصد صبا دم، صرصر قدم، جلد تر اس شہر میں وارد ہوا۔ بادشاہ کو نامہ دیا، اور خطِ پوشیدہ جوان کو حوالے کیا۔ وہ مکتوبِ محبت دیکھ کے ایسا گھبرایا، یہ لہو نے جوش کھایا کہ اُسی دن رخصت کا مذکور بادشاہ سے لایا۔

آخر وہ عاشق برادر، معشوقۂ روح پرور، کو لے کے جہاز پر سوار ہوا۔ بے قرار ہوا۔ راہ میں ایلچی سے شہر کا نقشہ، راہ کا پتا سب پوچھ لیا۔ فرطِ شوق سے دن رات سرگرم رفتار تھا۔ ساعت بھر مقام کسی منزل کا ناگوار تھا کہ جلد پہنچیں، کہیں نہ ٹھہریں۔ نیرنگِ زمانۂ کج سرشت، بوقلموں کہ ہر دم و ہر ساعت دگرگوں ہے۔ کیا کہوں جب دس بارہ کوس وہ شہر رہا، جہاز تباہ ہو کے بہا۔ جس کی قضا تھی، تہِ آب و گرداب رہا، جس کی بقا تھی وہ بہہ نکلا۔

یہ قصۂ جاں گداز، دور و دراز پہنچا۔ اس کے بھائی نے سُنا، فوراً ہزار سوار، تیز رفتار دوڑائے کہ جس ڈوبتے، اُچھلتے کا پتا پاؤ، جلد حضور میں لے آؤ۔

آخر کار بہزار جستجو وتگاپو شہزادی [خوشخو] ہاتھ آئی، جوان کی خبر نہ پائی۔ اُسے بادشاہ پاس حاضر کیا، بھائی کے ڈوبنے کا حال کہہ دیا۔ بادشاہ باحال تباہ، گردابِ فراق میں پھنسا۔ شہزادی صف نشینِ ماتم لجۂ و لطمۂ اندوہ و غم میں اُلجھی۔ جوان کا یہ حال ہوا کہ تختے کے سہارے سے بہتا بہتا، پیاس کے صدمے، بھوک کی موجیں سہتا سہتا، کئی دن میں کنارے پر پہنچا۔ فی الجملہ جب

حاشیہ صفحہ ۳۱۲

لہ سب کو گواہ بنا کے۔ سب کے سامنے۔

کچھ طاقت و توانائی آئی، پوچھتا پوچھتا اُسی شہر میں وارد ہوا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی، روبرو بلایا۔ بسبب طولِ ایامِ مہاجرت و درازیِ زمانہ صعوبت [مطلق] نہ پہچانا۔ اُستاد

سہ

اتنی مدت میں بلا مجھ سے وہ دھوکا دے گے
یاد بھی جب تجھے اُس شوخ کی صورت نہ رہی

ہیئت تبدیل، خوار و ذلیل تھا۔ اس اختلاف کو دیکھیے، یہاں صحرانوردی، بھوک پیاس، مصیبت، وہاں حکمرانی و عیش و آرام، تختِ سلطنت۔ ناچار شہزادی کو طلب کیا، اُسے بھی تامل ہوا۔ جوان نے کہا: "پہر بھر کا عرصہ باقی ہے آج لعل اُگلنے کا دن ہے۔ پھر تم سب پہچان لو گے۔"

بادشاہ کو یقین ہوا، کہا: "اگر یہ جھوٹ بولتا، پہر بھر کا وعدہ نہ کرتا۔"

شہزادی نے کہا: "تیری طبیعت کی جودت مشہور ہے، ایک معمّا پوچھتی ہوں، اگر بدیہہ جواب دیا، تو شک بے شک رفع ہوا۔ بھلا وہ کیا شے ہے؟ جسے گبر و مسلماں، یہود و نصاریٰ سب فرقہ انسان کا، اس کو آشکارا کھاتا ہے۔ جب اس کا سر کاٹ ڈالو، تو زہر ہو جائے۔ کوئی نہ کھائے اور جو [غصے میں] کھائے، تو فوراً مر جائے۔"

جوان نے ہنس کے کہا: "شہزادی! قسم ہے، یہ کیا معمّا پوچھا ہے۔"

وہ پھڑک گئی، وحشت مٹی، دل کی پھڑک گئی۔ بیباکانہ چلمن اُٹھا، پروانے کی طرح، اس شمعِ بزمِ فرقت کے گرد پھری۔ بادشاہ متعجب ہوا کہ ہم تو کچھ نہ سمجھے۔ شہزادی کیا سمجھ کر سامنے ہوئی۔

وہ بولا: "قبلۂ عالم! وہ چیز قسم ہے۔ تمام عالم کھاتا ہے، سر اُس کا قاف ہے، اُسے کاٹو تو سم صاف ہے۔ سم زہر کو کہتے ہیں۔ کون کھاتا ہے،

کھانے والا مر جاتا ہے۔"

بادشاہ یہ سُن کے بغل گیر ہوا۔ اُسی دم لعل اُگلا۔ شادیانے بجے، بچھڑے ملے۔ اسی طرح جامع المتفرقین سب، مہجوروں کی دُوری کا بکھیڑا مٹائے۔ جو جس کا مشتاق ہو، جس کی جُدائی جسے شاق ہو، وہ اُس سے مل جائے۔

جوگی نے یہ قصہ تمام کر کے جانِ عالم سے کہا: "بابا" شعر

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

جوئندہ یابندہ ہے۔ یہاں سے منزلِ دوست قریب ہے۔ سب کچھ معلوم ہے۔ الّا کہنا منع ہے، بُرا ہے۔ دُنیا مقام چُپ رہنے کا ہے۔ اتنا اس جگہ وقفہ کر کہ میری زیست کا ساغر بادۂ اجل سے لبریز ہے، سمندِ جاں کو نفسِ سرد مہمیز ہے۔ مجھے زیرِ زمیں سونپ کے تشریف لے جانا" اور چند وصیتیں کیں۔

جانِ عالم نے کہا: "یہ قلق کس سے اُٹھے گا، اور یہ رنج کیوں کر دیکھا جائے گا، پتھر کا کلیجا کہاں سے ہاتھ آئے گا؛ کہ ایسے دوستِ غمخوار کو اپنے جیتے جی، زیرِ خاک کیجیے۔ اس کے ماتم میں گریبانِ صبر چاک کیجیے۔" یہ کہہ کے رونے لگا۔ گریبان تا دامن بارشِ اشک سے بھگونے لگا۔

جوگی اس کی محبت کا روگی ہوا۔ کہا: "افسوس! دمِ واپسیں کا عرصہ، بہت کم، دم نہیں مار سکتے ہم۔ وگرنہ تیرے ہمراہ، شریکِ دردو غم ہوتا۔ بھلا اگر تجھے یادِ فقیر کا یہ لٹکا رہے گا، سائیں چاہے تو کہیں نہ اٹکا رہے گا۔ قبر میں لے جا کے کیا کروں گا۔"

پھر چند کلمے وہ بتائے کہ جس صُورت کا دھیان لائے، فوراً ہو جائے۔ یہ

مقدمہ بتا، ہر ہر کر، گرو کا نام لیا، پھر کلمہ جو پڑھا، دنیا سے چل بسا، دم نکل گیا۔ جوگی مسافرِ عدم، بیکنٹھ باشی رم گیا۔ جانِ عالم کا رو تے رو تے دم گیا۔ بیتابانہ نعرۂ الفراق مارے، مرید چیلے جمع ہو گرو گرو، یا ہادی کہہ کے بہت پکارے۔ بو تا نکل گیا، جوگی نے صدا نہ دی، منزلِ مقصود کی راہ لی۔

شہزادے نے بموجب وصیت غسل دیا، کفنایا، قبر تک لاتے لاتے کچھ نہ پایا۔ [آخرِ کار] برابر کفن پھاڑ دیا، آدھا چیلوں نے جلا دیا، نصف مریدوں نے منڈھی میں گاڑ دیا۔ ہندوؤں نے راکھ پر چھتری بنائی، مسلمانوں نے قبر بنا کے سبز چادر اڑھائی۔ وہ تنت منتر، سبحہ و مصلّے، خرقہ و جبہ اُس کے منظورِ نظر کو دے کے جانشین کیا۔ مرید چیلوں کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیا۔ اسے ایک ولولہ آیا۔ از سرِ نو ان سب کو یہ تلقین کیا، [رازِ سربستہ لکھوں کے ذہن نشین کیا] کہ "سنو بچا! [با اسبابِ] ظاہر گو جوگی آنکھوں سے نہاں ہے، مگر مرشدِ کامل کا جلوہ، سائیں کا ظہور، ہر برگ و بار بوٹے پتے گل و خار، بلکہ درِ مسجد و دیوارِ کنشت سے دیدۂ دوربیں میں عیاں ہے۔ عارف کا یہ کلام ہے، سعدیؔ ؎

برگِ درختانِ سبز، در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

دیدۂ بینا گوشِ شنوا، اس رمز کو درکار ہے۔ ہر ذرے میں اُسی کا جھمکڑا ہے۔ نمونۂ قدرت، نشانِ وحدت دُنیا کا [بے ثبات] نقش و نگار ہے۔ بُلبُل کے پردے میں ترانہ سنجی ہوتی ہے۔ قمری کی کوکو، متلاشی کی جان کھوتی ہے۔ اُسی کے ذکر میں سرگرم ہے جس کی زبان و منقار ہے۔ کسی کو حرمِ محترم میں نامحرم رکھا، بھٹکایا۔ کسی کو بیت الصنم میں بُلا کے جلوہ دکھایا۔ کعبے کا دھوکا، دیر کا بہانہ

ہے، دوڑ کر تھکاتا ہے۔ اور جس نے مَنْ یَّشَاءُ[1] کو رہبر کر کے ڈھونڈا، اُس نے گھر بیٹھے پایا ہے۔ امیر خسروؔ:

جن ڈھونڈا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھ
میں بوری ڈوبن ڈری رہی کنارے بیٹھ

دُنیا کا معاملہ، مذہب و ملّت کا جھگڑا، یہ اچھا وہ بُرا پُرزیاں و [اسرار] بے سود ہے۔ حق بے شک داتا، ہر آن موجود ہے۔ رنج میں دل کو خوش، الم میں طبیعت کو شاد رکھو۔ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ[2] نرکار ہے۔ شرکت کرنے والا مُشرک حماقت شعار ہے۔ [مُرسل رہبر ہیں، رازِ پوشیدہ سے ماہر ہیں]۔ مرسلوں کو رستگار جانو، مُرید یار سمجھ کر مانو۔ مُرشد کی ذات گُرو کے صفات، ہر جلسے میں یاد رکھو۔ بود و نابود کا غم نہ ہو۔ اور احباب کا دل کہ حباب سے نازک تر ہے، خدا کا گھر ہے۔ آشفتہ و برہم نہ ہو۔ اللہ بس، باقی [بے فائدہ] ہوس۔

یہ کہہ کے قصّہ مختصر کیا۔ بے خبروں کو باخبر کیا جب اِس صحبت سے جانِ عالم کو فرصت ملی۔ چلنے کا عزم کیا۔ اس جانشین مہنت نے روکا۔ اور دو چار دن خاطر سے مقام کیا۔ پھر جس طرف جوگی نے بتایا تھا [اُس طرف] چل نکلا۔ پہاڑ سے جس دم آگے بڑھا، دریا ملا۔ ہر چند ڈھونڈا، ناؤ بیڑے کا نقل بیڑا نہ لگا۔ مگر ایک لعلِ درخشاں، پانی پر رواں سامنے آیا۔ قریب اس کے دوسرا نظر پڑا۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بہت [سے] لعل بہتے دیکھے۔ تازہ فکر ہوئی کہ اس حال کو

---

[1] سورۂ بقر پارہ ۳۔

[اللہ] جو چاہتا ہے۔ جو چاہے۔

[2] خداوندِ عالم یکتا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

کیوں کر دریافت کیجیے۔ کنارے کنارے سیر دیکھتا چلا۔ دو کوس جب راہ طے کی، عمارت عالیشان دیکھی۔ [اور] اس چشمے کو اس کے اندر سے رواں پایا۔ دروازے اور در کی تلاش بہت کی، تا اندر جانے کا باب مفتوح ہو، نہ ہوا۔ سوائے دیوار، در نہ تھا۔ اُس وقت بُلبُل بن کر دیوار پر جا بیٹھا۔ مکان رفیع الشّان، باغ بھی بہار کا، مگر سُنسان، انسان نہ حیوان۔ فقط ایک بنگلا، نہایت نقش و نگار کا۔ وہ نہر اسی بنگلے کے اندر سے جاری تھی۔ چمن خالی تھا اور بادِ بہاری تھی۔ آدمی یا جانور اور کوئی ناطق مُطلق، مُطلق نہ تھا۔ باغ میں اُتر صورتِ قدیم بن کر بنگلے میں آیا۔ مُطلّا و منقّش، سجا سجایا پایا۔ لیکن طرفہ حال یہ دیکھا ایک پلنگ، زمرّد کے پایوں کا بچھا ہے۔ اُس پر کوئی دو شالہ تانے سوتا ہے۔ برابر یاقوت کی تپائی پر پھولوں کا دستہ ہے۔ آدھا سُرخ، نصف سفید رکھا۔ جانِ عالم نے قدم بڑھا، دوشالہ سرکایا۔ وہ تنِ پری پیکر، بے سر نظر آیا۔ حسرت سے کہا: "کس ظالم، ستم شعار، بے رحم جفا کار نے اس سرِ دفترِ خوبی، سراسر دلبری و محبوبی کا سر کاٹا ہے؛ [نخلِ شمشادِ قد کو تبرِ ظلم سے چھانٹا ہے۔"] بہ حیرت ہر طرف دیکھتا تھا۔ چھت پر آنکھ [جو] پڑی، چھینکا بندھا، سر کٹا دھرا ہے۔ سر کے نیچے نہر جاری ہے۔ جو خون کا قطرہ اس حلقِ بریدہ سے پانی میں گرتا ہے، اللہ کی قدرتِ کاملہ سے، وہ لعل بن کر تِرتا ہے۔

جانِ عالم نے کہا: "سُبحان اللہ مقرّر یہ سحر کا کارخانہ ہے۔"

قریب جا کے غور سے چہرہ دیکھا، انجمن آرا کا چہرہ تھا۔ پہچانتے ہی سر و تن کا ہوش نہ رہا۔ چاہا کہ سر سے سر ٹکرا کے ہمسر ہو، کسی کو نہ خبر ہو۔ بسکہ تجربہ کار ہو چکا تھا، سوچا مرنا ہر وقت ممکن ہے۔ پہلے حال تو دریافت کر لو، کہیں حوض کا سا دھوکا نہ ہو۔ ہر چند غوّاصِ فکر، رسا محیطِ فکر میں غوطہ زن و آشنا ہوا، گوہرِ مقصد

صدفِ مُراد سے ہاتھ نہ آیا۔ معاملے سے ناآشنا رہا۔

[اس عرصے میں] شام قریب ہوئی۔ تند ہوا چلنے لگی، شور و غُل مچا۔ یہ سمجھا اب کسی دیو یا ساحر کی آمد ہے۔ چھپا چاہیے۔ بسر گلدستہ گُلبنِ محبت کے روبرو، بھورا بن کے بیٹھ رہا۔ دفعتاً دیو آپہنچا۔ قوی ہیکل، زبوں شمائل، مگر وحشی سا، ہر سمت بُو سونگھنے لگا۔ پھر اُسی گلدستے سے سفید پھول توڑا، اس یاسمین پیکر کو سُنگھایا۔ بسرا اُچھل کر بدن سے ملا۔ انجمن آرا اُٹھ بیٹھی۔ دیو نے میوۂ تر و خشک روبرو رکھا، مگر پریشان، ہر سو متحیر نگراں۔

شہزادی نے کہا۔ "خیر ہے"؟

اُس نے کہا۔ "آج غیر انسان کی بُو آتی ہے، [اور تعجب ہے کہ] خوف سے [میری] جان جاتی ہے۔"

وہ کہنے لگی "سبحان اللہ ہمیں آج تک [یہاں] جانور کی پرچھائیں کبھی نظر نہ آئی، تو نے آدمی کی بُو پائی! طُرفہ خبط ہے، یہ جملہ بے ربط ہے۔"

غرض کہ صُبح تک مذکورِ ہر شہر و دیار، عجائباتِ روزگار کا بیان رہا۔ دمِ سحر اُسی دستے سے سُرخ پھول توڑ کے اُس خُوں آشام نے، شہزادی لالہ فام کو سُنگھایا۔ سر تو چھینکے پر سر بلند ہوا۔ تن نے پلنگ پر آرام فرمایا۔ دیو دو شالہ اُڑھا راہی ہوا۔

جانِ عالم نے ایک ساعت بہت جبر سے صبر کیا۔ پھر اپنی صورتِ اصلی بنا کے، وہی سفید پھول [دستے سے] توڑ کر سُنگھایا۔ انجمن آرا بدستورِ اوّل اُٹھ بیٹھی۔ شہزادہ چیخ مار کے لپٹ گیا۔ دونوں مہجور اس زور و شور سے روئے کہ تمام باغ ہل گیا۔ زمین و آسمان دہل گیا۔

جانِ عالم [ہنوز نہ] اپنے مصائب اور وہاں تک آنے کا حال، فُرقت کا درد و ملال، کہنے نہ پایا تھا کہ انجمن آرا نے کہا۔ لا اعلم ؎

تجھ بن عمرِ اوقات جو اکثر گزرے
وہ حالتِ نزع سے بھی بد تر گزرے
تو تو کہے سرگزشت اپنی ظالم
میں کس سے کہوں جو کچھ کہ مجھ پر گزرے

یہ کہہ کے پھر دونوں چلا چلا، آہ و بُکا سے رونے لگے۔ دُنیا کے معاملے میں ہمیشہ سے کسی کی عقل نہیں لڑی، شکست ہوئی ہے۔ شعر

سه
بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم
دگرگوں می شود احوالِ عالم

مؤلف سه
ایک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور، آہ
معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

ہر عقدۂ مالا ینحل، ناگزیر کے واسطے، ناخنِ تدبیر خلق میں خلق کیا ہے اور جہاں میں جہاں تدبیر کا دخل نہ ہو، اُسے تقدیر کے حوالے کر دیا ہے۔ اکثر جس بات میں عقلِ [بشر] عاجز آتی ہے، وہ طرفۃ العین میں [خود بخود] ہو جاتی ہے۔ ناگہاں ایک دیوِ سفید، زبردست، زور کے نشے میں سرشار، مست، بڑا طاقت دار، رستم کا یادگار، اُدھر سے گزرا۔ نالۂ حزیں، صدائے غمگیں کان میں آئی۔ بسکہ بہ ایں زور و طاقتِ خداداد، وہ دیو نیک نہاد، رحم دل، غم رسیدوں کے رنج کا شاملِ تھا۔ گریہ و زاری سُن کے، دل کو بے قراری [حاصل] ہوئی۔ سمجھا کوئی انسان نالاں ہے، مگر اس صحرائے پُرخار و ادی ہمہ تن آزار میں آدمی کا ہونا محال ہے۔ اگر ہے تو حقیقت میں مُبتلائے الم، اسیرِ پنجۂ ستم، خراب حال ہے۔ یہ سوچ کے باغ میں آیا۔ یہاں روتے روتے دونوں کو غش آگیا تھا۔ دیو ڈھونڈھتا ہوا بنگلے میں آیا۔ دیکھا مہر و ماہ، گردشِ سپہر بے مہر سے۔ بُرجِ زمرّدیں میں بے ہوش ہیں، چہرے

کے رنگ اُڑے ہوئے۔ سکتے کی حالت میں ہم آغوش ہیں۔ روئے یار آئینہ دار درمیان ہے، فلک بر سرِ امتحان ہے۔ سمجھا مدت کے بعد دونوں کا مقابلہ ہوا ہے اس سے کسوف و خسوف کا رنگ ڈھنگ پیدا ہے۔ سر بالینِ بیمارانِ محبت بیٹھ کر نہر سے پانی لے کے دونوں کے منھ پر چھڑکا، آنکھیں کھولیں، ہوش و حواس درست ہوئے۔ دیکھا کہ ایک دیو سرہانے بیٹھا ہے۔ دیوِ سفید نے اُٹھ کے سلام کیا، تسلّی کا کلام کیا۔ کہا: "تشویش نہ فرمائیے، بندہ دوستدار جاں نثار ہے۔"

پہلے جانِ عالم اُٹھا، بغل گیر ہوا۔ وہ حال پوچھنے لگا۔ بسکہ شہزادہ جانِ عالم لسان و خوش بیان تھا، اپنی رام کہانی، [بہت] چرب زبانی سے کہہ سُنائی۔

دیو ماجرائے گزشتہ سُن کے بے قرار، اشک بار ہوا۔ عرض کی: "آپ بہ دلجمعی تمام آرام کیجیے، اب وہ قرمساق آئے تو عملِ بد کی سزا پائے۔"

جانِ عالم پر شدت لگاوٹ یا زہتا، اس [زیادہ] سے بھائی چارہ کیا، صیغۂ اُخوت پڑھا۔ وہ بے چارہ اس حرکت سے بندۂ بے دام، حلقہ بگوش غلام ہوا۔ وہاں سے اُٹھ کے باغ کی سیر کرتے تھے کہ وہ جفا کار بھی آ پہنچا۔ یہاں اور رنگ دیکھا کہ شہزادی آدمی زاد کے ہمراہ پھرتی ہے۔ سفید دیو کا ہاتھ میں ہاتھ ہے، مصاحبت کرتا ساتھ [ساتھ] ہے۔ جل کے جانِ عالم پر جھپٹا۔ سفید دیو نے بہ جلدی تمام، اُس نطفۂ حرام کا ہاتھ پکڑا۔ وہ کافر اُسی رحمدل سے لپٹا۔ باہم کشتی ہونے لگی۔ یہ کشمکش ہوئی کہ زمین جا بجا [سے] شق ہو گئی۔ الغرض بہ مدد و مددگاری و قوّت پروردگار، سفید دیو نے زمین سے لنگر اکھاڑ، اسر سے اونچا کیا۔ پھر زمین پر پٹک کے چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ جانِ عالم قریب آیا، تڑ

طاقت کی تعریف کرنے لگا۔ کہا۔ "جنابِ باری نے تجھ مددگارِ بےکساں کی یاری کی، جو ایسے مردود پر ایک دم میں تجھے فتح و ظفر حاصل ہوئی! اگر ناگوارِ طبع نہ ہو، میں بھی ایک زور کروں۔"

وہ بولا۔ "بسم اللہ۔"

شہزادے نے ایک ہاتھ شانے پر دھر، دوسرے سے گردن، اس سرکش کی مضبوط پکڑ، دھڑ سے کھینچ کے، زمین پر دھڑ سے پھینک دی۔ دیوِ سفید تو یہ طاقت دیکھ کے سفید ہو گیا۔ شہزادے کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہوا۔ وہ زرورُوئے دین اسفل السافلین کو پہنچا۔ اس اثنا میں سفید دیو کے مُلازم بھی آپہنچے۔ دعوت کی تیاری، ضیافت کی اضافت کی۔ ایک ہفتے اُسی باغ میں اکل و شرب، گانا ناچ [خوب] رہا۔

آٹھویں روز اس ماہِ دو ہفتہ یعنی انجمن آرا نے رنجِ جُدائیِ ملکہ مہر نگار، مردمانِ لشکر کا لبِ دریا انتظار بیان کر کے کہا۔ "بخدا مُفارقتِ ملکہ میں خواب و خور حرام ہے۔ [چین دل کو، نہ جی کو آرام ہے]۔ تمھارے بارِ احسان سے دب کر کبھی ہنسی لب پہ آ گئی وگرنہ دورِ شراب و کباب، خونِ دل لختِ جگر تھا، ہر گلاس بُرادۂ الماس تھا، فقط تمھارا پاس تھا۔"

اُس نے عرض کی۔ "میرے نوکر جائیں، پتا لگا آئیں!"

انجمن آرا نے جواب دیا۔ "اپنے تجسّس میں زیادہ مزہ ہے، اپنا کام خُوب ہوتا ہے۔"

ناچار رخصت ہو کے چلے، اور آنے جانے کے باہم، وعدہ ہائے مستحکم ہوئے۔ مگر ہر دم [پیشِ نظر] ملکہ مہر نگار کا خیال تھا ہر گام دل پر فرقت کا ملال تھا کہ خدا جانے ڈوب گئی یا ہماری طرح کسی آفت میں پھنسی! کبھی دو کوس،

کبھی چار کوس، بصد حسرت و افسوس چلتے، دو تین دن میں پاؤں سُوج گئے، چھالے پڑے، قدم اُٹھانے کے لالے پڑے۔ وہ سفر سخت، یہ نازک مُسافر، وہ کالے کوس مالوے کی طرح کافر۔ انجمن آرا جھلّا کے کہنے لگی۔ میر ؎

کب تھا یہ شور و نوحہ ترا عشق جب نہ تھا

دل تھا ہمارا، آگے تو ماتم سرا نہ تھا

آپ کی بدولت، یہ ذلّت و رُسوائی، پیادہ پائی صحرا نوردی عزیزوں کی جُدائی نظر آئی، غرض کون سی مُصیبت ہے جو نہ اُٹھائی۔ میر سوز ؎

چُھڑا کر مجھ سے میرے خانماں کو

خُدا جانے چلا ہے اب کہاں کو

شہزادہ ہنس کے چُپ ہو رہا۔ کہا۔ "ہم تو سدا کے بیکارے تھے، مورد ذلّت و خواری تھے"۔ پھر وہ عمل جو جوگی سے سیکھا تھا، انجمن آرا کو بتایا۔ دونوں نے توتے کی ہیئت بنائی اور توکّلت علی اللہ[1] کہہ کر، نظر بخدا ایک سمت سرگرم پرواز ہوئے۔ پہر دو پہر اُڑنا، پھر کسی درخت پر بسیرا، خیمہ پاس نہ ساتھ کوئی ڈیرا۔ اس رُوپ میں قاصد سیر ہوئے۔ سابق ازیں مصاحب انسان تھے، اب ہمنشین وحوش و طیر ہوئے۔ روز نیا پانی، نت نیا دانہ، جس ٹہنی پر بیٹھ رہے، وہی آشیانہ۔ کبھی بستی میں سے ہو نکلے، گاہ کوئی ویرانہ نظر آیا تو رو نکلے۔ کسی کو اگر ہنستے دیکھ لیا، اپنا زمانہ یاد کیا، تو نالہ ایجاد کیا۔ اسی طرح چلے جانا اور اکثر یہ شعر پڑھ دینا۔ لاَاعلمُ ؎

---

[1] سورۂ ہُود۔ آیت ۶۰ کی طرف اشارہ ہے
صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔

شبِ عشرت غنیمت داں و دادِ خوش دلی بستاں
کہ در عالم کسے احوالِ فردا را نمی داند

مذکور ملکۂ مہر نگار تختے پر بہتے جانا، بادشاہ کا جہاز پر سیر کرتے ہوئے آنا، رحم کھا جہاز پر منگانا، شہر میں داخل ہو کر مکان دینا، پھر توتے کا اُڑ کر پہنچنا، اور نامہ لے کر روانہ ہونا۔

اے جنوں تو دلِ شوریدہ کی امداد کو آ
تا لکھوں حال میں اک اور ستم دیدہ کا
چین دنیا میں نہیں عشق کے بیماروں کو
نت نیا رنج فلک دیتا ہے بے چاروں کو
بارِ فرقت کبھی معشوق جو دھر جاتے ہیں
جیتے جی دب کے یہ اس بوجھ سے مر جاتے ہیں
زیست بے لطف گزر جاتی ہے بیچاروں کی
کیا کہانی میں کہوں تم سے دل افگاروں کی

نگارندۂ حالِ غریقِ شطِ فرقت و کشتیٔ شکستہ لُجّۂ محبت، بادبان گسستہ صرصرِ دوری و لنگر بریدہ، کارِ مہجوری طوفان رسیدہ، کنارِ کامیابی نہ دیدہ یعنی ملکۂ مہر نگار، خامۂ جگر افگاریوں رقم کرتا ہے کہ جب جہاز تباہ ہوا تھا، یہ بھی ایک تختے کے ٹکڑے پر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ڈوبتی ترتی چلی جاتی تھی۔ اُدھر سے کوئی بادشاہ عالی جاہ جہاز پر سوار سیر دیکھتا آتا تھا۔ دور سے تختہ بہتا دیکھا۔ جب قریب تر آیا، آدمی اُس پر نظر آیا۔ خوفِ خدا سے جلد کشتی دوڑا، جہاز پر منگوایا۔ ملکہ

کو تلاطم آب نے بیتاب کیا تھا اور جانِ عالم و انجمن آرا کے صدمۂ جدائی سے جی ڈوب گیا تھا یعنی غش تھا۔ لیکن صورتِ رعنا، چہرۂ زیبا میں فرق نہ ہوا تھا۔ بادشاہ بیک نگاہ والہ و شیدا ہو گیا۔ جلد جلد عطر سنگھایا، بازو باندھا اور تدبیریں کیں۔ دو تین گھڑی میں [ملکہ کی] غش سے آنکھ کھلی، دیکھا کہ نہنگِ اجل کے منھ سے تو بچی، آفتِ تلطم و لجہ سے برکنار، جہاز پر سوار ہوں۔ مگر شخصِ غیر سے دوچار ہوں۔ شرم سے سر کو جھکایا، تمام جسم میں پسینا آیا۔

بادشاہ نے پوچھا۔ "اسمِ شریف؟"

گو باعثِ حجاب بولنا گوارا نہ تھا، لیکن بے جواب دیئے چارہ نہ تھا۔ آہستہ سے کہا۔ "محروم و ناکام، آفت کی مبتلا، ذلیل و خوار، نالۂ تفرقہ پسند در پے آزار۔ پُر آلام، جگر خوں، دل خستہ و محزوں، کشتی تباہ، گم کردہ راہ، ناخدا گم فتادۂ تلاطم۔"

اس کی فصاحت و بلاغت، چہرے کی شان و شوکت سے ثابت ہوا کہ یہ شہزادی ہے۔ اور کلام دردناک نے گریبانِ صبر و طاقت چاک کیا۔ بادشاہ نے رو دیا۔ پھر خاصہ طلب فرمایا۔ ملکہ نے انکار کیا، [نہ کھایا]۔ اس نے بہت اصرار کیا، لجاجت سے کہا۔ "آپ کھانا نوش فرمائیں، وطن کا پتہ بتائیں۔ جب تاب و توانائی تم میں آئے گی، وہاں بھجوا دیں گے۔"

ملکہ نے کہا۔ "ہم جن کے دامنِ دولت سے اُلجھے تھے، وہ تو گردِ راہ کی صورت خارِ صحرا کی طرح جھاڑ، اس دریائے ناپیدا کنار میں ڈوبے۔ خدا جانے کیا ہوئے، جیتے ہیں یا موئے۔ اگر سوئے عدم ہمیں روانہ کرو، بکھیڑا چھٹے، غم و الم سے نجات ملے، تمھارا بڑا احسان ہو۔ اس نے کہا۔

مؤلف:

؎ "تم سلامت رہو زمانے میں
ایسی باتیں زبان سے نہ کہو"

غرض کہ مجبوراً کچھ کھایا۔ دو چار دن میں تاب و طاقت گو نہ آئی اور جہاز [بھی] بیت السلطنت میں پہنچا۔ ملکہ کے واسطے مکانِ عالی شان خالی ہوا۔ لونڈیاں، [مُغلانیاں] بپیشِ خدمت، آتون، محلدار، جو جو کہ قرینہ شاہ اور شہر یاروں کا ہوتا ہے اور جس طرح سے شہزادیاں رہتی ہیں، سب سامان مہیا کر دیا۔

ایک روز بادشاہ آیا۔ کہنے لگا۔ "تم اپنا حسب و نسب چھپاتی ہو، مگر ہمیں معلوم ہُوا کہ تم شہزادی ہو۔ ہماری تمھاری ملاقات اس حیلے سے [ہوتی] بدی تھی۔ اُمیدوار ہوں بخوشی مجھے اپنے فرماں برداروں میں قبول فرماؤ، [میری بات مانو۔"]

ملکہ نے جواب دیا کہ۔ "میں نے تمام عمر سلطنت کا نام نہیں سُنا۔ الا آپ کو خالق نے بادشاہ کیا ہے۔ انصاف شرطِ فرماں روائی ہے۔ [اس کو ہاتھ سے نہ دے]۔ میں ظلم رسیدہ، آفت کشیدہ، فلک کی ستائی ہوں، خدا جانے کون ہوں اور کس طرح یہاں تک آئی ہوں۔ بقولِ اُستاد ؎

دیکھیے آنکھوں کے، کیا کیا لوگ اٹھے پیشِ چشم
ہوں لبِ حیرت بدنداں رنگِ دنداں دیکھ کر

اگر بے گناہوں کا خون گردن پر لینا گوارا ہے، مختار ہے، مجھے کیا چارہ ہے۔ اور جو میری خوشی منظور ہے تو برس روز کی مہلت [مجھ] کو دے، اس عرصے میں کوئی ڈوبا ترا میرے وارثوں کا پتا لا، کوئی جیتا مرا ابھرا، تو خیر۔ نہیں میں تیرے قبضۂ اختیار میں ہوں۔ جبر کرنا کیا ضرور ہے، عدالت سے دُور ہے۔"

بادشاہ نے دل میں سوچا آج تک ایسے غریق اُبھرتے نہیں، وہاں کے گئے

پھر ادھر قدم دھرتے نہیں۔ اتنے دنوں کی فرصت دو، حکومت نہ کرو، آنکھ بند کرنے میں سال تمام ہو جائے گا۔ پھر کون سا حیلہ کام آئے گا کہا، "بہت خوب، لیکن جو تمھیں ناگوار نہ ہو تو جی چاہتا ہے گاہ گاہ آنے کو، تمھارے دیکھ جانے کو۔"

ملکہ نے یہ امر مغتنم جانا کہ حاکم و محکوم کا فرق سب کو معلوم ہے۔ اب یہ انداز ٹھہرا۔ پانچویں چھٹے روز پہلے خواجہ سرا [آ کے] اطلاع کرتا، پھر بادشاہ قدم دھرتا۔ دو چار گھڑی کی نشست ہوتی، قصہ ہر شہر و دیار، دربار کا تازہ اخبار بیان کر کے اٹھ جاتا۔

یہاں سے دو کلمے یہ سُنیے اور مُسبّب الاسباب کی کارسازی کے سامان دیکھیے۔ وہ محل جو ملکہ [کے رہنے] کو ملا تھا، اس میں مختصر سا پائیں باغ بہت کیفیت کا تھا۔ طرح طرح کے میوہ دار درخت، باغ و بہار کا یک لخت۔ نئے نئے رنگ ڈھنگ کے وہ گُل بوٹے، جو بادِ خزاں سے جھڑے نہ ٹوٹے۔ پھل قصد سے منھ میں آ جائے۔ ہاتھ بڑھانے کی بار نہ آئے۔ روشیں مورت کی صورت کی سالم، آبِ رواں میں پری کا عالم۔ بھدّے نہ بد قوارے، سڈول، نازک ٹُک سانچے کے ڈھلے فوارے۔ کیاریاں پیچدار، اُن میں آبشار، پختہ ہر ایک کیا، سراسر گُل کاری۔ چمن بندی قطع دار، جابجا چبوترے معقول، گُل پیادہ و سوار، پُربہار چوکور عرض و طول۔ باغبانیاں خوبصورت نوجوان، تکلف کے سامان۔ طلائی نقرئی کُھرپیاں مُرصّع کار۔ بیلچے ہاتھوں میں، غمزہ چال میں، ادا دیکھ بھال میں، لگاوٹ باتوں میں۔

کسی طرف کنوئیں کی جگت پر کیلے والے لال، بے رنج و ملال ہو رہا۔ کوئی کچھ اُکھاڑتی، کوئی بو رہی، کوئی پھول چُنتی، پھل اُٹھاتی، گھاس کُھرپی سے چھیل

ڈالتی۔ کوئی ٹوٹا، جھڑا پتا، گرا پڑا کانٹا کیاری سے نکالتی۔ سر شاخِ ہر گلِ رعنا، بلبلوں کا غنچہ، سرو شمشاد پر جوبن۔ صدائے قمری، طوق در گردن۔ ایک طرف طاؤسوں کا رقصِ پُر ناز، ہر ایک خوش آواز۔ باغ کے گرد بلبلیں چہلیں۔ غنچوں کا چٹکنا، گوشِ رحیل۔ کہیں لالہ پیالہ در دست، [اور] کسی جگہ نرگسِ شہلا با چشمِ مست۔ تاکِ انگور پر مینخواروں کی تاک، عنبر بیز صحنِ گلشن کی خاک۔ بلکہ گجہر و گاہ، شام و بیگاہ رنجِ پریشانی و دفعِ سرگرانی کو وہاں آ [کے] نظارہ صحبت گل و بلبل سے رشک کھاتی، بصد حسرت [و] افسوس، سوئے گردونِ دوں سر اٹھائے، یہ شعر پڑھتی۔ میر سوز ؎

وہ دن خدا کرے کہ خدا بھی یہاں نہ ہو

میں ہوں، صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو

گل ہو شگفتہ خاطر و گلزار خندہ رو

بادِ صبا بھی ہووے وے باغباں نہ ہو

گلشن ہو اور یار ہو دل آرام اور میں

اپنا ہو قصہ غیر کی واں داستاں نہ ہو

کبھی پیچ و تابِ زلف اور گیسوئے معنبر کی پریشاں حالی، جعدِ سنبل کو دکھاتی گاہ سیاہیِ داغِ جگر، لالے کی لالی سے اڑاتی۔ غنچۂ افسردہ سے جو کچھ دل گرفتگی کی تسکین ہوتی تو گل کی ہنسی پر پھوٹ پھوٹ کے خوب روتی اور اس غزل سے دل کو سمجھاتی۔

مؤلف ؎

لازم ہے سوزِ عشق کا شعلہ عیاں نہ ہو

جل بجھیے اس طرح سے کہ مطلق دھواں نہ ہو

[زخمِ جگر کا وا کسی صورت دہاں نہ ہو
پیکانِ یار اس میں جو شکلِ زباں نہ ہو]
اشتری بے حسی کہ جو دریا میں غرق ہوں
تالاب کی طرح کبھی پانی رواں نہ ہو
گُل خندہ زن ہے ہیچے کرتی ہے عندلیب
پھولی ہوئی چمن میں کہیں زعفراں نہ ہو
بھاگو یہاں سے یہ دلِ نالاں کی ہے صدا
بھٹکے ہو یارو یہ جرسِ کارواں نہ ہو
ہستی عدم سے ہے مری وحشت کی اک شلنگ
اے زلفِ یار پاؤں کی تو بیڑیاں نہ ہو
لینا بجائے فاتحہ تربت پہ نامِ یار
مرنے پہ یہ خیال ہے وہ بدگماں نہ ہو
ناقہ چلا ہے نجد میں لیلیٰ کا بے مہار
مجنوں کی بن پڑے گی اگر سارباں نہ ہو
جاؤں سے چرخ کی یہ مرا عزم ہے سُرورؔ
اُس سرزمیں پہ جاؤں جہاں آسماں نہ ہو

گاہ لبِ جو کسی سرو کے پاس یادِ قامتِ جانانِ عالم میں مثلِ فاختہ کو کو کرتی، دلِ بے تاب کو تڑپا کے لہو کرتی۔ غور کرو تو دنیا میں کسی چیز کو قرار نہیں، اس کا سب کارخانہ پیدا ہے کہ پائیدار نہیں۔ کبھی تو روز روشن ہے۔ گاہ اندھیری رات ہے۔ یہ کائنات کی کائنات بے ثبات ہے۔ گلشن میں اگر بہار ہے، تو خزاں درپئے آزار ہے۔ بلبل کو ہزار چہچہے یاد ہیں، پر باغباں آشیاں اُجاڑنے کی فکر

میں ہے، دام لیے لاکھ صیاد ہیں۔ نوش کے ساتھ گزند نیش ہے۔ کوئی دلشاد کسی کا سینہ ریش ہے۔ عاشق ازل سے غم کا مبتلا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ معشوق کی ذات بے وفا ہے اور جو کبھی کسی قسمت کے زبردست کو [اتفاقاً نحو دار] وفادار ہاتھ آتا ہے۔ تو بر دست کسی نہ کسی پیچ سے فلک بد ہجرت پسند رشک کھا کے تفرقہ ڈالتا ہے، چھڑاتا ہے۔ اسی سہارے پر لوگ جان دیتے ہیں، جی بیچ کے [یہ] روگ مول لیتے ہیں۔ اتنا کسی کو نہیں معلوم، اَلقَلِیلُ کَالمَعدُوم۔[1] یہ جملہ معترضہ تھا، پھر وہی قصہ شروع ہوا۔

ایک روز فرخ اندوز ملکہ بدستور قدیم، بے جلیس و ندیم باغ میں گئی۔ شہزادے کی صحبت کا خیال، انجمن آرا کی کج بحثی کا ملال، تنہائی میں اپنا خراب حال دیکھ کے یہ شعر پڑھا۔

مؤلف ؎

اک انقلاب چرخ سے افسوس دیکھنا
صحبتیں رہیں نہ وہ اب ہمنشیں رہے

پھر ایسا روئی کہ ہچکی لگی۔ شام کا وقت تھا، جانور درختوں پر بسیرا لینے جاتے تھے۔ جس درخت کے تلے ملکہ کھڑی تھی، ایک توتا اُس پر آ بیٹھا۔ یہ گریہ و زاری اُس غم کی ماری کی دیکھ کے بے چین ہوا۔ پوچھا کہ "اے شہزادی کیا حال ہے، کون سا ملال ہے اور کیا صدمۂ جانکاہ ہے جو اس طرح لب پر نالہ و آہ ہے؟"

ملکہ نے فرمایا۔ "سبحان اللہ! قسمت کی گردش سے یہ حال بہم پہنچا کہ

---

[1] تھوڑی سی چیز نہ ہونے کے برابر ہے۔

جانور ہم پر رحم کھاتے ہیں، احوال پوچھنے کو اُڑ کر آتے ہیں۔ زیادہ بے قرار اور اشکبار دہ سوگوار ہوئی۔ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ جب کسی دلِ شکستہ کی کوئی دلداری کرتا ہے تو [بے شک اُس کا] دل اُمنڈ آتا ہے۔ ملکہ نے بے اختیار ہو کے کہا۔ آصف الدولہ [آصف :]

جو دو شخص خنداں بہم دیکھتے ہیں
فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں

"اے جانورِ خوش بیان، سخن سنج، مہربان! کیا بتاؤں گھر بار سے جُدا، بے کسی میں مبتلا ہوں [انیسوں سے اور قریبوں سے الگ، جینے سے خفا ہوں۔] بسانِ آئینہ حیراں، مثلِ زلفِ سیہ بخت پریشاں، نے کی طرح نالاں، مورد صد اندوہ و بلا ہوں؛ شعر:

بے کسی سوخت کسے می خواہم
نفسے ہم نفسے می خواہم

شامِ تیرہ بختی کے اندھیرے میں بے قرار، صبحِ قیامت کی صورت دامن چاک گریباں تار تار۔ سوز:

کس کو اب زیرِ فلک طاقت رُسوائی ہے
کاش شق ہو کے زمیں اور سما جاؤں میں

دل میں الم سے خار خار، غیر جنسوں کے دام میں گرفتار، سخت مجبور و ناچار ہوں۔ طائرِ رنگ پریدہ، ہزاروں جور و ستم بیں جریدہ۔ روئے راحت، گوئے آشیاں ندیدہ۔ شبِ غم کی سیاہی میں سوجھتا نہیں، خونبار ہوں؛ ناسخ:

صبح سے کرتے ہیں معمار مرے گھر کو سفید
شام سے کرتی ہے فرقت کی شبِ تار سیاہ

توتے نے کہا۔ "مجھے تم سے بوئے محبت آتی ہے، تمھاری باتوں سے چھاتی پھٹی جاتی ہے۔ برائے خدا اپنے رازِ سربستہ سے مجھے آگاہ کرو۔ للہ جلد مُفصّل حال کہو۔"

ملکہ نے قصۂ عشقِ جانِ عالم، انجمن آرا کا آنا، وزیرزادے کی بُرائی، جادوگرنی کی کج ادائی، جہاز کی تباہی، اپنا یہاں آنا، اوروں کا پتا نہ پانا، جانِ عالم کا چھُٹ جانا، سب بیان کر کے کہا۔ "نہ شاہِ گردوں بارگاہ ہمیں منجدھار میں ڈوبتا چھوڑ، اپنا بیڑا پار لگا، مُنھ موڑ خدا جانے کیا ہوا۔ ہم ہیں اور رنجِ تنہائی میں بیتابی انیس ہے، پریشانی میں ہمدم خانہ ویرانی جلیس ہے۔ جو دم ہے دمِ شمشیر ہے۔ سانس ناوک کا تیر ہے۔ [جیتے جی قرار نہیں، مرجانے کا اختیار نہیں۔ ؎

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے[1]
نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے]

توتے کو ان باتوں سے سکتہ سا ہو گیا۔ سوچنے لگا، سنبھل کر پَر نوچنے لگا۔ زمین پر گر پڑا۔ ملکہ گھبرائی کہ یہ کیا ہوا۔ افسوس ؎

دیکھ کر مجھ کو نہ حاضر ہوا مرجانے کو
وہی غمخوار جو یاں بیٹھا تھا سمجھانے کو[2]

---

[1] نساخ نے یہ شعر مرزا صادق علی شرر برادر مرزا جعفر علی فصیح سے منسوب کیا ہے۔ تذکرہ سخنِ شعرا ص۲۴۳

[2] ؎ دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہ ہی اشخاص جو یاں آئے تھے سمجھانے کو (تذکرہ مجموعۂ نغز ص۶۶)

دو چار گھڑی کے بعد جب ہوش و حواس توتے کے دُرست ہوئے، عرض کی: "اے ملکۂ مہر نگار! میں وہی توتا کم بخت جفا شعار، [سحر گفتار ہوں] جس نے اُس رشکِ قمر کو دربدر کیا۔ مجھ سے انجمن آرا کا ذکرِ حُسن کے [دربدر] آوارہ ہوا تھا۔ باقی حال تو سب آپ نے سُنا ہوگا۔"

پھر تو ملکہ [مہر نگار] اُسے گود میں اُٹھا، [شہزادے کے بین باشور و شین کرنے لگی۔] یہاں تک روئی کہ بے ہوش ہوگئی۔ باغبانیاں دوڑ میں، خدمت گزاریں جھلائیں کہ آج ملکہ پر کیا حادثہ پڑا۔ جب دونوں کے ہوش و حواس دُرست ہوئے، توتے نے سمجھایا کہ "آپ دل کو تسکین دیں، خاطرِ مبارک جمع رکھیں۔ جانِ عالم اور انجمن آرا دونوں خیریت سے زندہ ہیں۔ میں نے یہ مقدمہ منجموں سے دریافت کیا تھا۔ بالاتفاق سب کا قول ہے کہ رنج مفارقت کے سوا جان کی خیر ہے۔ سب آملیں گے۔ [بس] اب مجھے رُخصت کرو، صبح کو خدا جانے کس وقت بیدار ہو!"

ملکہ نے فرمایا: "واہ! بعد مُدّت محرم راز، ایک غمخوار ملا، تو وہ بھی اتنا جلد چلا۔ فلک [کو رشک آیا۔ طالع] رہبر بھی ہے۔ بے لُطف زندگی ہے۔ دیکھیے یہ بُرے دن کب جاتے ہیں اور اچھے کیوں کر آتے ہیں۔ اُستاد

ایک عالم کو آزما دیکھا	جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا
حالِ بد کا شریک دنیا میں	نہ برادر نہ آشنا دیکھا
کیوں بُرا ہم نہ تجھ سے کہتے تھے	جی لگانے کا کچھ مزا دیکھا
سچ ہے دُنیا مریض خانہ ہے	رنج میں سب کو مُبتلا دیکھا
[مٹ گیا ایک دم میں مثلِ حباب	یاں ذرا جس نے سر اُٹھا دیکھا]
کیف میں کم، بہت نوازش ہے	عشقِ خوباں میں جو فنا دیکھا

آخرکار اُس رات کو توتے سے باتیں رہیں۔ صبح کو رخصت ہوا۔ چلتے وقت ملکہ نے تھوڑا سا اپنا حال پرچے پر تحریر کر دیا۔ کہا۔ "جہاں شہزادے سے ملاقات ہو، یہ خط نشانی دے کے، جو کچھ دیکھا ہے زبانی بیان کرنا۔"

[توتا] وہ رقیمۂ شوق لے کر راہی ہوا۔ شہر بہ شہر وہ خستہ جگر ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ ایک روز قریب شام، بہ دلِ ناکام تھک کر، لبِ چشمہ کچھ درخت تھے اُن پر بیٹھ کر سیلِ سرشک چشمِ نم سے بہاتا تھا۔ اُسی دن جانِ عالم اور انجمن آرا توتے کی صورت بنائے، اُسی درخت پر آ بیٹھے۔ یہ توتا ہم جنس سمجھ کے دیکھنے لگا۔ وہ دونوں مضطرب الحال، پُرملال ایک ٹہنی پہ بیٹھ رہے۔ توتا سمجھا کہ یہ ہنقار بستہ میری طرح سے دل خستہ ہیں، پھر رونے لگا۔

انجمن آرا نے کہا۔ "جانِ عالم! دیکھنا یہ توتا روتا ہے، شاید ہماری صورت مصیبت دیدہ، مصائب کشیدہ ہے۔"

توتا باتیں تو سمجھتا تھا، پھر بیٹھا اور بولا۔ "تمھیں خدا وہ رنج نہ دے، عدو بھی تمھارا یہ ستم نہ دیکھے۔ مجھے وہ غم ہے اور دل پر ایسا الم ہے کہ ہر دم یہ دعا ہے، دشمن کا دشمن یہ صدمۂ جانکاہ اور ایسے روزِ سیاہ نہ دیکھے۔

میر سوزؔ:

جو دم لیتا ہوں تو شعلہ جگر کا جی جلاتا ہے
جو چپ رہتا ہوں تو اندر ہی اندر جان کھاتا ہے
جو کچھ احوال کہتا ہوں تو سُننے والے روتے ہیں
نہیں کہتا ہوں تو کوہِ غم آ سینہ دباتا ہے
جو جنگل میں نکل جاتا ہوں تو سب دشت پھنکتا ہے
کبھی جو شہر میں آتا ہوں تو گھر بھول جاتا ہے

پہاڑوں میں اگر پھرتا ہوں ٹکڑے ہو کے اُڑتے ہیں
جو دریا پر کبھی جاتا ہوں سر پر خاک اُڑاتا ہے

مجمعِ رنج و محن، غریقِ شطِ خفت، ہمہ تن ہوں، محنِ میرا خاتماں آوارہ ہمدا پر ندامت ہے، مفارقت اس کی ظلم ہے، قیامت ہے۔ اس کے ورائے تازہ حال یہ دیکھا ہے کہ ایک عاشقِ صادق اپنے معشوق سے جدا ہے، غیر جنسوں میں اسیرِ بلا ہے۔ اس کے ناوکِ آہ سے چھاتی سوراخ دار ہے۔ سنانِ نالہ کلیجہ کے پار ہے۔ اگر گریہ و زاری یا تڑپ اور بے قراری اُس کی بیان کروں، پتھر پانی ہو کے بہہ جائے۔ سیماب کی چھاتی خجالت سے پارہ پارہ ہو۔ راہ چلتے انجان کو رحم آئے۔"

جانِ عالم یہ سُن، بے چین ہو کے پوچھنے لگا۔"وہ کون تھا جو سرگشتہ و آوارۂ دشت و دیار ہوا، اور وہ کون ہے جو نا جنسوں میں گرفتار ہوا؟"

توتے نے ان کی داستانِ گزشتہ اور ملکہ کا حال بیان کیا۔ انجمن آرا ملکہ کا نام سُن کے شگفتہ خاطر ہوئی۔ دونوں نے [درخت سے اُتر کے] صورت بدلی۔ توتا پہچان کے پاؤں پر گر پڑا۔ شہزادہ گلے سے لگا کے خُوب رویا۔ کہا۔ "اے ہمدم! تم سے جو ہم جدا ہوئے، کس کس رنج و مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ وحشت بدرشت، کوہ بکوہ خراب و خستہ، در بدر محتاج پھرے۔ تم اُس دن کے گئے، آج پھرے۔" پھر ملکہ کا حال پوچھا۔ اُس نے خط حوالے کیا۔ انجمن آرا نے آنکھوں سے لگایا۔ دل نے قرار پایا۔ پہلے اضطراب کا مضمون بدحواسی کا مطلب سرنامے سے کھلا کہ جانِ عالم کی جگہ ملکہ، اور ملکۂ مہر نگار کی جا، رقیمۂ شوق جانِ عالم لکھ دیا تھا۔ اس انتشارِ [طبیعت] کو سوچ کے، شہزادے کے ہوش گم ہوئے۔ لیکہ نامۂ شوقیہ پیچ و تابِ دل اور اشتیاقِ ملاقات میں تحریر

تھا۔ جانِ عالم جب [اس کو] کھولتا تھا، کاغذ بولتا تھا۔ [اور] اثرِ شوقِ ہم آغوشی سے ہر بار خط ہاتھ میں لپٹا جاتا تھا۔ مضمونِ مکرّر سو سو حسنِ طلب دکھاتا تھا۔ مؤلف ؎

نامۂ شوقیہ جب میں نے رقم اس کو کیا
سو جگہ مضمون تب اس میں مکرّر ہو گیا

آنسو دمِ تحریر یعنی لکھتے وقت، جو خط پر ٹپکے تھے، نہ چھٹے اور نشان اس کے دیدۂ منتظر، چشمِ حیرت زدہ کی طرح ہر سطر پر کھلے تھے۔ اور شرحِ نالہ ہر حرف نے نکالا تھا۔ ایک جدولِ خون ہویدا تھی، اور رونے کی کیفیت پیدا تھی۔ لکھا تھا، حافظ ؎

"از خونِ دل نوشتم نزدیکِ دوست نامہ
اِنّی رَأَیْتُ دَھْراً مِنْ ھَجْرِکَ الْقِیَامَۃ

شعر ؎

سوادِ دیدہ حل کردم نوشتم نامہ سوئے تو
کہ تا ہنگامِ خواندن چشمِ من اُفتد بروئے تو

اے یارِ وفادار، صادق الاقرار، اللہ تجھے سلامت رکھے۔ شرحِ اشتیاق [اور] داستانِ فراق، قصۂ طویل و طویل ہے، زندگی کا عرصہ قلیل ہے۔ اگر ہماری زیست منظور ہے، جلد آؤ، صورت [اپنی] دکھاؤ۔ نہیں تو تاسف کرو گے،" پچھتاؤ گے۔ [جو] تم نے آنے میں دیر کی، تو ہم نے صدمۂ ہجر سے تڑپ کے جان دی۔ مٹی کے ڈھیر پر رو رو کے خاک اڑاؤ گے۔ مؤلف ؎

شکل اپنی ہم کو دکھلاؤ خدا کے واسطے
جان جاتی ہے ابھی آؤ خدا کے واسطے

لہ مجھے تیری جدائی ہمیشہ قیامت نظر آئی۔

کوئی دم کا سینے میں دم مہمان ہے، نام کو جسم میں جان ہے۔ فلک نے ہماری صحبت کا رشک کھایا۔ بے تفرقہ پردازی ظالم کو چین نہ آیا۔ شب و روز رنجِ جدائی سے جان کھوتے ہیں، اتنا کبھی کا ہے کو کسی دن ہنسے تھے، جیسا پلک پلک کے فرقت کی راتوں میں روتے ہیں۔ میرؔ ~

بیتابیِ دل کسے سُنائیں
یہ دیدۂ تر کسے دکھائیں

تمھاری تقریرِ [دلپذیر] ہر دم بر [نوکِ] زباں ہے، بے تصوّر سے باتیں کیے چین [و آرام] کہاں ہے۔ اُستاد

~ یہ جانتے تو نہ باتوں کی تجھ سے خُو کرتے
ترے خیال سے پہروں ہی گفتگو کرتے

ہمارے تڑپنے سے ہمسایہ سخت تنگ ہے، دولت سرا زندان سے تیرہ و تنگ ہے۔ میرؔ ~

گر یونہی رہے گی بے قراری
تو ہو چکی زندگی ہماری

وحشت پیرامونِ حال ہے، ہر گھڑی، فُرقت کی ماہ ہے۔ جو پہر ہے وہ سال ہے۔ میرؔ ~

دل کوئی دم میں خُون ہووے گا
آج کل میں جُنون ہووے گا

تمھاری صُورت ہر پل رو بہ رُو ہے، جس طرف دیکھا تو ہی تُو ہے۔ چشمِ فُرقت دیدہ دریا بار ہے۔ آنکھ نہیں چشمہ آبشار ہے۔ [افسوس تو یہ ہے کہ] جن آنکھوں کو تم [کبھی] تم نہ دیکھ سکتے تھے، ان سے خُون کے دریا بہہ گئے، بوقت

تم نے نہ ہماری پر خبر لی ؎
چھاتی پتھر کی، کیوں جی کر لی

دن رات کی وہ صحبت تمھارے ساتھ کی، جب یاد آتی ہے، نیند اچٹتی ہے، بے چینی کی رات پہاڑ ہو جاتی ہے۔ کاٹے نہیں کٹتی ہے۔ چارپائی تنہائی میں پلنگ بن کے کاٹے کھاتی ہے۔ [بالش پر نیند اُڑاتی ہے]۔ خواب میں سونے کا خیال نہیں، کھانا پانی ہجر میں حرام ہے۔ حلال نہیں۔ وہ سر جو اکثر آپ کے زانو پر رہا ہے، اُس کو سو سو بار بالش و بالیں پر دے ٹپکا ہے۔ مؤلف ؎

جس میں باہیں تری حمائل تھیں ؎
طوقِ حسرت میں اب وہ گردن ہے

میرے جاگنے کے، اے پیارے! ستارے شاہد ہیں، گواہِ شرعی زاہد ہیں۔ مُرغِ سحر کو بے قراری سے چونکاتی ہوں، مؤذّن کی نیند آہ و زاری سے اُڑاتی ہوں۔ شبِ وصل یہ ہمیں جگاتے تھے، [ستاتے تھے]۔ اب ہجر کی راتوں میں ہم اُنھیں سونے نہیں دیتے [ہیں]۔ مِن مانتے بدلے لیتے ہیں۔ دل ہر ساعت گھڑی سے زیادہ نالاں ہے۔ ہر پہر، گجر سے فزوں شور و فغاں ہے۔ چشمِ [ثوابت و سیارہ] معائنۂ حالِ زار سے بصد حیرت وا ہے۔ چرخِ گرداں میری گردش دیکھ کے چکر کر رہا ہے۔

اُستاد ؎

کھا لیجیے تھوڑا زہر منگا، ہم اور کہیں تم اور کہیں
کیا لُطف ہے ایسے جینے کا، ہم اور کہیں تم اور کہیں

افشائے حال باعثِ ندامت، موجبِ دُشمنوں کی خوشی کا، سبب دوستوں کے ملال کا ہے۔ مصرع

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

اگر جیتے جی [کبھی] مل جائیں گے، رنجِ فرقت کے دُکھڑے زبانی مفصّل کہہ سُنائیں گے۔ اور جو فلک کو یہ نہیں منظور ہے تو انسان [بہر عنوان] مجبور ہے۔ یہ حسرت بھی در گور [گور] میں لے جائیں گے۔ سعدی

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بخدا نمازِ پنجگانہ میں یہ دعا ہے، جامع المتفرقین سے یہی التجا ہے کہ تم سے جلد ملاقات ہو۔ [باہم شکوہ و شکایت ہو۔ دلِ بے قرار تسکین پائے] جانِ زار کو چین آئے۔ زیادہ دیکھنے کا اشتیاق ہے، جُدائی کا صدمہ جانکاہ، شامِ بیگاہ سخت شاق ہے۔ سوچو کہ خوگرِ وصل، ہجر کے الم کا مُبتدی ہے، یا مشتاق ہے۔

یہ خط کا مضمون جو پڑھا، دونوں نے رو دیا۔ از سر تو مع سر نامہ، سراسر وہ نامہ بھگو دیا۔ اُس رات کو تو چار و ناچار وہاں مقام کیا۔ صُبح ہوتے ہی صورت بدلی، کوچ کا سرانجام کیا۔ آگے آگے تو تا رہبر، پیچھے پیچھے وہ دونوں تیز پر۔

پہنچنا جانِ عالم اور انجمن آرا کا مع توتے ملکہ مہر نگار کے پاس، پھر ملاقات ہمدیگر، فوج بھیجنا، وہاں کے بادشاہ کا، لوگوں کا مل جانا، بادشاہ کا آنا، پھر اُس کی گرفتاری اور جانِ عالم کی سیر چشمی

پلا دے تو ساقی مئے لالہ فام
ہوا چاہتا ہے یہ قصّہ تمام
وہ مے دے کہ ہوں [دُور دل سے الم
کہ ہوتے ہیں معشوق و عاشق بہم

جدائی کے ایام طے ہو چکے
شبِ ہجر میں خوب سا رو چکے
مچاؤں کوئی دم بھلا چہچہے
کہ رنج جدائی بہت میں سہے
مثل ہے یہ مشہور اے ذی شعور
کہ ہے رنج کے بعد راحت ضرور

محرّرانِ حالِ طالب و مطلوب ، و حاکیانِ حکایاتِ خوب [و مرغوب] لکھتے ہیں کہ وہ پرندۂ ہوائے شوق یعنی جانِ عالم مع [شہزادی ماہ لقا] انجمن آرا [اور طائر زمرّدیں لباس ، دشت پیما] آٹھویں دن ملکہ کے پاس پہنچا۔ یہاں جس دن سے توتا رخصت ہوا تھا ، ملکۂ مہر نگار دلِ فگار دن میں سو سو بار باغ میں آتی تھی ، گھبراتی تھی اور صبح و شام تو وہ بلا ناغہ اسی درخت کے تلے ، جہاں توتا ملا تھا ، آ کے یہ کہتی تھی۔ میر سوز

مانندِ جرس پھٹ گئی چھاتی تو فغاں سے
فریاد کو پہنچا نہ کوئی راہ رواں سے

اس طرح [اس] روز موافقِ معمول ، وہ دل ملول ، قریبِ شام درخت کے نیچے ، حزین و زار توتے کے انتظار میں کھڑی تھی ، اور آنکھ ٹہنی سے لڑی تھی۔ دیدۂ خونبار سے دریا امنڈا تھا ، دامن تک اشکِ مسلسل سے یاقوت اور موتیوں کی لڑی تھی۔ جب دلِ سوختہ گھبراتا ، تو آہِ سوزِ دروں مثلِ دُخاں لب پر آجاتا ، جی بہلانے کو یہ غزل پڑھتی۔ مؤلف

آتشِ فرقت سے سینہ ، جب سے مجمر ہو گیا
بھُن کے لختِ دل مرا ہر ایک اخگر ہو گیا

باعثِ افشائے ذلت دم نہ ماراہیں نے گاہ
ورنہ زیرِ آسماں کیا کیا نہ مجھ پر ہو گیا
نزع تک تو آمدِ جاناں کا کھینچا انتظار
وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا
کیا ڈراتا ہے ہمیں واعظ سُنا شورِ نشور
شامِ فرقت یاں عذابِ روزِ محشر ہو گیا
اب جو ہنستا ہوں تو ہنستے ہنستے بھی گرتے ہیں اشک
روتے روتے آخرش رونے کا خوگر ہو گیا
فکر پھر کس کو ہو دیواں جمع کرنے کی سُرورؔ
جب کہ ہو مجموعۂ خاطر ہی ابتر ہو گیا

دفعتاً توتے نے سلام کیا۔ وہ خوش ہو گئے بولی: "اے قاصدِ نیک صدا و ہُد ہُدِ شہرِ سبا! میرے سُلیمانِ حُسن و خُوبی کا پتا، یا اُس بلقیسِ محبوبی کا سُراغ ہاتھ آیا؟"

توتے نے عرض کی: "اے ملکۂ عالم! قدردان، خبرداروں کو خلعت و انعام دیتے ہیں، جب دوست کا پیغام پوچھتے ہیں۔ علی الخصوص یہ خبرِ فرحت اثر، پہلے یہ [تو] ارشاد ہو کہ اگر [مجھ] پتا بتاؤں گا، تو اُس کی اُجرت کیا پاؤں گا؟"

یہ سُن کے ملکہ کی جانِ رفتہ بدن میں آئی، یقین ہوا، [مفصل] خبر اُس نے پائی۔ یہ کہا۔ اُستاد

پیغامِ دوست جلد تو اے نامہ بر سُنا
گھبرا کے دم ہی جائے نہ میرا کہیں اُلٹ

توتا عرض کرنے لگا: "حضور کا ارشاد فرمانا [واقعی] بجا ہے، مگر ایسی خبر کا جلد کہنا حمق کا مقتضا ہے۔ اُستاد

دفعتاً خوگرِ فرقت کو نہ دے مژدۂ وصل
خبر خوش نہیں اچھی جو یکایک ہووے

توتا بات کو طول نہ دیتا تھا، کبھی خوش، گاہ ملول کر دیتا تھا۔ ملکہ [ہر بار] بے چین ہوئی جاتی تھی۔ اُدھر شہزادے سے زیادہ انجمن آرا گھبراتی تھی۔ غرض نہ رہ سکی۔ صورت بدلی۔ [پھر تو] جانِ عالم بھی مجسّم ہو کے سامنے آیا۔ [القصہ] آپس میں عاشق و معشوق، معشوق و عاشق گلے مل مل کے [خوب] روئے، غبارِ کلفتِ پارینہ، داغِ مہاجرتِ دیرینہ دل کھول کے، صفحۂ سینہ سے دھوئے۔ رونے کی آواز سے مُغلانیاں، خواصیں جمع ہوئیں، جس کی آنکھ ان دونوں پر پڑی، دوڑ کر صدقے ہوئی اور پاؤں پر گر پڑی۔ جَلّ جلالہٗ حُسنِ خوب سے زیادہ کوئی چیز دل کش اور محبوب نہیں، دوست تو دوست ہے، دشمن غش کر جاتا ہے۔ لڑکا ہو یا بوڑھا شیدا نظر آتا ہے۔ مال تو کیا مال ہے، سوت کی انٹی بھی اگر پاس ہو، تو انٹی ماری سے خریدار بن جاتا ہے۔ جان عزیز نہیں، حُرمت کچھ چیز نہیں۔ غلام کی غلامی پر آقا فخر کرتا ہے۔ جانِ تازہ پاتا ہے۔ جو کوئی کہتا ہے کہ یہ اس پر مرتا ہے، عیاذاً باللہ یہ امر محمود نہیں۔ اس میں غیر ضرر کچھ سُود نہیں۔ غرض کہ خرم و خنداں بارہ دری میں آئے۔ انجمن آرا سے ملکہ نے حال پوچھا۔ اُس نے دیو کا اٹھائے جانا، باغ کی بے سرو پائی، پھر جانِ عالم کی رسائی اور سفید دیو کا آنا، باہم کی لڑائی، [پھر اُس کو قتل کر کے] آفت سے چھڑانا، اور اپنی پیادہ پائی، صحرا نوردی، ہوا گرم، پاؤں کا ورم، پھر وہ عمل جوگی کا بتایا ہوا، شہزادے کا سکھانا، [بادِ ہوائی] سفر اور [توتے کا درخت پر مل جانا سُنا دیا۔

پھر ملکہ نے جانِ عالم کی سرگزشت پوچھی، اپنی صعوبت کہی۔ گزشتہ کا حال میں ذکر کر کے جو کچھ دھیان بندھا، پھر سب رونے لگے۔ توتا بدمزہ [خفا]

ہوا۔ کہا۔ "صاحبو! اب یہ قصّہ بکھیڑا دُور کرو، [سجدۂ شکر بجالاؤ، کھیلو کھاؤ] ہنسی خُوشی کا مذکور کرو۔ یاد رکھو یہ بات، گزشتہ را صلوات۔ [تم نے سُنا نہیں]۔ مصحفی ؎

جُز حسرت و افسوس نہیں ہاتھ کچھ آتا
ایامِ گزشتہ کو کبھی یاد نہ کیجے

ملکہ بولی۔ "اے شیریں مقال، مُبارک قدم، خجستہ فال! شہزادہ سا عقل کا دشمن دیکھا نہ سُنا۔ سوزؔ

؎ معلوم ہم کو دل کے سلوکوں سے یہ ہوا
ناداں ہے جو دوست وہ دشمن ہے جان کا

اُس نے جتنی محنت و صعوبت اُٹھائی، اپنی بدعقلی کی سزا پائی۔ بھلا عالم تنہائی میں جو کچھ کیا، سو کیا۔ دو تین بار اپنے ساتھ ہم دونوں کو خراب، آفت کا مُبتلا کر چکا ہے۔ آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کے دربروئے دشمناں بند، دوست بہ دلِ خورسند باہم بیٹھے اور دورِ ساغر بے دغدغہ، فلکِ تفرقہ پسند و بفلہ یہ دور شروع ہوا، مُطرب نے ساز کی ناسازی پر گوشمالی دی۔ صدائے عیش و طرب بلند ہوئی۔ یہ خبر بارہ دری میں مُشتہر ہوئی اور وہاں کے بادشاہ کو بھی پہنچی کہ ایک مردِ صاحب جمال، دوسری عورت، [حُور طلعت] پری تمثال، ملکہ کے پاس تازہ وارد ہوئی۔ کہنے لگا۔ "الحمدللہ [گھر بیٹھے یہ عنایت پروردگار ہے نصیب چمکا ہوا ہے، طالع یار ہے]۔ ایک موجود تھی دو اور آئے۔ پھر دو ہزار سوار جرّار اور دو سپہ سالار تجربے کار [اسی دم حماقت سے] نگہبانی کو بھیجے۔ [یہاں] جانِ عالم نے یہ ماجرا سُنا۔ فرمایا۔ "فضلِ الٰہی چاہیے، بعد مُدّت یہ صحبت بہم کر میسّر آئی ہے۔ صبح کو سمجھ لیں گے۔"

سوار تو باغ گھیرے [کھڑے] رہے۔ یہ تمام شب بیٹھے ناچ دیکھا کیے۔

جس وقت خسروِ خاور، آرام گاہِ مشرق سے برآمد ہو [کے] جلوہ گرِ تختِ زنگاری ہوا، اور سپہ سالارِ انجم، مع سوارانِ سیارہ، کوہِ مغرب کی طرف فراری ہوا۔ جانِ عالم حمام سے غسل کر کے نکلا۔ اُس لوح سے اسمِ تسخیر پڑھتا، باغ کے دروازے پر آیا۔ جس کی نگاہ پڑی، [دبدبۂ صورت اور] اسم کی برکت سے آداب بجالایا۔ دست بستہ روبرو آیا۔ وہ دو ہزار [سوار] اور سپہ سالار فرماں بردار ہوئے۔ پھر تو دروازہ بہ کشادہ پیشانی کھولا۔ یہ خبرِ وحشت اثر اس بادشاہ کو پہنچی، اور سوار، پیادے لڑائی کے آمادے بھیجے۔ وہ بھی جب سامنے آئے، [گھبرائے]۔ حلقۂ غلامی کان میں ڈالا، لڑنے کا خیال بھولا۔ پھر تو مشہور ہوا کہ ساحر ہے۔ جھٹ تمام فوج آ کر شریک ہوئی۔ اُس وقت وہاں کا تاجدار، طیش کھا کر سوار ہوا۔ کہاں یکہ سوار، کجا انبوہِ بے شمار۔ تلوار چلی، دو چار زخمی ہوئے، کچھ جان سے گئے اور فوج نے زغہ کر کے جان سے تو نہ مارا، کمندوں میں پھنسایا اور جانِ عالم کے حوالے کیا۔

شہزادۂ عالی حوصلہ، خوفِ خدا سے اور نحوستِ طالعِ نارسا [کج ادا] سے مثلِ بید کانپا، اور فرمایا: "اللہ وہ وقت کسی پر نہ ڈالے [کہ اپنی فوج یا رعیت حاکم سے حق پر ناراض ہو، اور] دوست جو دشمن ہو جائے، [بگڑ کے عداوت سے پیش آئے]۔" یہ ارشاد کر کے اُس سے بغل گیر ہوا، برابر بٹھایا، قتل سے ہاتھ اٹھایا۔ وہ بے چارہ نادم و پشیمان، سر در گریبان۔ گھٹنے پر گردن جھکا، منفعل خاموش بیٹھا۔

شہزادے نے کہا: "مسافر کشی صفتِ شاہی سے بعید ہے۔ ہم تمھارے مہمان تھے، تم نے دعوت کے بدلے، عداوت کی۔ اللہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی۔ عبرت کا

تماشا دکھایا، یہ تخت و سلطنت آپ کو مبارک [رہے]۔ بندہ غریب دیار، کمر باندھے چلنے کو تیار ہے۔ اس لڑائی کا قصہ فسانہ ہو جائے گا، امروز یا فردا یہ مسافر روانہ ہو جائے گا۔"

وہ اس کی فصاحت و بلاغت اور یہ سیر چشمی دیکھ کے حیران ہوا کہ دشمن کو گرفتار کیا، پھر ملک بخش دیا۔ سر جھکا کر یہ کلمہ زبان پر لایا: "بخدائے عزّ و جل لائقِ سلطنت، قابلِ حکومت آپ کی ذاتِ فرخندہ صفات ہے۔"

جانِ عالم نے جواب دیا کہ "آپ یہ اپنی تعریف کرتے ہیں۔ دگر نہ من آنم کہ من دانم۔"

القصہ وہ [تو] مجوب ہو کر رخصت ہوا۔ فوج کو صلح جو ثابت ہوئی، اپنے بادشاہ کے ہمراہ چلی گئی۔ جب یہ جنگ زرگری ہو چکی، مکان پر آ کے بہت تکلف سے دعوت کی۔ اور عذرِ تقصیر کر کے عفو کا امیدوار ہوا۔ شہر میں یہ چرچا ہوا، اہلِ شہر مشتاق ہو، غول کے غول آنے لگے۔ روز باغ کے گرد میلہ رہتا تھا، کسی وقت شہزادہ نہ اکیلا رہتا تھا۔ [شہزادے نے] پھر جاسوس، شتر سوار، ہرکارے فوج کے تجسّس میں بھیجے۔ چالیس منزل پر لشکر ملا۔ جانِ عالم کی مفارقت سے کسی میں جان نہ تھی۔ فرمانِ مہری دیکھ کے [سب نے] جانِ تازہ پائی، مُہر آنکھوں سے لگائی۔ رات دن کوچ کرتی، بیس پچیس دن میں برسم یلغار فوج داخل ہوئی۔ شہزادہ لشکر کو ملاحظہ فرما کے مسرور ہوا، ملال دور ہوا۔ ارکانِ دولت نے ملازمت حاصل کی سب نے نذریں دیں۔ موافقِ قدرِ منزلت، خلعت و انعام خاص و عام کو مرحمت ہوئے، اور رعایا برایا، بازاری [اور] اہلِ حرفہ کو بھی کچھ امداد ہوا۔ فوج کے سرداروں کو خلعت، جواہر نگار شمشیر و سپرِ مرصع کار عنایت کر، دو ماہہ تمام فوج کو انعام میں دیا۔ از سرِ نو لشکر

چمکا دیا۔ دو چار روز دم لیے گئے، پھر وہاں سے کوچ ہوا۔ وہی راہ میں جلسے، اختلاط، فسانے حکایات، عیش و نشاط۔ توتا ہنساتا، رمز و کنایہ کرتا، لطیفے سُناتا، دل بہلاتا جاتا تھا۔ ہر صبح با خاطرِ شگفتہ مثلِ نکہتِ گل کوچ، وہر شام بہ عین فصلِ بہار یہ آسائش مقام، شب و روز بہ راحت و آرام، کبھی کوچ، گاہ مقام کرتے چلے۔

وُرود لشکرِ نصرت آمود بہ پہاڑ جنگل میں جاڑے کی شدت، صحبت شراب کی، نشے کی ترنگ میں خیالاتِ فاسد کا آنا، کج بحثی باہم کی، پھر توتے کا بھاگنا، شہزادے کا پچھتانا

ناگاہ ایک روز گزر موکبِ حشمت و جلال، با فرّ و شوکتِ کمال، ایک صحرائے باغ و بہار، دشتِ لالہ زار، بے ملال، میں ہوا۔ فضائے صحرا قابلِ تحریر، کیفیتِ دشت گلشن آسا، لائقِ تقریر۔ بُو باس ہر برگ و گل کی، رشکِ مُشک اذفر، صفحۂ بیابان معنبر و معطر۔ چشموں کا پانی، صفا میں آبِ گہر سے آبدار تر۔ ذائقے میں بہ از شیر و شکر۔ چلّے کے جاڑے، کڑاکے کی سردی تھی۔ گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی۔ پرند، چرند اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں چھپے ہوئے بیٹھے، بھوک اور پیاس کے صدمے اُٹھاتے تھے۔ دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے۔ قصد سے تھرتھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا۔ دمِ سرد ہر ذی حیات کے مُنھ سے دھواں دھار دُھواں نکلتا تھا۔ آواز کسی کی، کان تک کسی کے کم جاتی تھی، مُنھ سے بات باہر نکلی اور جم جاتی تھی۔ مارِ سیاہ اوس چاٹنے باہر نہ آتا تھا، سردی کے مارے دُم دبا کر پانی میں بھاگ جاتا تھا۔

زمانے کے کاروبار میں خلل تھا، جس کو دیکھا دست در بغل تھا۔ عاشق و معشوق بھی اگر ساتھ سوتے تھے، گھٹنے تھے، مگر گھٹنے پیٹ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اشکِ چشمِ شمع انجمن لگن تک گرتے گرتے اولا تھا، پروانوں نے گرد پھرتے پھرتے ٹولا تھا۔ شعلہ کانپتا تھا، فانوس کے پردے میں منہ ڈھانپتا تھا۔ شمع کا جسم برف تھا، پگھلنے کا کیا حرف تھا۔ ہر سنگ کے سینے میں آگ تھی، گواہ شرعی شرر تھا، پر سردی کو بھی یہ لاگ تھی، اور جاڑے کا ایسا اثر تھا کہ سلیں کی سلیں جمی پڑی تھیں، فولاد سے زیادہ کڑی تھیں۔ تنورِ فلکِ چہارم کی چھاتی سرد تھی، گلخن کی برودت سے کشمیر گرد تھی۔ لنجوں نے شیر پکڑے، لوے لُولوں کے ہاتھ آ گئے۔ لنگڑے ہرن باندھ لائے۔ سرزمینِ ہند میں مُردے نہ جلتے تھے، زندوں کے ہاتھ پاؤں گلتے تھے۔ آتشِ رخسارِ گل شبنم نے بجھائی تھی، باغ میں بھی جاڑے کی دہائی تھی۔ ہوسِ برگ و بار کی عندلیب پر درد نگاری کی دکھاتی تھی۔ مرغِ چمن کاری یک لخت تھراتی تھی۔ دانہ ہائے اشکِ شبنم خواہ اولے، یا پرنے تھے۔ ہر شجر کے برگ و بار میں الماس اور موتیوں کے آویزے تھے۔ عذارِ لالۂ حمرا، رشکِ زعفران تھا۔ طاق شاخیں کہربائی پتے بہار میں رنگِ خزاں تھا۔ اس سردی کا کہیں ٹھکانا تھا۔ حمام و تہ خانے کا خس خانہ تھا۔ آگ پر لوگ جی نثار کرتے تھے، زردشت کا طریق اختیار کرتے تھے۔ یہ سردی کا یہ وفور ہے کہ آج تک ہندوؤں کی سرد مہری مشہور ہے۔ آفتاب عازمِ برجِ حمل تھا۔ آتش پرستوں کا عمل تھا۔ زیست سمندر کی عنوان تھی، آگ میں خلقت کی جان تھی۔ عاشق تو کیا معشوق ٹھنڈی سانس بھرتے تھے، گرمی نہ کرتے تھے۔ دانت سے دانت بجتا تھا، ہونٹ نیلم کو شرماتے تھے۔ پان کے لاکھے میں مستی کی کیفیت دکھاتے تھے۔ عاشق تن پریوں کو ساتھ لے کے سلاتے تھے۔ ان پر بستر کو گرم نہ پاتے تھے۔ عالم اللہ کا جاڑے میں لاہشت تھا، جس کو دیکھا آتش پرست تھا۔

جاڑے سے اس دشت میں ایسا پالا پڑا، تمام لشکر کو تپ لرزے کا عالم تھا، بلکہ ترچھے [خود بخود] اینٹھے جاتے تھے، ڈھال تلوار کھڑکھڑانے کے عوض دانت کڑکڑاتے تھے۔ چنانچہ چقماق پتھر کے لاٹھی سے بے کار ہو گئے [تھے] چاپ کے تیر آگ نہ دیتے تھے، اور توڑے دار کا یہ حال تھا کہ بوجھ کندھا توڑے دیتا تھا۔ قدم اٹھانا محال تھا، توڑا [تو] ہر ایک گُل تھا، طوطی کی جگہ شور بلبل تھا۔ ملائم لوگوں کے حواس جم گئے تھے، جگنو کو چنگاری کے دھوکے میں اٹھانے کو تھم گئے۔ ہوش لوگوں کے ایسے کانپتے تھے کہ کیچڑ کی مٹی کو اوادسمجھ چھونکتے پھونکتے ہانپتے تھے۔ سردی بسکہ کارفرما تھی، ایک کو دوسرے کی تمنا تھی۔ یہاں تک جاڑے کا زور و شور عالمگیر ہوا تھا کہ کرۂ نار زمہریر ہوا تھا۔

[غرض کہ] جانِ عالم نے فرمایا: "آج ہمارا خیمہ یہیں ہو۔" جس دم تمام لشکر نے اپنی اپنی جا پر قیام کیا، خود متوجہ سامانِ عیش و نشاط ہوا۔ ملکہ اور انجمن آرا سی پری پیکر محبوب تو تھا مصاحب بے بدل مرغوب۔ دورِ شراب [ناب] گردش میں آیا۔ الاکشی شراب کی [نہ] بط سا چلتی تھی، نہ کباب بھنتے تھے۔ نہ آگ جلتی تھی۔ شراب کا گلاس، برف کی قلفی کو شرماتا تھا۔ قطرہ مے اس میں گرتے ہی جم جاتا تھا۔ مینائے بے زبان کے منھ پر روئی تھی، ایسی سردی ہوئی تھی۔ گلا بیٹھا تھا جب بہت غُل کرتی تھی تب قلقل کرتی تھی۔ لب ساغر خشک، جسم پر پسینا تھا، پانی کا پیالہ قدحِ آبگینہ تھا۔ جاڑے کا ہر طرف لشکر میں شور و غل تھا۔ بازار میں روئی کا لین دین بالکل تھا۔

جب دورِ آفتاب ماہ جبینوں میں چکا، عالم سرور میں [نشے کے دفور میں] جانِ عالم کو خیال نزدیک و دور آیا، دل میں سوچا کہ اتنے عرصۂ دراز، زمانۂ دیر باز تک ملکہ [مہر نگار] اور انجمن آرا کو ہم سے [تو] فرقت [رہی اور] غیروں

سے قربت رہی۔ رنڈی کا اعتبار کیا ہے' یہ قوم قدیم سے بے وفا ہے۔ فردوسی سے

اگر نیک بودے سرانجام زن

زناں را زن نام بودے نہ زن

یہ نشیب فراز جو ذہن میں آیا' [با ہم] جلی کٹی ہونے لگی' کج بحثی صحبت کا لطف کھونے لگی۔ وہ سبز پوش خانہ پرورش' موقع شناس' مزاج داں' دل سوز' ادب آموز' بے زباں' بلبلِ ہزار داستاں' دل کا حال جانتا تھا' اڑتی چڑیا پہچانتا تھا۔ سمجھا جانِ عالم کی طبیعت کبیدہ ہوئی' قریب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ایسی گفتگو آغاز ہو' جس کا انجام یہ صحبت درہم برہم کرے۔ بات کو کاٹ طبیعت کو اچاٹ کہنے لگا۔ "شہزادہ [عالم]! نشہ اس کیفیت سے حرام ہے کہ اس کی ترقی میں عقل کو تنزل [ہوتا] ہے۔ خیالِ [بیہودہ] لاطائل آتے ہیں' احسان بھول جاتے ہیں۔ فقط گمانِ بے جا اور خیال وہ بھی نشے کے حال کا' اس پر حقِ خدمت [ناحق] بھول جانا' روکھی صورت بنانا' تیوری بگڑ جانا آدمیت سے بعید ہے۔ ایک ساعت ادھر مخاطب ہو [جیسے] اس مدتِ مفارقت میں [بہت سے] سانحے دیکھے' افسانے اپنے بیگانے کے سنے' اگر بگوشِ ہوش کچھ انھیں سنیے تو یہ تخیلاتِ فاسد دور ہوں۔"

شہزادے نے فرمایا۔ "ایسی بات اس وقت واجبات سے ہے جلد بیان کرو۔"

توتے کا بیان کرنا قصۂ شاہِ قومِ بنی اسرائیل' قاضی کا بھاوج پر فریفتہ ہونا' دین و ایمان کھونا' پھر سنگسار کرنا' عورت کی بادیہ گردی' پھر اسی شہر میں آنا

طوطے کا بیان کرنا قصہ شاہِ قوم بنی اسرائیل، قاضی کا بھاوج پر فریفتہ ہونا۔ دین و ایمان کھونا، پھر سنگسار کرنا، عورت کی بادیہ گردی، پھر اُسی شہر میں آنا

طوطا کہنے لگا: جناب امام جعفر صادق علیہ [الصلوٰۃُ وَ] السلام سے منقول ہے کہ [قوم] بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا۔ [متدین] نیک طینت، با تقا، سخی، شجاع، عابد و پارسا۔ اس کے عہد دولت میں دو بھائی تھے۔ ایک تو قاضی شہر کا، دوسرا مفتی۔ بظاہر مردِ مسلمان، صاحبِ ایمان۔ مفتی کی بی بی نہایت شکیلہ، بہت جمیلہ تھی۔ اتفاقاً بضرورت مفتی کو بادشاہ نے کہیں دو چار منزل بھیجا۔ وہ اپنی عورت دمِ رخصت، بھائی کو سونپ گیا۔ قاضی گاہ گاہ خبر کو اس عورت کے پاس جاتا تھا۔ پردہ اسی واسطے خوب ہوتا ہے، [کس واسطے کہ یہ جنا دنیا کا قصہ بکھیڑا ہے، سب آنکھوں سے دیکھا سنا ہے،] وہ تو بدرجہ حسین تھی، [شیطان نے ورغلایا] قاضی کی آنکھ پڑی، فریفتہ ہوا۔ چند روز میں والہ، طبیعت حد سے فزوں، بلکہ قریب جنون ہوا۔ مگر وہ عورت جتنی خوبصورت تھی، اس سے زیادہ عفت و عصمت رکھتی تھی۔ ایسا حسن، کم اتفاق سے ہوتا ہے۔ قاضی نے ایک روز اُس سے سوالِ وصال کیا، اُس نے اس امرِ بد سے از حد انکار کیا۔ خوشامد کا کچھ نہ خیال کیا۔ قاضی سمجھا یہ راضی نہ ہوگی، اور نہ ہوگی خفت میں دو اندیشے ہوئے۔ ایک تو محرومیِ وصال، دوسرے افشائے راز کا خیال۔ گھبرا کر بادشاہ سے عرض کی۔ دمِ رخصت میرا بھائی، جو چھوڑ کر مجھے سونپ گیا تھا، اس فاحشہ نے اُس کی غیبت میں زنا کیا۔ مجھے ثبوت کامل ہو

بادشاہ نے مردِ متشرع سمجھ، صاحبِ زہد و ورع جان کر اختیار دیا۔ قاضی نے پھر اسے تنہا لے جا کے سمجھایا کہ: "اب تک خیر ہے۔ مجھ سے راضی ہو، نہیں تو بڑا شر ہوگا۔ [اے] تو تیری جان کا [ا]ضرر ہوگا۔ دل پر [اپنے] جبر اختیار کروں گا، تجھے سنگسار کروں گا۔"

وہ عورت شیر صفت، اس کی گیدڑ بھبکی سے نہ ڈری، مرگ پر راضی ہوئی۔ [لیکن] اس کم بخت شہوت پرست نے شہر کے باہر لے جا، اس کو سنگسار کیا۔ خلقِ خدا عبرت کناں، خائف و لرزاں اپنے اپنے گھر پھری۔ وہاں حافظِ حقیقی نے شیشۂ حیات اس نیک صفات کا "سنگِ ستمِ قاضی" سے بچا لیا۔ ٹھیس نہ لگی۔ خواہش بیجا میں ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ شب کو [وہ] عورت پتھر سر کا، ایک سمت پیادہ پا روانہ ہوئی۔ جنگل میں ایک دیرانی [رہتا] تھا۔ مردِ خدا پرست بستی کو چھوڑ، اہلِ دنیا سے منہ موڑ، دشت بسایا تھا۔ [گھر بنایا تھا]۔ یہ [عورت] جب وہاں پہنچی، اس [مرد] حق پرست نے اُس کی غریب الوطنی پر رحم کھایا۔ لڑکا اُس کا خورد سال تھا۔ اُس کی خبر گیری کے واسطے اپنے پاس رکھا۔ اس دیرانی کا ایک غلام سخت نطفۂ حرام تھا۔ بد ذات، گیدی، مثل مشہور ہے: "لَا خَیْرَ فِی عَبِیْدِکُم"[1]۔ اُس زنِ جوان دیکھ کے عاشق ہوا۔ بہت چاپلوسی کی، وہ ڈھب پر نہ چڑھی۔ اُس شقی نے دیرانی کا لڑکا ذبح کر [کے] اتہامِ [قتل] اُس عورت پر کی۔ اولاد کی محبت مشہور ہے۔ امیر ہو یا فقیر اس میں مجبور ہے۔ دیرانی کو بہ شدتِ رنج [و ملال] ہوا، لیکن وہ صابر و شاکر تھا، عورت سے کچھ نہ کہا؛ بجز "رَضِیْنَا بِالْقَضَاءِ"[2]۔ اور

---

[1] میرے غلام میں کوئی بھلائی نہیں۔

[2] قضائے الٰہی (خدا کے فیصلے) پر ہم راضی ہیں۔

بیس دینار، زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔

وہ بے چاری مصیبت کی ماری پھر چل نکلی۔ ایک شہر میں وارد ہوئی۔ بازار میں بھیڑ دیکھی۔ شور و غل برپا تھا اور ایک شخص کو غل و زنجیر میں پھنسا، کشاں کشاں لوگ لیے جاتے تھے۔

عورت نے پوچھا۔ "اس سے کون سا جرم قبیح سرزد ہوا جو ایسی آفت میں مبتلا کیا۔"؟

لوگوں نے کہا۔ "یہ بیس دینار کا قرضدار ہے۔ ادا کی طاقت نہیں۔ اس کے بدلے یہاں کے سردار نے دار کا حکم دیا ہے۔"

عورت کو رحم آیا، وہی دینار دِرافی کے دیئے حوالے کیے۔ اُس کو قید سے رہائی ملی۔ وہ مکّار، بدباطن عیار تھا۔ رنڈی جو خوبصورت دیکھی، جی بھر آیا۔ [پاس آیا] کہا۔ "تو تو میری محسنہ ہے۔ میں تیرے ہمراہ رہوں گا، خدمت گزاری کروں گا۔" اس حیلے سے ساتھ ہوا۔ کچھ دُور شہر سے نکلی تھی، راہ میں دریا ملا، یہ مدّت سے نہائی نہ تھی۔ کپڑے بھی کثیف ہو گئے تھے۔ دریا میں کپڑے دھو کے نہانے لگی۔

ناگہاں ایک سمت سے دو جہاز وہاں آئے۔ اہلِ جہاز نے دیکھا کہ عورت ماہ طلعت ہے۔ اسی حرام زادے سے حال پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

اُس نے اپنی لونڈی بتایا، [قیمت کی گفتگو ہوئی] مول تول درمیان آیا۔ غرض کہ مبلغ کثیر پر بیچ کر کسی بہانے سے جہاز پر چڑھا دیا۔ روپے لے کے چل نکلا۔ وہ دو سوداگر تھے۔ دونوں اس پر مائل ہوئے۔ قصّے فساد حائل ہوئے۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ بالفعل مال کے جہاز پر یہ رہے۔ جب اسباب بک چکے، اس وقت [یہ] عورت جسے قبول کرے، وہ لذت حصول کرے۔ پھر جہاز روانہ ہوئے۔

ایک روز آندھی چلی، طوفان آیا۔ جس جہاز پر سوداگر تھے وہ تو ڈوب گیا۔ مال کا جہاز اور یہ جانباز سلامت رہی، [الگ ہوئی] چند عرصے میں [وہ] جہاز اُسی شہر میں وارد ہوا، جہاں سے یہ سنگسار ہو کر نکلی تھی۔

دو کلمے یہ سُنیے، جس شخص نے اس کو بچایا تھا، کسی تقریب سے وہ وہاں کے بادشاہ کا بخشی ہوا۔ اور دیراتی کا غلام، بہ مددِ ایام پایۂ وزارت پا گیا۔ اور مُفتی صاحب، سفر سے پھر کے مفت جورو کے الم میں مُبتلا تھے۔

جس دن جہاز اس شہر میں پہنچا، وہاں کے پیمبر کو حکمِ الٰہی آیا کہ " ہمارا ایک بندۂ خاص جہاز پر آیا ہے۔ یہاں کا بادشاہ، [اپنے] وزیر، اور بخشی کو مع قاضی و مفتی ہمراہ لے کے اس کے رو بہ رو جائے اور اس سال [میں] جو جو گناہ ان سب سے عمداً یا سہواً سرزد ہوئے ہوں وہاں جا کے بیان کریں۔ جو وہ خطا معاف کرے تو ہم بھی درگزریں۔ وگرنہ بلائے آسمانی، آفتِ ناگہانی اس زمین پر نازل ہوگی۔"

پیمبر نے [یہ حال] بادشاہ سے کہا۔ " وہ سب کو ساتھ لے کر [اور نبی کو گواہ بنا کر] جہاز پر پہنچا۔

عورت پردہ چھوڑ کر آ بیٹھی۔ تقریر شروع ہوئی۔ پہلے بادشاہ نے فرمایا کہ " میں سیہ کار، سراپا گنہگار، معصیت کا پُتلا ہوں، مگر تازہ خدشہ یہ واقع ہوا ہے کہ قاضی کے کہنے سے مُفتی کی جورو کو بے تحقیقات رجم کا حکم دیا ہے۔"

عورت بولی۔ " غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ[1] " یعنی بخشے خدا تجھے۔"

پھر مُفتی نے کہا۔ " مجھے بھی اپنی عورت کی طرف سے گمان بد ہے۔"

---

[1] خدا تمہاری مغفرت کرے۔

وہ بولی: "تو ابھی چپ رہ بیٹھ جا۔"

پھر قاضی نے بیان کیا۔ "مجھ سے بدولتِ نفسِ امّارہ یہ حرکتِ ناکارہ ہوئی کہ بے جُرم و گُناہ ایک بے گناہ [عورت] کو سنگسار کیا۔"

اس نے کہا۔ "اللہ تیری مغفرت کرے۔"

بعد اس کے وزیرزادہ ویرانی کا غلام آیا، ندامت سے سر جھکایا۔ پھر کہا۔ "بندے سے باتحریکِ شیطان اور جوشِ شہوت یہ جُرم قبیح ہوا کہ غلام نے آقا کا لڑکا مار ڈالا، اور بوجھ اپنا صاحبِ عصمت بے قصور عورت پر ڈالا۔"

وہ بولی: "غفور الرحیم تجھ پر رحم کرے۔ [گناہ بخش دے۔]"

جب بخشی آیا، اور بچنے کا ماجرا زبان پر لایا۔ عورت نے کہا "تو محسن کُش ہے۔ تجھے خدا نہ بخشے گا۔"

الغرض بخشی کی جان بخشی نہ ہوئی۔ پھر وہ پردہ اُٹھا کے باہر آئی، مُفتی سے کہا۔ "تو نے مجھے پہچانا؟ یہ سب قصّہ میری عفّت کا فسانہ ہے۔ آج تک خدا کی حفظ و عنایت سے عزّت و آبرو بچی، اب خُلع کی امیدوار ہوں۔ یہ مال و متاع اپنے صرف میں لا۔ میں تنہا گوشۂ عزلت میں بیٹھ کے عبادتِ [معبود] کروں گی اسی شغل میں جان دوں گی۔"

یہ ماجرا دیکھ کے حاضرینِ صحبت، ناظرینِ جلسہ تھرّائے، بادشاہ سلامت مُنفعل [ہو کے] گھر آئے۔ وہ عورت تو حجرہ بنا [کے] اطاعتِ یزداں میں مشغول ہوئی۔ دولتِ کونین حصول ہوئی۔

توتا یہ قصّہ تمام کر کے بولا۔ "اے [شہزادہ] جانِ عالم جو لوگ ثابت قدم ہیں، ان کا ہر وقت اللہ یار ہے، ہر بحرِ بے کنار سے ان کا بیڑا پار ہے۔ بیت

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

یہ نقل سُن کے جانِ عالم کا نشہ ہرن ہوا۔ دونوں کی مشقت اور ایذا اٹھانی، خانہ ویرانی، بادیہ پیمائی یاد آئی۔ خوفِ خدا سے مثلِ بید کانپا، ندامت سے عُذر کیا کہ حالتِ نشہ میں قصور ہوا، جھک مارا قصور ہوا خدشہ دُور ہوا۔ پھر
ہنسی خوشی وہاں سے کوچ ہوا۔

یہ خاتمۂ داستان ہے

اور وطن پہنچنا شہزادہ جانِ عالم کا، زیارتِ والدین اور نوک چوک ماہ طلعت کی، توتے سے ملکہ اور انجمن آرا کا دل بہلانا، پھر وزیرزادے کا قتل، سلطنت ترک کرنا فیروز بخت کا۔

[ابیات]

چل اے توسنِ خامہ منزل رساں
کہ اب گھر پہنچتا ہے یہ کارواں
پھرا گھر کو شہزادۂ خوش سیر
جھگڑے کا عالم بہت کر و فر
وہ اس طرح پہنچا وطن کی طرف
بہار آئے جیسے چمن کی طرف
بڑی فکر رہتی تھی یہ صبح و شام
ہوئی فضلِ حق سے کہانی تمام
وہ بچھڑے تو سب ہو گئے ایک جا

ہوئے اپنے مطلوب سے ہم جدا
رہی شرحِ جورِ فلک ناتمام
سرودِ حزیں توسنِ خامہ تھام

غرض کہ شہ زادۂ جانِ عالم منزل بہ منزل مسافت طے کر [کے با مع الخیر] وطن پہنچا۔ دو کوس شہر سے باہر خیامِ ذوی الاحترام استادہ ہوئے۔ لشکرِ ظفر پیکر نے مقام کیا۔ یہ خبر فسحت آباد میں گھر گھر مشہور ہوئی کہ کوئی غنیم [بے خوف و بیم] فوجِ عظیم لے کے وارد ہوا ہے۔ دیکھیے ہوتا کیا ہے۔ شہر کا یہ نقشہ تھا، جس روز سے جانِ عالم مفقود الخبر، دربدر ہوا تھا، سنسان، ویران، بے چراغ ہو رہا تھا۔ بادشاہ گریبان چاک، سر بر خاک، نہ تخت کی خبر، نہ سلطنت سے سروکار، نہ ملک سے مطلب، نہ دربار سے غرض۔ دیوانہ وار بہ دلِ بے قرار محل میں پڑا رہتا تھا، اور شہ زادے کی ماں بھی غمگین، اندوہناک، بے چین، دن رات غم کی حکایت، اندوہ کے بین، نصیب کی شکایت، لب پر شور و شین، خلشِ نشترِ غم سے کوئی ساعت قرار نہ پاتی تھی، ہر وقت بلبلاتی تھی۔ یہاں تک دوری و لبند مہجوری فرزند میں دونوں روئے کہ آنکھیں ان عزیزوں کی، یوسفِ گم گشتہ کے فراق میں، دید کے اشتیاق میں، ہم چشم دیدۂ یعقوب علیہ السلام ہو گئیں تھیں۔ بہ حکم آیۂ وافی ہدایہ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ[1] [اور] سچ ہے فراقِ نورِ چشم میں نورِ چشم کب رہتا ہے۔ رات دن آنکھوں میں یکساں، ہر وقت

---

[1] پارہ ۱۳۔ سورۂ یوسف ع ۱۰۔ آیت ۸۴
اس قدر روئے کہ اُن کی آنکھیں صدمے سے سفید ہو گئیں۔ وہ تو رنج کے بڑے ضابط تھے۔

سراسیمہ و پریشاں، مگر ارکانِ سلطنت، نمک خوارِ قدیم، کوششِ عظیم سے در پردہ ریاست کا تمام سنبھالے تھے۔

جب ورودِ لشکر، بہ ایں عظمت و کرّ و فرّ سنا، تو وزیر اعظم، کو جانِ عالم کے پاس دریافتِ حال کو بھیجا۔ لیکہ شہزادہ باامتیاز کی مفارقت کو عرصۂ دراز ہوا تھا۔ اس کے سوا وہ سامانِ جاہ و حشم، لشکر کا چم و خم! فوج ہزار در ہزار، انبوہ بے شمار، خزانہ لا انتہا دیکھ کے وزیر گھبرایا۔ اپنے شہزادے کا وہم و گمان نہ آیا۔ دست بستہ عرض کی۔ "قبلۂ عالم! گردشِ طالع واژوں، نیرنگیِ گردونِ دوں سے وارثِ تختِ سلطنت یہاں کا دفعتاً گم ہو گیا۔ بادشاہ آسمان جاہ، ہمارا مصیبت کا مارا جگر گوشے کی مفارقت میں دامانِ صبر و گریبانِ شکیب پارہ پارہ کر آئے ناتو نظر بھی، اُس اپنے قرۃ العین، طاقتِ البصر کے ہجر میں، نذرِ گریہ کر چکا ہے۔ [زیست بنام ہے، مر چکا ہے]۔ ہنوز اُس عین الکمال کے قدم کی خاک، سُرمۂ چشم مشتاقان نہ کحل الجواہرِ دیدۂ منتظر نہیں ہوئی۔ بعد [رسم] سلام، حضور کو یہ پیام بھیجا ہے کہ اگر خواہشِ تخت یا تمنائے تاج منظورِ خاطر ہے، بسم اللہ، کل نہیں، آج حاضر ہے۔ مگر سامانِ جنگ و جدال، گرم بازاریِ عرصۂ قتال، خوں ریزیِ بندہ ہائے خدا ناحق ناروا ہے۔ مجھے [یہ] تختِ سلطنت، تختۂ تابوت سے بدتر ہے۔ الا معاملہ قضا و قدر سے مجبور، فردِ بشر ہے۔ ہر چند جلنے سے جی سخت بیزار ہے، لیکن مر جانے کا کسے اختیار ہے!"

شعر

مرنے کو میں تو راضی ہوں، موت کو موت آگئی

زندگی اب گلے پڑی، اس کی میں کیا دوا کروں

شرحِ سخت جانی موجبِ پریشانی، گوشِ حق نیوشِ جان کے طول کو مختصر کیا۔ جانِ عالم نے یہ سُن کے رو دیا، وزیر کو گلے سے لگایا، خلعتِ فاخرہ عنایت کر کے فرمایا۔

"افسوس! تم نے گود کے پالے، عرصۂ قلیل میں بھلا ڈالے۔ بعدِ آداب و کورنش عرض کرتا کہ بدولتِ الفتِ پدری و تاثیرِ دعائے سحری یہ خانہ زاد بامراد، زندہ و سالم، شرفِ آستاں بوس سے مشرف ہوا۔"

اُس وقت وزیر نے پہچانا۔ قدموں پر گرا، پھر سر اُٹھا کے بے اجازت بھاگا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کے پکارا۔ "مبارک ہو۔" اُستاد

ع
بوئے یوسف سوئے پیغمبر کنعاں آئی

"اے شاہِ باقبال، واے صاحبِ جاہ و جلال، بہ عنایتِ جامع المتفرقین اور باعثِ برکت دعائے مہاجرین، وہ نیّر اوجِ بختیاری، کوکبِ درخشندۂ سپہر شہریاری، با فوج و لشکر اور مجمعِ حورانِ پری پیکر یہاں آیا اور اس اُجڑے نگر کو آباد کیا۔ مشتاقوں کا دلِ الم رسیدہ شاد کیا۔ شکر صد شکر ہے، نالۂ شب گیر باتاثیر تھا۔"

بادشاہ کو تو مرتبۂ یاس حاصل تھا، وزیر سے یہ کلمہ فرمایا۔ میر تقی [میر]

شعر
کوئی اور ہو گی وقتِ سحر جو مستجاب
شرمندۂ اثر تو ہماری دعا نہیں

وزیر نے مکرّر عرض کی۔ "بسرِ حضور، شب دیجور، ہمارے یُمنِ قدم سے اس شمعِ انجمن افروز [بزم] سلطانی کی روشن ہوئی۔ [ہر گلی اس شہرِ ویران کی پھر رشکِ گلشن ہوئی۔"]

اس گفتگو میں وزیر تھا کہ جانِ عالم تنہا داخل ہوا۔ محل میں محشر کا قیام ہوا، رونا پیٹنا مچا، رنڈیوں کا ازدحام ہوا۔ ماں باپ نے گلے سے لگایا۔ شہزادہ بالرّاس و العین آداب بجا لایا۔

عینِ عنایتِ الٰہی دیکھیے، اُسی دم دونوں کی آنکھوں میں بینائی آئی، جسم

میں تاب توانائی آئی۔ بادشاہ فوراً سوار ہوا۔ بھووں سے لشکر میں جاکر دو چار ہوا۔ شہر والوں نے [یہ ماجرا] سُنا۔ صغیر و کبیر، [امیر و فقیر] برنا و پیر، دوڑے۔ دونوں لشکر جلو میں ہمراہ، آگے آگے جہاں پناہ۔ اشرفی روپیہ دو روپیہ تصدق ہوتا [اس صورت سے انجمن آرا اور ملکۂ مہر نگار کو] محلسرا میں لاکے اُتارا۔

جانِ عالم کی ماں نے جو دیکھا، جان و دل دونوں پر نثار کیا۔ بہت سا پیار کیا۔ مُبارک سلامت کی صدا، در و دیوار سے پیدا ہوئی، جس نے اُن کو دیکھا [وہ] شیدا ہوئی۔

دوسرے دن ملکہ اور انجمن آرا نے شاہِ فیروز بخت سے عرض کی کہ "اگر حضرت اجازت ہو تو ہم شہزادے کی محلسرائے قدیم میں جائیں، ماہ طلعت سے مُلاقات کر آئیں۔

بادشاہ نے فرمایا: "وہ عورت بد بخت، سخت مُنہ پھٹ، بڑھ بولی فضول ہے، اُسے شرمندہ کرنے سے کیا حُصول ہے۔"

میاں مٹھو بھی حاضر تھے، بول اُٹھے: "قبلۂ عالم! یگانگت مقتضیِ مُلاقات ہے۔ [باہم رہ و رسم بڑھے گی، مُدارات ہوگی]۔ ذلت و خفت کی کون سی بات ہوگی۔

بادشاہ چُپ ہو رہا۔ شہزادیوں نے سواری طلب کی۔ طائرِ پّران نے پیش قدمی کرکے، ماہ طلعت کو سلام کیا۔ اُس نے سر جُھکا لیا۔ یکایک سواریاں آپہنچیں اُس وقت وہ خِفّت کی ماری اُٹھی، استقبال کیا۔ دونوں نے گلے سے لگا لیا۔ مسند پر جا بیٹھیں۔ ملکہ بڑی مقرِّرہ، خوش بیان تھی۔ انجمن آرا اتنی طرّار کہاں تھی؛ [نہ ہی بے زبان تھی نا]۔ سلسلۂ کلام بہ دلداری تمام کھولا کہ: "ہماری جانب اور گمان نہ لاتا، ہم بہرحال شریک بشاشت اور مونسِ رنج و ملال ہیں۔"

توتا انجمن آرا کے پاس آیا۔ پھر ماہ طلعت سے کہا: "حضرت سلامت! اتنا زبان مبارک سے فرماؤ کہ آج سچا کون ہوا، جھوٹے کے منھ کیا ہے۔ اور تو کیا کہوں، آپ کی کج بحثی کے باعث جان عالم کے ہاتھ، یہ لوگ مہرجبین، ماہ سیما آئے، گو اتنا جھگڑا ہوا۔ میرے سبب سے آپ کو ندامت ہوئی۔

جھوٹے کے منھ میں گھی شکر ہوا"

انجمن آرا تو سیدھی بھولی تھی، توتے سے بدمزہ ہوئی۔ فرمایا۔ "دیوانے کیا بیہودہ بکتا ہے۔ [بے حکم خدا کچھ نہیں ہو سکتا ہے"]۔

پھر ماہ طلعت سے کہا۔ "سنو میری جان: یہ جانور بے شعور، عقل سے دور، حیوانیت سے مجبور ہے۔ دنیا کا کارخانہ فسانہ ہے۔ رہا یہ حسن و خوبی عارض، [وہ] عارضی [شے] ہے، اس پر کیا اتراتا ہے۔ یہ کیفیت، یہ جوبن، یہ سن، چار دن کا ہے۔ ناپائیدار اس کا کیا اعتبار۔ رنگ حسن دنیا جاوداں نہیں، کون سی بہار ہے جسے [دغدغۂ] خزاں نہیں۔ حسن پر غرور بے جا ہے، سرور یہ کہتا ہے۔ شعر

بہتا دریا ہے یہ حسن، اس میں ارے دھوئے ہاتھ
بے خبر اتنا ہے کیوں، بر سر ساحل بیٹھا

[قولہ تبارک و تعالیٰ]، کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔[ہ]

نظم

ہ پارہ ۲۷، سورۂ رحمٰن۔ آیت ۲۷، سورہ ۵۵
جو (مخلوق) زمین پر ہے سب فنا ہونے والی ہے اور صرف تمھارے پروردگار کی ذات جو عظمت اور کرامت والی ہے باقی رہے گی۔

نظر پڑا چمنِ دہر میں جو ہم کو مکاں
ہزار خوار ہوئی، دیکھی بلبلِ نالاں
ہمارے زعم میں اس سا نہیں کوئی نادان
جو اپنے حسنِ دو روزہ پہ کچھ ہوا نازاں
شکستہ رنگیِ گل شاہدِ چمن ہے یہاں
کہ اس بہار کا انجام آخرش ہے خزاں
گھمنڈ اس پر حماقت کی بس نشانی ہے
مقامِ عبرت و حسرت سرائے فانی ہے

آخر کار دونوں نے ماہ طلعت کو شیریں زبانی اور اپنی خوش بیانی سے شگفتہ خاطر [و خندہ رو] کیا۔ [معاملہ یکسو کیا]۔ دو چار گھڑی ہنسی خوشی اختلاط رہا۔ مگر توتا نوک چوک چھیڑ چھاڑ کیے گیا۔ پھر رخصت ہوئیں، اس نے حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ واقعی جنھیں اللہ تعالیٰ [حسنِ بے مثال، مرتبہ جاہ و جلال دیتا ہے، ان لوگوں کا دل صفا منزل غبارِ کلفت اور عُجب و نخوت سے صاف اور مرآت سینہ، زنگِ حسد و کینہ سے شفاف ہوتا ہے۔

القصہ باہم بے رنج و الم رہنے لگے۔ شب شاد، ہر روز خنداں، خُرم و فرحاں بسر کرنے لگے۔ نئے سر سے وہ اُجڑا ہوا شہر بسا۔ بنائے ظلم و ستم منہدم ہوئی۔ مروج عدل و داد ہوا۔ دونا سابق سے حال میں آباد ہوا۔ خزاں [ہر ایک] چمن سے دُور ہوئی، بلبلِ نالاں [چہچہے کرنے لگی] مسرور ہوئی۔

ایک روز جانِ عالم نے تمام خلقت کو در شہر پناہ پر طلب کر کے، وہ بکری کا بچہ دکھایا، اُس کی نمک حرامی کا دفتر سُنایا۔ پھر جلاد کو حکم کیا۔ "اس کے اعضا اعضا سے جُدا پے دست و پا کر کے، زاغ و زغن کو گوشت کی بوٹیاں اڑا اڑا

کے کھلا دو، اور شکاری کتوں کو لہو اس کا بہا کے چٹا دو۔"

بمجرد ارشاد سَر اُس بد نہاد کا تیغِ جلّاد سے جُدا ہو گیا۔ ایک عالم یہ سانحہ سُن کے حیرت کا مُبتلا ہو گیا۔ سب نے اس بے دین پر لعنت و نفرین کی۔ جانِ عالم نے دولت سرا کی راہ لی۔

اُسی روز شاہ فیروز بخت نے تاج و تخت بیٹے کو حوالے کیا، خود گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ بادشاہ [تو] ہمہ شب اپنی عبادت اور بیداری میں سحر کرتا تھا۔ وہ تو قائم اللیل، صائم النہار مشہور ہوا۔ جانِ عالم ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہو، عدل کی داد دے کے، شب کو پری پیکروں میں بسر کرتا تھا۔ یہ عادل، سخی، رحیم، شجاع، یکتائے روزگار مشہور ہوا، ذکر دونوں کا تا قیامِ قیامت، صفحۂ روزگار، ورقِ لیل و نہار پر، اور بر زبان یگانہ و بیگانہ رہا۔ بات باقی رہ گئی نہیں تو دورِ دوراں میں کس کا دور رہا۔ اور کس کا زمانہ رہا۔ بااسباب ظاہر یہ فسانہ ہے، نادرِ زمانہ ہے۔ مضمون چکیدۂ دل و تحریر خامہ ہے۔ اگر بدیدہ غور اور نظرِ تامّل سے ملاحظہ کرو، تو حقیقت میں کارنامہ ہے۔

ع گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

غرض کہ جس طرح جانِ عالم کے مطلب ملے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کُل عالم کی مُراد اور تمنائے دلی دے۔ علی الخصوص سامعین، ناظرین، راقم و مؤلف کی خواہش و آرزو بہ تصدق رسُول عربی بر آئے۔ بِحُرمَةِ النَّبِیِّ وَآلِہِ الاَمجادِ بِالنُّونِ وَالصّادِ [1]

---

[1] نبیؐ اور اس کی آل امجاد کی حرمت کا واسطہ اور نون (سورۂ نون پارہ ۲۹ سورہ ۶۸۔ آیت ۱) و صاد (سورۂ صاد پارہ ۲۳ سورہ ۳۸۔ آیت ۱۔) کا واسطہ

چند شعر عبرت آمیز:

گلزارِ جہاں کے ہم نے بہ غور دیکھا
اک رنگ پر نہیں ہے رنگین اس کا نقشا

کیا بے ثبات ہی سے دلچسپ یہ مکاں ہے
ہے فصلِ گل کبھی تو، گہہ موسم خزاں ہے

رونق چمن میں شبنم ہنسنے سے ہے گلوں کے
نالے سے بلبلوں کے، جو گل ہے شادماں ہے

دیکھا بہ چشمِ عبرت ہم نے طلسمِ دنیا
رشکِ حباب و شبنم واللہ بے گماں ہے

پابندیاں نہ ہووے جس کو کہ عقل کچھ ہو
دنیا ہے نام جس کا وہ قحبۂ جہاں ہے

آتی صدا جرس سے کانوں میں ہے یہ پیہم
غافل عبث ہو رہ میں یاروں کا کارواں ہے

از بہرِ پنجتن تو سن لے دعا یہ خالق
جو ہے نہاں جہاں میں تجھ پر وہ سب عیاں ہے

اہل و دول کا مجھ کو محتاج تو نہ کرنا
احساں کا بار ان کا مجھ کو بہت گراں ہے

کعبہ بھی کربلا بھی دکھلا سرور کو تو
وہ مدعائے دل ہے یہ آرزوئے جاں ہے

تاریخ سرور

جس نے کہ سُنا اس کو یہ کہنے لگا دل میں
یا رب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا
تاریخ سرورؔ اس کی منظور ہوئی جس دم
بے ساختہ جی بولا نشتر ہے رگِ دل کا

۱۲۴۰ھ

جب یہ کہانی تمام ہوئی اور بطریقِ اصلاح جناب قبلہ و کعبہ مخدوم و مکرم آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی صاحب کی نظر فیض اثر سے گزری بعدِ اصلاح، شاگرد نوازی، قطعہ تاریخ سے زینت بخشی۔ قطعہ استاد

برائے خاطرِ یاران و احباب
سرورؔ ایں قصہ را چوں کرد ایجاد
بجُستم سالِ تاریخش نوازشؔ
فلک ایں گلستانِ بے خزاں داد

۱۲۴۰ھ

یہ فسانہ رائج جو ہوا، بندے کے دوست تھے، نیک سیرت ستودہ صفات و افعال اکمل، بر کمال، تعلق زہر سے مثلِ سروِ آزاد، لالہ درگاہ پرشاد، ہنر میں عیب پوش، تخلص مدہوش خُمِ محبت سے مے اُلفت جوش میں آئی، اُنھوں نے عجب تاریخ متانہ زیبِ فسانہ فرمائی۔ یہ تو بہ طریقِ یادگار، تاریخ تصنیف باقی رہ گئی، وہ یہ سرائے سراسر پوچ سے کوچ کر گئے۔

قطعۂ تاریخ مدہوش

کہا فسانہ جو یہ عجائب، سُرور دل خستہ و حزیں نے
کہ جس کی تاثیر سے بیاں کی، ہر ایک دل بیقرار دیکھا
جہاں پہ کچھ گل کی گفتگو ہے، وہاں پہ کچھ اور رنگ و بو ہے
جہاں خزاں کی خلش ہے اس میں وہاں پہ کیا کیا نہ خار دیکھا
جہاں کیا غم نے بے جگر خوں، نظر پڑا واں شفق کا عالم
کہیں جو ہے داغ دل کا پھولا، تو اُس جگہ لالہ زار دیکھا
کہیں جو چشمے کا ماجرا ہے، دکھائی وہ آب و تاب کس نے
کہ چشمہ چشم سے ہر اک کے رواں ہوا چشمہ سار دیکھا
کہیں جو دریا کا ذکر آیا، تو کشتیِ دل ہے نذرِ طوفاں
جو کوہ نے سر کہیں اُٹھایا، تو جان کو سنگسار دیکھا
ہوا ہے جس جس جگہ پر اس میں بیانِ سحر و طلسم و جادو
تو قدرتِ حق سے اس مکاں پر نئی طرح کا حصار دیکھا
جو قید میں دیو کی پھنسا ہے کسی جگہ پر کوئی پری رو
تو کیا نہ سامان چھوٹنے کا واں پہ بروئے کار دیکھا
جہاں لکھا اُس فسانہ پیرا نے حال کچھ رنج و بیکسی کا
وہاں پہ ہمدم نہ کوئی پایا، نہ کوئی مونس نہ یار دیکھا
کسی جگہ پر جو جوگ آسن کا، جوگیوں کے بیاں ہے اس میں
جو خوب چھانا تو اس جگہ کچھ نہ غیر مُشتِ غبار دیکھا

کہیں جو آمد کی یار کے کچھ خبر کا چرچا کیا ہے اُس نے
تو دیدہ ہر اہلِ دید کا واں پہ وقفِ صد انتظار دیکھا
شگفتگی بیاں کے آگے تو زرد ہے رنگ زعفراں کا
جہاں ہے کچھ رُوپ بستگی کا، وہاں پہ دل کو فشار دیکھا
جو وصل کی شب کا کچھ بیاں ہے تو جمع ہے خاطرِ پریشاں
جو روزِ ہجراں کا غم لکھا ہے تو دل کو کیا انتشار دیکھا
جو بزم کا کچھ بیاں کیا ہے تو کوئی مجلس نہ دیکھی ایسی
جہاں پہ کچھ رزم کا بیاں ہے، ہر اک کو اسفندیار دیکھا
جہاں سخاوت کا کچھ بیاں ہے نہ پوچھ احوال وہاں کا مجھ سے
کہ حاصلِ بحر و کانِ عالم کو ایک دم میں نثار دیکھا
کہیں کھنچی ہے جو تیغِ ابرو تو ہو گئے دل کے ٹکڑے ٹکڑے
کہیں جو تیرِ نگاہ چھوٹا، تو صاف سینے کے پار دیکھا
خرابیِ حالِ عاشق ایسی، کہ جس پہ رونا فلک کو آوے
کہیں یہ معشوق کی ہے خوبی کہ ملک تک زرنگار دیکھا
نہ پوچھ حال اس فسانے کا تم کہ ڈھنگ کیا کیا بھرے ہیں اس میں
جو حسن دیکھا تو نور دیکھا، جو عشق دیکھا تو نار دیکھا
ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سالِ تاریخ اس کا لکھیے
تو کھینچ کر آہ دل سے نکلا، خزاں سے رنگِ بہار دیکھا

۱۲۴۰ھ

حواشی و تعلیقات

آتش :۔ خواجہ حیدر علی نام آتش تخلص۔ خواجہ علی بخش کے بیٹے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب خواجہ عبداللہ احرار پر منتہی ہوتا ہے۔ آتش کے والد شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں دہلی چھوڑ کر فیض آباد آئے اور محلہ مغلپورہ میں قیام کیا۔ وہیں ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء کے لگ بھگ آتش پیدا ہوئے۔ عارف، کامل، قانع اور متوکل تھے۔ ان کا شمار مصحفی کے باکمال شاگردوں میں ہوتا ہے۔ چہار شنبہ ۲۵۔ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ/۱۳۔ جنوری ۱۸۴۷ء کی صبح کو انتقال کیا۔

آتش کے دونوں دیوان انھیں کی زندگی میں مطبع محمدی، لکھنؤ سے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں چھپے تھے۔ اور خود آتش نے ان کی تصحیح کی تھی۔

(تذکرہ خوش معرکۂ زیبا، لکھنؤ کا دبستان شاعری، کلیات، رنگ لکھنؤ)

آشفتہ :۔ مرزا رضا قلی نام آشفتہ تخلص۔ حکیم محمد شفیع کے بیٹے تھے۔ اکبر آباد میں پیدا ہوئے، لیکن لکھنؤ میں اُن کی نشو و نما ہوئی۔ باپ کی طرح خود بھی طبابت کرتے تھے۔ میر سوز کے شاگرد تھے۔ مزاج میں آشفتگی بہت تھی" پھر بھی اچھا دیوان مکمل کر لیا تھا۔ عرصے تک مرشد آباد اور کلکتے میں مقیم رہے۔ بینی نرائن جہاں لکھتے ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

(تذکرہ گلشن ہند، تذکرہ دیوان جہاں)

آصف :۔ مرزا یحییٰ خاں عرف امانی مخاطب بہ آصف الدولہ نواب

شجاع الدولہ بہادر کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد ۲۵۔ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ / ۲۸۔ جنوری ۱۷۷۵ء کو مسند وزارت پر متمکن ہوئے۔ مگر جلد ہی فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ چلے آئے اور اسی کو اپنا مستقر قرار دیا۔

آصف الدولہ اپنے زمانے میں فنون لطیفہ کے سب سے بڑے سرپرست و قدردان تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ آصف تخلص تھا۔ ابتدا میں میر محمد علی رمز سے مشورۂ سخن کرتے تھے، اس کے بعد میر سوز کو اپنا کلام اصلاح کے لیے دکھانے لگے تھے۔ ۲۸۔ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ / ۲۱۔ ستمبر ۱۷۹۷ء کو ان کا انتقال ہوا اور اپنے تعمیر کردہ آصفی امام باڑے میں مدفون ہوئے۔ دیوان کے قلمی نسخے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک مختصر دیوان انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں بھی موجود ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "لکھنؤ کے چند نامور شعراء")

آغا: - آغا اپنے زمانے کے مشہور خطاط تھے۔ سرور نے فسانۂ عجائب کے نسخۂ مطبع مصطفائی (لکھنؤ) میں ان کا نام آغا رشید لکھا ہے۔ اصل نام عبدالرشید تھا، مگر آغا رشید مشہور تھے۔ یہ میر عماد کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ مشہور خطاط میر علی تبریزی کی روش کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ اپنے ماموں کے قتل کے بعد یہ ہندوستان چلے آئے تھے۔ شاہجہاں نے ان کو دارا شکوہ کا استاد مقرر کیا تھا۔ آغا کو پیغمبرِ خطاطی کہا جاتا ہے۔

(صحیفۂ خوش نویساں)

آغا محمد تبریزی: - ان کا اصل نام محمد اور تخلص خطا تھا۔ مگر ملا محمد کے نام سے مشہور تھے۔ عہدِ آصف الدولہ میں ایران سے ہندوستان آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ روضہ خوانی، مرثیہ گوئی اور خوش بیانی میں کمال رکھتے تھے۔

نواب آصف الدولہ بہادر نے اُن کو اپنا بھائی بنایا تھا اور اپنے عظیم الشان امام باڑے کی روضہ خوانی کا افتخار بخشا تھا۔ میر عبداللطیف خاں شوسنزی جو عہدِ آصف الدولہ بہادر میں سیاحت کی غرض سے لکھنؤ آئے تھے، اپنی کتاب "تحفۃ العالم" میں اُن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"مولانا محمد شوستری خطاؔ تخلص ایک نغز گفتار شاعر اور پسندیدہ اطوار مصاحب ہیں۔ مدت سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ ائمۂ ہُدا اور سید الشہدؑ کی مدح میں بلند پایہ قصیدے اور مرثیے کہے ہیں۔ اُن کا دیوان دس بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ مرثیہ خوانی میں بے مثل اور حُسنِ صوت نغمہ سرائی میں ماہرِ موسیقی اور آدابِ صحبت میں عدیم المثال ہیں۔"

(سوانحاتِ سلاطینِ اودھ، تحفۃ العالم)

احساؔن :۔ احساؔن مرثیہ گو، لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کے حالات تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں۔ یادگارِ شعرا میں احساؔن کے بارے میں صرف اتنا درج ہے :۔

"احساؔن ساکن لکھنؤ، مرثیہ کہنے میں یہ خاص شہرت رکھتے تھے۔ احساؔن کو سکندر اور گداؔ کا معاصر سمجھنا چاہیئے۔"

(یادگارِ شعرا)

افسردہ :۔ مرزا پناہ علی بیگ نام، افسردہ تخلص لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ بہو بیگم صاحبہ مادرِ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے توسّل تھا۔ ان کو متقدّمین مرثیہ گویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اُن کی مرثیہ گوئی کے شباب کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری کا رُبع اوّل قرار پاتا ہے۔

(یادگارِ شعرا)

افسوس :- میر شیر علی نام، افسوس تخلص۔ میر مظفر علی خاں کے بیٹے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں اُن کا نشو و نما ہوا۔ میر حیدر علی حیران اور سوز کو اپنا کلام اصلاح کے لیے دکھاتے تھے۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران کرنل اسکاٹ سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے اُن کی قابلیت دیکھ کر کلکتے بھیج دیا۔ اور وہاں فورٹ ولیم کالج کے اسٹاف میں ایک ممتاز عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء میں انتقال ہوا۔ تصانیف میں باغِ اُردو، آرائشِ محفل اور ایک دیوان چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ کلیاتِ سودا اور مثنوی سحرالبیان بھی انھوں نے مرتب کر کے چھپوائی تھی۔

(تذکرۂ گلشنِ ہند، تاریخ ادبِ اُردو)

انشا :- میر انشاء اللہ نام، انشا تخلص۔ میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے اور میر نور اللہ خاں کے پوتے تھے۔ انشا مرشد آباد (بنگال) میں پیدا ہوئے، جہاں سے وہ (عہد میر قاسم) ہی میں اپنے والد کے ہمراہ فیض آباد چلے آئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد انشا کچھ مدت کے لیے دہلی بھی گئے، لیکن پھر لکھنؤ چلے آئے تھے۔ وہ حکمت، سپہ گری، زباں دانی، صرف و نحو اور علوم ادبی میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء میں انتقال ہوا۔ تصانیف میں دریائے لطافت، لطائف السعادت، سلکِ گہر، رانی کیتکی کی کہانی اور ضخیم کلیات چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔

(رانی کیتکی کی کہانی: مرتبہ راقم)

انوار :- [دیکھیے مولوی انوار]

انوری :- محمد نام، اوحدالدین لقب، انوری تخلص۔ ان کا مولد قریۂ بدنہ ہے جو دشتِ خاوران کے کنارے پر ولایتِ ابیورد میں واقع ہے۔ انوری

کا شمار سلجوقی دور کے عظیم قصیدہ گو شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے قصائد کے علاوہ غزلیات اور قطعات بھی بہت اچھے لکھے ہیں۔ ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

(شعر العجم ج ۱:)

اہلی :- مُلّا اہلی شیرازی فارسی کے مُستند شاعر تھے۔ ان کی مشہور مثنوی سحرِ حلال ہے جس کا ہر شعر دو بحروں میں پڑھا جاتا ہے۔ ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء میں انتقال کیا۔ شیراز میں خواجہ حافظؔ کے پہلو میں ان کا مزار ہے۔

(ربیع مشانی)

بابر :- ظہیر الدین محمد نام تھا۔ ۶۔ محرّم الحرام ۸۸۸ھ/ ۱۴۔ فروری ۱۴۸۳ء کو فرغانہ میں پیدا ہوا۔ ۱۵۲۶ء میں اُس نے ہندوستان میں سلطنتِ مُغلیہ کی بنیاد ڈالی۔ تُوزکِ بابری اُس کی مشہور سوانح عمری ہے۔ ۶۔ جمادی الاوّل ۹۳۷ھ /۲۶۔ دسمبر ۱۵۳۰ء کو آگرے میں فوت ہوا۔

(تاریخ ہندوستان)

باسط :- [دیکھیے خواجہ باسط]

بخشُو اور سلاری :- یہ دونوں عہدِ آصف الدّولہ بہادر اور نوّاب سعادت علی خاں بہادر کے مشہور طبلہ بجانے والوں میں تھے۔ مہاراجہ جھاؤلال کی سرکار سے توسّل تھا۔ محمد عظمت ناجیؔ کاکوردی نے اُن کا ذکر یوں کیا ہے:

"..... طبلہ ایسا بجایا کہ فلک نے حیرت سے ہاتھ دے دے مارا۔"

(مرقعِ خسروی : قلمی)

برقؔ :- مرزا محمد رضا نام، برقؔ و رضاؔ تخلص۔ مولانا مرزا کاظم علی ملقب بہ صالح کے بیٹے تھے۔ فتح الدولہ، بخشی المُلک کا خطاب آخری تاجدار واجد علی شاہ

نے دیا تھا۔ برق ناسخ کے قابلِ فخر شاگردوں میں تھے۔ اپنے گھر پر ایک مشاعرہ نہایت اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ انتزاعِ سلطنت اودھ کے بعد جب واجد علی شاہ کلکتے کے لیے روانہ ہوئے تو برق اپنی ضعیفی کے باوجود اُن کے ہمراہ تھے۔ آخر وہیں ۲۸ صفر المظفر ۱۲۷۴ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو تپ میں مبتلا ہو کے عالمِ غربت میں انتقال کیا۔ دیوان ان کی زندگی میں بہت خوشخط اور عمدہ کاغذ پر مطبع سلطانی لکھنؤ سے ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء میں شایع ہوا تھا۔

(لکھنؤ کے چند نامور شعرا)

بقاؔ:۔ بقا اللہ خاں نام بقاؔ تخلص۔ حافظ لطف اللہ کے بیٹے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ پہلے عمیس تخلص تھا۔ شاہ حاتم کے مشورے سے اُسے ترک کر دیا۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ میر اور سودا کو کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اکثر ان دونوں سے حریفانہ چشمک چلا کرتی تھی۔ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء میں زیارت عتبات عالیات کی غرض سے نکلے تھے کہ راستے ہی میں فوت ہو گئے۔ دیوان اُن کا شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی نے شایع کر دیا ہے۔

(تذکرۂ گلشنِ ہند)

پیر محمد:۔ شاہ پیر محمد جونپور کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے دہلی اور جونپور میں تعلیم حاصل کی اور لکھنؤ آ کر قاضی عبد القادر سے بھی استفادہ کیا۔ شاہ عبد اللہ سیاح چشتی کے مرید تھے اور انھیں سے سلسلۂ چشتیہ و دیگر سلاسل میں اجازہ حاصل کر کے ہدایتِ خلق میں مصروف ہوئے۔ شاہ موصوف کو سماع سے نہایت ذوق و شوق تھا اور بڑے مہمان نواز تھے۔ دریائے گومتی کے کنارے مچھمن ٹیلے پر سکونت تھی جہاں ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (تذکرہ اولیائے ہند: ج ۲)

تان سین: تان سین اکبر بادشاہ کا خاص گویا تھا۔ اس کے باپ کا نام مکرند پانڈے تھا۔ تان سین بعد کو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے موسیقی کی تعلیم ہرداس سوامی سے حاصل کی تھی۔ اُسے فنِ موسیقی میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔

(معارف النغمات)

تبریزی [دیکھیے آقا محمد تبریزی]

تحسین:۔ [عطا حسین خاں]

میر محمد حسین عطا خاں نام، تحسین تخلّص۔ میر باقر خاں شوق کے بیٹے تھے۔ اٹاوہ (یو۔پی) وطن تھا۔ فنِ خطاطی میں کمال رکھتے تھے۔ "مرصع رقم" خطاب تھا۔ شجاع الدولہ اور آصف الدولہ بہادر کے دربار سے توسّل تھا۔

تحسین فارسی اور اُردو، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اُردو نثر میں اُن کی مشہور تصنیف "نوطرزِ مرصع" ہے جو چہار درویش کے قصّے پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۷۶۸ء میں شروع ہو کر ۱۷۷۵ء میں تمام ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے اسے متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے ۱۹۵۸ء میں ہندوستانی اکاڈمی، الہ آباد، اُتر پردیش سے شایع کر دیا ہے۔

(نوطرزِ مرصع مُرتّبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی)

جامی: عبد الرحمٰن نام، جامی تخلّص۔ مولانا محمد اصفہانی کے بیٹے تھے۔ فارسی کے مشہور شاعر اور اپنے زمانے کے جیّد عالم تھے۔ ۱۸ محرّم الحرام ۸۹۸ھ / ۱۰ نومبر ۱۴۹۲ء کو انتقال ہوا۔ ان کے تصانیف میں تذکرہ نفحات الانس، بہارستان، ایک دیوان اور سات مثنویاں، جو ہفت اورنگ کہلاتی ہیں، بہت مشہور ہیں۔

جرأت: قلندر بخش نام، یحییٰ امان عُرفیت، جُرأت تخلّص۔ حافظ امان

کے بیٹے تھے۔ جرأت دہلی میں پیدا ہوئے لیکن کمسنی ہی میں فیض آباد چلے آئے اور وہیں اُن کا نشو و نما ہوا۔

فیض آباد سے کچھ مدت کے لیے بریلی بھی گئے جہاں محبت خاں محبت کی رفاقت حاصل کی۔ عہدِ آصف الدولہ میں پھر لکھنؤ چلے آئے۔ مرزا جعفر علی حسرت دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء کے اواخر میں انتقال ہوا۔ ان کے ضخیم کلیات کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں۔

(تاریخ ادب اُردو)

جعفر صادقؑ :۔ اسم مبارک جعفر، ابو عبداللہ کنیت۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے اور شیعوں کے چھٹے امام ہیں۔ ۱۷۔ ربیع الاول ۸۳ھ / ۲۱۔ اپریل ۷۰۲ء کو مدینۂ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اپنی صدق گفتاری کی وجہ سے "صادق" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۵۔ شوال ۱۴۸ھ / ۵۔ دسمبر ۷۶۵ء کو وفات پائی۔ جنت البقیع واقع مدینۂ منورہ میں مزارِ اقدس ہے۔

(آثارِ جعفریہ)

حافظ :۔ خواجہ شمس الدین محمد نام، حافظ تخلص۔ خواجہ بہاء الدین شیرازی کے بیٹے تھے۔ فارسی کے اہم ترین شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے دیوان سے فال نکالی جاتی ہے اس لیے "لسان الغیب" کہلاتے ہیں۔ ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء میں انتقال ہوا۔

(شعر العجم : ج ۲)

حافظ محمد ابراہیم :۔ [دیکھیے محمد ابراہیم]

حزیں :۔ شیخ محمد علی نام، حزیں تخلص۔ شیخ ابو طالب کے بیٹے تھے۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ / ۸۔ جنوری ۱۶۹۲ء کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ فکرِ معاش

میں ہندوستان آئے اور کئی سال دہلی میں رہ کر بنارس میں سکونت اختیار کی۔ شعر و شاعری کے علاوہ دیگر علوم میں بھی دستگاہِ کامل حاصل تھی۔ نظم و نثر میں بہت سی کتابیں ان کی تصنیف سے موجود ہیں۔ بنارس میں ۱۱۔ جمادی الاول ۱۱۸۰ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۷۶۶ء کو انتقال ہوا۔

(شعر العجم فی الہند)

حسن :۔ میر غلام حسن نام، حسن تخلص۔ میر ضاحک کے بیٹے تھے۔ میر حسن کی ولادت دہلی میں ہوئی، لیکن کمسنی ہی میں وہ اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے آئے اور پھر وہاں سے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ میر ضیا کے شاگرد تھے۔ یکم محرم ۱۲۰۱ھ / ۲۴۔ اکتوبر ۱۷۸۶ء کو انتقال کیا۔ میر حسن نے اردو شعرا کا ایک تذکرہ اور ضخیم کلیات اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ مثنوی سحر البیان اُن کا لافانی شاہ کار ہے۔ یہ مثنوی پہلی بار فورٹ ولیم کالج کی طرف سے ۱۸۰۵ء میں ہندوستانی پریس کلکتے میں چھپی تھی۔

(تذکرۂ شعرا، تاریخ ادبِ اُردو)

حسن :۔ [دیکھیے خواجہ حسن]

حسین بیگ :۔ مرزا حسین بیگ سرور کے دوست تھے۔ اور اُن سے سرور کے گہرے روابط تھے۔ سرور نے اپنے خطوں میں اُن کا نام مرزا حسین بیگ کمتل پوش لکھا ہے۔ محلہ مفتی گنج لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ۲۲۔ محرم الحرام ۱۲۸۲ھ / ۱۷۔ جون ۱۸۶۵ء کو اُن کا انتقال ہوا۔

(انشائے سرور: رقعہ ۷)

حسین علی خاں :۔ حسین علی خاں، نواب قاسم علی خاں کے بڑے بیٹے اور نواب اصغر علی خاں سالار جنگی کے پوتے تھے۔ غازی الدین حیدر

کی سرکار سے انھیں ایک ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور چائے پانی پر کرسی نشینوں میں بیٹھتے تھے۔ حسین علی خاں بھی اپنے والد کی طرح نہایت خوش آواز تھے۔ انھیں سوز خوانی کا بڑا شوق تھا اور اس فن میں وہ میر علی سوز خواں کے شاگرد تھے۔ محمد عظمت نامی کاکوروی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے :۔

"نواب حسین علی خاں سالار جنگی ...... خوش گلو نے تو کلیجے نکال لیے۔ چلت پھرت آواز کی دیکھی نہ جانی، حلق میں گویا ہڈی نہ تھی۔"

نواب قاسم علی خاں نے اپنے تعمیر کردہ کالے امام باڑے کا پہلا متولی انھیں کو نامزد کیا تھا۔ اور تولیت کے دو سو روپے مقرر کر دیئے تھے۔ اولاد میں صرف دو بیٹے مرزا مہدی علی خاں اور مرزا فدا علی خاں تھے۔ حسین علی خاں کا شب شنبہ ۱۵۔ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ / ۵۔ دسمبر ۱۸۴۶ء کو انتقال ہوا اور کالے امام باڑے، واقع محلہ پیر بخارا، (لکھنؤ) میں مدفون ہوئے۔

(سوانحات سلاطین اودھ، مرقع خسروی : تعلمی)

خاقانی : افضل الدین ابراہیم نام، خاقانی تخلص۔ علی النجار کے بیٹے تھے۔ فارسی کے زبردست شاعر تھے۔ ان کا ضخیم کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ قصائد نہایت زوردار کہتے تھے۔ ۵۹۰ھ/ ۱۱۹۳ء میں انتقال ہوا۔

(شعر العجم : ج ۵)

خسرو : خواجہ ابوالحسن نام، طوطی ہند لقب، خسرو تخلص۔ امیر سیف الدین محمود کے بیٹے تھے۔ ۶۵۱ھ/ ۱۲۵۳ء میں ضلع ایٹا کے قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کی سرزمین سے آج تک فارسی کا ان سے بڑا

شاعر پیدا نہیں ہوا۔ موسیقی سے بھی انھیں خاص لگاؤ تھا۔ نظم و نثر میں بہت سی تصانیف اُن سے یادگار ہیں۔ ۱۲۷۵ھ/۱۳۲۵ء میں انتقال ہوا۔

(شعر العجم: ج ۲)

خلیق: میر مستحسن نام، خلیق تخلص۔ میر حسن دہلوی کے منجھلے بیٹے تھے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ متعدد تذکرہ نگاروں نے اُنھیں صاحبِ دیوان شاعر لکھا ہے۔ لیکن اب تک اُن کا دیوان دستیاب نہیں ہوا۔ اُردو ادب میں مرثیہ گو کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔

(لکھنؤ کے چند نامور شعرا)

خواجہ باسط: خواجہ محمد باسط اپنے زمانے کے مشہور درویش تھے۔ ان کے والد کا نام خواجہ جعفر تھا۔ خواجہ محمد باسط کے بزرگوں میں سے ایک ماوراالنہر سے ہندوستان آئے اور اکبر آباد میں قیام کیا۔ خواجہ محمد باسط کی ولادت اکبر آباد ہی میں ہوئی۔ صغر سنی ہی میں اُن کے چچا امیر الامرا نواب صمصام الدولہ (م ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء) نے دہلی بلا لیا اور وہیں اُن کا نشو و نما ہوا۔

خواجہ محمد باسط دہلی کی تباہی کے بعد نواب شجاع الدولہ بہادر کی خواہش پر لکھنؤ چلے آئے اور یہاں آکر معالی خاں کی سرائے کے قریب ایک بلند ٹیلے پر سکونت اختیار کی جو مدت تک "خواجہ باسط کا ٹیلا" کے نام سے مشہور رہا۔

خواجہ محمد باسط ہر مہینے کی جمعرات اور یکشنبہ کو ایک مجلسِ فقرا منعقد کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے مثنوی گلزارِ ارم میں لکھنؤ کی ہجو کے بعد لکھا ہے

مگریاں ہے تو جائے خواجہ باسط
کہ تھی موزوں برائے خواجہ باسط

رکھے حق اس کو یہ وہ آستاں ہے

کہ دہلی جس کی، دہلی کا نشاں ہے

۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء میں اُن کا وصال ہوا۔ "شیخ مومنین باسط" مادۂ تاریخ ہے۔

(تذکرہ سفینۂ خوشگو، مرقع خسروی: قلمی)

خواجہ حسن :- خواجہ حسن کا اصل نام ابو محمد حسن مودودی تھا۔ خواجہ محمد ابراہیم شاہ کے بیٹے تھے۔ عہدِ آصف الدولہ بہادر میں خواجہ حسن لکھنؤ آئے اور محلّہ رستم نگر میں فروکش ہوئے۔ صوفی اور درویش تھے۔ علم نجوم اور موسیقی میں بھی دخل تھا۔ شاعری میں مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ حسن تخلص تھا۔

خواجہ حسن کے کمالاتِ ظاہری و باطنی دیکھ کر اکثر اہالیانِ لکھنؤ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ دوشنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ / ۱۷ جولائی ۱۸۲۶ء کو اُن کا وصال ہوا اور محلّہ رستم نگر (لکھنؤ) میں مدفون ہوئے۔ اُن کے بیٹے قطب اعظم اپنے والد اور چچا خواجہ حسین کا عرس بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ خواجہ حسن کا قلمی دیوان ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

(تذکرہ گلدستۂ مودودی تذکرہ گلشن ہند)

خواجہ حسین :- خواجہ حسین کا اصل نام ابو محسن حسین تھا۔ مگر خواجہ حسین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بھی اپنے بڑے بھائی خواجہ حسن کی طرح نواب محبت خاں محبت کی رفاقت میں بریلی سے لکھنؤ آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

خواجہ حسین علم و کمال اور کشف و کرامت میں اپنے بھائی سے کم نہ تھے۔ لکھنؤ کے اکثر روسا و شرفا اُن کے بڑے معتقد تھے۔ دربارِ شاہی سے انھیں اور اُن کے بیٹوں کو حیاتی پنشن ملتی تھی۔

(تذکرہ گلدستہ مودودی)

خیر اللہ :- غازی الدین حیدر بادشاہ کے مطبخ کا باورچی تھا۔ لکھنؤ میں کٹرہ محمد علی خاں کے قریب شیو پوری ایک محلہ ہے۔ اسی میں گنگیا پاسن کے مکان سے متصل رہتا تھا۔ ادرک کا لچھا کاٹنے میں اسے کمال حاصل تھا۔

(تذکرۂ گلدستۂ مودودی)

دبیر :- میرزا سلامت علی نام، دبیر تخلّص۔ میرزا غلام حسین کے بیٹے تھے۔ ۱۱۔ جمادی الاوّل ۱۲۱۸ھ/ ۲۹۔ اگست ۱۸۰۳ء کو محلہ بلّی ماراں، دہلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ میر ضمیر کے شاگرد تھے۔ اُردو میں مرثیہ گو کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۳۰۔ محرم الحرام ۱۲۹۲ھ/ ۹۔ مارچ ۱۸۷۵ء کو انتقال ہوا۔ اُن کے مرثیوں کی متعدد جلدیں چھپ کر شایع ہو چکی ہیں۔

(سبع مثانی)

درد :- خواجہ میر نام، درد تخلّص۔ خواجہ محمد ناصر عندلیب کے بیٹے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ قرآن، حدیث، تفسیر فقہ اور تصوف میں اچھی دستگاہ تھی۔ موسیقی میں بھی دخل تھا۔ ۲۸ سال کی عُمر میں دُنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے اور باپ کے انتقال کے بعد اُن کے سجادہ نشین و قائم مقام ہوئے۔ ۲۴ صفر المظفر ۱۱۹۹ھ/ ۷۔ جنوری ۱۷۸۵ء کو انتقال ہوا اور دہلی میں تُرکمان دروازے کے باہر مدفون ہوئے۔ ان کے دیوان کے نُسخے بہت ملتے ہیں، لیکن کوئی بھی نُسخہ عہدِ مُصنّف کا اب تک دریافت نہ ہو سکا۔ قدیم ترین مطبوعہ نُسخہ دہلی میں ۱۸۴۷ء میں چھپا تھا جسے امام بخش صہبائی نے ڈاکٹر اسپرنگر کی فرمائش سے مُرتب کیا

تھا۔

(تذکرۂ ابن امین اللہ طوفان، تاریخ ادب اُردو)

دلگیر:- چھنولال نام، دلگیر تخلص. ابتدا میں مرزا خانی نوازش سے اصلاح لیتے تھے. جب نوازش کانپور چلے گئے، تو انھیں کے مشورے سے ناسخ کے شاگرد ہوئے. غزل میں طرب تخلص لاتے تھے. ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں مسلمان ہو گئے تھے اور اپنا نام غلام حسین رکھا تھا۔ اسی کے بعد غزل گوئی ترک کر دی اور اپنا دیوان موتی جھیل (لکھنؤ) میں غرق کر دیا۔ اس کے بعد مرثیہ پر توجہ صرف کی. چونکہ طبیعت شاعرانہ پائی تھی اور صاحب استعداد بھی تھے اس لیے مرثیہ نگار کی حیثیت سے بہت جلد شہرت حاصل کر لی. ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء میں انتقال ہوا۔ اُن کے مرثیوں کا مجموعہ کئی ضخیم جلدوں میں چھپ کر شایع ہو چکا ہے. غزلوں کا مختصر مجموعہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے.

(تذکرہ خوش معرکہ زیبا، رسالہ آج کل، دہلی بابت اپریل ۱۹۶۶ء)

دھنیا:- دھنیا مہری ایک غریب ماہی گیر کی بیٹی تھی. نصیر الدّین حیدر بادشاہ کے دربار میں اُس کے خاندان کے بہت سے لوگ کہاروں میں نوکر تھے. انھیں کے ذریعے محل تک اس کی رسائی ہوئی تھی. نصیر الدین حیدر اس کے حُسن ادب سے خوش ہو کر ہزاروں روپے کے انعامات دیا کرتے تھے. انھوں نے افضل النساء خانم کا خطاب اور چودہ پارچے کا خلعت مع سپر و شمشیر عنایت کیا تھا۔ بادشاہ اور اُمرا اُس کو "خانم" کہتے تھے. دو سو کہاریوں کی افسر تھی. بادشاہ کی ڈیوڑھیوں کی نظارت اور خواجہ سراؤں وغیرہ کو سزا دینا، اہل محل کو ہدایت کرنا اس سے متعلق تھا۔ اپنے عُروج کے زمانے میں اُس نے عالی شان عمارتیں، مسجد، امام باڑہ اور پُل تعمیر کرائے.

(تاریخ اودھ: ۴)

سعدی :۔ شیخ مصلح الدین نام سعدی تخلّص۔ اتابک سعد بن زنگی شیرازی کے بیٹے تھے۔ ان کے تصانیف میں گلستاں اور بوستاں کا شمار فارسی ادب کی بہترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ فارسی شاعری میں غزل کے بادشاہ مانے جاتے ہیں۔ ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء میں انتقال ہوا۔

(شعر العجم : ج ۲)

سکندر :۔ خلیفہ محمد علی نام، میاں گھسیٹا عرفیت، سکندر تخلّص وطن پنجاب تھا، مگر عمر کا بیشتر حصّہ لکھنؤ اور فیض آباد میں گزرا۔ سکندر مشاہیر مرثیہ گویوں میں تھے۔ قصّہ خوانی سے بھی دلچسپی تھی۔ میر حسن نے انھیں ایک منظوم قصّے مسمیٰ بہ لالچ و بادشاہ و نخواہ کا مصنّف بتایا ہے۔ وہ اُردو کے علاوہ کئی دوسری زبانوں میں بھی مرثیے کہتے تھے۔ آخر عمر میں حیدرآباد چلے گئے تھے، جہاں ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء سے قبل پیوند خاک ہوئے۔

(تذکرہ شعرائے اردو، تذکرہ ہندی)

سلارہی :۔ [دیکھو بخشو]

سودا :۔ مرزا محمد رفیع نام، سودا تخلّص۔ مرزا محمد شفیع کے بیٹے تھے۔ دہلی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پہلے سلیمان علی خاں وداد سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے، بعد میں شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ دلّی کی تباہی کے بعد باہر کا رخ کیا۔ چند سال فرخ آباد میں رہ کے فیض آباد پہنچے۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے لکھنؤ کو اپنا مستقر قرار دیا تو یہ بھی لکھنؤ چلے آئے اور یہیں ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء میں انتقال ہوا اور آغا باقر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے۔
سودا کا کلیات جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ اس کے قلمی نسخے بکثرت ملتے ہیں۔

(لکھنؤ کا دبستان شاعری، سودا)

سوزؔ :- محمد میر نام، سوزؔ تخلص۔ میر ضیا الدین کے بیٹے تھے۔ انھیں تیر اندازی، شہسواری اور خطِ نستعلیق میں کمال حاصل تھا۔ فنِ موسیقی میں بھی دخل تھا۔ سوزؔ دہلی کی تباہی کے بعد وہاں سے نکلے اور فرخ آباد پہنچے۔ عہد شجاع الدولہ میں فیض آباد گئے۔ عہد آصف الدولہ کے اواخر میں کچھ مدت کے لیے مرشد آباد بھی جانا ہوا۔ جہاں سے واپسی کے بعد ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء میں فوت ہوئے۔ ان کے دیوان کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں۔ شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی نے "دیوانِ سوزؔ" شایع کر دیا ہے۔

(تذکرۂ ابن امین اللہ طوفان، تذکرۂ ہندی گویان)

سیّد محمد : سید محمد نام، غفرانمآب مولانا سید دلدار علی مجتہد کے بیٹے تھے۔ ۱۷ صفر المظفر ۱۱۹۹ھ/۳۱ دسمبر ۱۷۸۴ء کو ولادت ہوئی۔ تحصیل علوم اپنے والد سے کی اور ۱۹ سال کی عمر میں اجازۂ اجتہاد حاصل کیا۔ ان کے حکم سے امجد علی شاہ بادشاہ نے ایک دینی مدرسہ موسوم بہ سلطان المدارس قائم کیا تھا اور اپنی قلمرو میں مُفتی مقرر کیے جو شرع کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ سرکار اودھ سے انھیں "سلطان العلما" کا خطاب ملا تھا اور عوام میں 'بڑے قبلہ و کعبہ' کے نام سے مشہور تھے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ/۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء کو انتقال ہوا اور حسینیہ غفرانمآب (لکھنؤ) میں مدفون ہوئے۔ انتقال کے بعد "رضواں مآب" لقب ہوا۔

(تذکرۂ بےبہا فی تاریخ العلماء)

شاہ عالم :- میرزا عبداللہ نام، عالی گُہر عرفیت۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے بیٹے تھے۔ ماں کا نام لال کنور تھا۔ ۱۷ ذی قعدہ ۱۱۴۰ھ/۱۵ جون ۱۷۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ ۲ جمادی الاوّل ۱۱۷۳ھ/۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء کو دہلی کے تخت پر بیٹھے اور ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا۔ غلام قادر روہیلا

کورنمک نے اُن کی آنکھیں نکلوالی تھیں۔ ۴۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۔ رمضان المُبارک ۱۲۲۱ھ/۱۹۔ نومبر ۱۸۰۶ء کو انتقال کیا۔

(نادراتِ شاہی)

شاہ مینا :۔ شیخ محمد نام۔ شیخ قطب الدّین صُوفی کے بیٹے تھے۔ شاہ مینا کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ تکمیلِ علوم کے بعد شیخ سارنگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں پہنچ کر درس و تدریس اور مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۲۳۔ صفر المظفّر ۸۸۴ھ / ۱۷۔ مئی ۱۴۷۹ء کو ۸۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ مزار لکھنؤ میں اُس سڑک پر ہے جس کا نام شاہ مینا روڈ ہے (متصل میڈیکل کالج) یہ علاقہ شاہی میں میناگری کہلاتا تھا۔ مزار آج بھی مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔

(صوفیائے لکھنؤ)

شوری :۔ شوری میاں جانی کا بیٹا تھا۔ لیکن اپنے باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ اس نے نوّاب آصف الدولہ بہادر کے عہد میں ٹپّا ایجاد کیا تھا۔ راجہ محمد نوّاب علی خاں لکھتے ہیں :۔

"یہ طرز پہلے بھی پنجاب میں مُروّج تھا، لیکن اس کو اتنی وقعت حاصل نہ تھی کہ گانے کے اقسام میں شُمار کیا جاتا، شوری کی بدولت تمام ہندوستان میں یہ طرز پھیل گیا۔"

(Life at the Medieval Court of Oudh by Ikramuddin Qidwai (معارف النغمات

ضمیر :۔ میر مظفر حسین نام، ضمیر تخلّص۔ میر قادر حسین کے بیٹے تھے۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ پہلے

غزل پر طبع آزمائی کی، پھر رفتہ رفتہ قصیدہ، مثنوی اور مخمس کی طرف رجوع ہوئے مگر اُردو ادب میں مرثیہ گو کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ یوم شنبہ ۲۳۔ محرم الحرام ۱۲۷۲ھ/ ۶۔ اکتوبر ۱۸۵۵ء کو انتقال ہوا۔ ضمیر کی دو مثنویاں مظہر العجائب اور معراج نامہ موسوم بہ ریحانِ معراج اور ایک جلد مرثیے کی چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

(تذکرہ ریاض الفصحا، سبعِ مثانی)

ظہور اللہ:۔ مولوی ظہور اللہ، ملا محمد ولی کے بیٹے تھے۔ ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم اپنے والد اور چچا ملا حسن سے کی۔ اُصولِ فقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے لکھنؤ کی عدالت میں مفتی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ سلسلہ قطبیہ کے جید عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مُصنّف تھے۔ ۱۷۔ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ/ ۲۰۔ مئی ۱۸۴۰ء کو انتقال ہوا۔

(تذکرہ علمائے فرنگی محل)

عبّاسؑ:۔ عبّاس نام: ابوالفضل کُنیّت، قمرِ بنی ہاشم لقب۔ حضرت علیؑ کے صاحبزادے تھے۔ ۴۔ شعبان المعظم ۲۶ھ/ ۱۶۔ مئی ۶۴۷ء کو ولادت ہوئی۔ بڑے بہادر اور زبردست شہسوار تھے۔ معرکۂ کربلا میں جناب سکینہ دخترِ امام حسینؑ کے لیے نہرِ فرات سے پانی لینے گئے تھے کہ وہیں شہید ہوئے۔ چنانچہ اسی کے بعد آپ کا لقب "سقائے سکینہ" ہو گیا۔

(تاریخ ائمہ)

عبدالرحمٰن:۔ مولوی عبدالرحمٰن، مولوی محمد حسن کے بیٹے تھے۔ اُن کے بزرگ عرب سے سندھ آئے اور وہیں توطن اختیار کیا۔ مولوی عبدالرحمٰن

کی ولادت ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۶ء میں کوٹ تعلقہ مبارک پور (سندھ) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور متعدد علما کی خدمت میں رہ کر فیضان حاصل کیا۔ انھیں مخدوم عبدالحکیم مرحوم سے بیعت اور سلسلۂ چشتیہ میں خلافت حاصل تھی۔ عہد نواب سعادت علی خاں میں لکھنؤ پہنچے۔ یہاں کے بہت سے لوگ اُن کے مُرید تھے۔ استسقاء میں مُبتلا ہو کر جمعہ ۶۔ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ/ ۳۰۔ اپریل ۱۸۳۰ء کو ان کا وصال ہوا۔ اور باورچی ٹولہ لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔

(انوار الرحمٰن)

عُرفی :- سید محمد نام، جمال الدین لقب، عرفی تخلص۔ زین الدین بلوی کے بیٹے تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ترکِ وطن کر کے ہندوستان چلے آئے تھے۔ شہنشاہ اکبر نے اُن کو شہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ۳۶ سال کی عمر تھی کہ اچانک اسہال میں مبتلا ہو گئے ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۰ء میں انتقال کیا۔ فارسی کے مُستند شاعر تھے۔ قصیدے نہایت شاندار کہتے تھے۔ کُلیاتِ قصائد، غزلیات اور مثنویات پر مشتمل ہے۔

(شعر العجم: ج ۳)

غازی الدین حیدر :- میرزا غازی الدین حیدر عرف بڑے مرزا نواب سعادت علی خاں کے بیٹے تھے۔ ۱۲۔ جمادی الثانی ۱۱۹۰ھ/ ۱۵۔ نومبر ۱۷۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ اور ۳۔ رجب ۱۲۲۹ھ/ ۲۴۔ جون ۱۸۱۴ء کو مسندِ وزارت پر متمکن ہوئے۔ بعض انگریز مصاحبوں کی تحریک اور اشارے پر انھوں نے شہنشاہِ دہلی سے رشتہ مُنقطع کر کے ۱۸۔ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ/ ۹۔ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو لکھنؤ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور ابوالمظفر

معز الدین شاہ زمن غازی الدین پادشاہ غازی کا لقب اختیار کیا۔ غازی الدین حیدر کی عربی و فارسی میں قابلیت اعلیٰ درجے کی تھی۔ شاعر بھی تھے۔ غزلوں کے علاوہ مدح ائمہ طاہرین میں شعر کہتے تھے۔ اسپرنگر نے کتاب خانہ فرح بخش میں ان کے اردو شعروں کا مجموعہ دیکھا تھا۔ انھوں نے ۲۷۔ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ / ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو دنیا سے کوچ کیا اور اپنی ہی تعمیر کردہ عمارت شبیہہ شاہ نجف میں مدفون ہوئے۔

(سوانحات سلاطین اودھ، تاریخ اودھ : ۳۸)

غُلام رسُول: غلام رسُول میاں جانی نامی گویّے کا چھوٹا بھائی تھا اور اسی کی طرح خیال گانے میں ماہر تھا۔ شجاع الدولہ بہادر اور آصف الدولہ کے دربار سے اُس کا توسّل تھا۔

(Life at the medieval Court of Oudh:

By Ikramuddin Qidwai.)

فردوسی: ابوالقاسم حسن بن اسحاق بن شرف شاہ نام فردوسی تخلّص منصور بن فخر الدین کے بیٹے تھے۔ مُضافات طوس میں پیدا ہوئے۔ عنصری، فرخّی اور عسجدی ان کے معاصرین تھے۔ انھوں نے سُلطان محمُود غزنوی کی فرمائش پر شاہنامہ نظم کیا جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اور فارسی کے بہترین رزمیہ ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ء میں انتقال ہوا۔

(شعر العجم : ج ۱)

فصیح: میرزا جعفر علی نام فصیح تخلّص۔ میرزا ہادی علی کے بیٹے تھے فیض آباد میں لگ بھگ ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ مذہبیات کی تعلیم کے بعد شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ علم عروض و قافیہ پر

گہری نظر تھی۔ عتباتِ عالیات کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ ان کی کئی مذہبی مثنویاں چھپ کر شایع ہو چکی ہیں لیکن اصل شہرت مرثیہ گو کی حیثیت سے ہے۔

(ریاض الفصحا)

قتیل :۔ مرزا محمد حسن نام قتیل تخلص۔ یہ پہلے قوم کے کھتری ہندو تھے۔ بچپن میں اپنے والد درگاہی مل کے ساتھ لاہور سے فیض آباد چلے آئے اور وہیں اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہو گئے۔ میرزا محمد باقر شہید کے شاگرد تھے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ تھی۔ ریاضی اور عروض و قافیہ پر گہری نظر تھی۔ چنانچہ قواعد فارسی سے متعلق کئی رسالے اور کتابیں اُن کی تصنیف سے ہیں۔ دریائے لطافت کا دوسرا حصّہ جو عروض، معانی و بیان پر مشتمل ہے اُنھیں کا لکھا ہوا ہے۔ فارسی اور اُردو، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ شنبہ ۲۳۔ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ / ۳۱۔ جنوری ۱۸۱۸ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

(ہفت تماشا)

قدسیہ محل : قدسیہ محل کا نام بسم اللہ خانم تھا۔ مرزا حسین بیگ کی بیٹی تھیں۔ اور ملکۂ زمانیہ کی سرکار میں پیش خدمتوں میں ملازم تھیں۔ نصیر الدین حیدر نے ۱۲۔ رجب المرجب ۱۲۴۷ھ / ۱۷۔ دسمبر ۱۸۳۱ء کو ان سے عقد کر کے مخدرۂ زماں بلقیس دوراں ملکہ آفاق قدسیہ سلطان مریم بانو بیگم کا خطاب عطا کیا۔ قدسیہ محل نہایت حوصلہ مند اور فراخ دل خاتون تھیں۔ داد و دہش میں وہ اودھ کی تمام شاہی بیگمات پر سبقت لے گئیں۔ ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ / ۲۱۔ اگست ۱۸۳۴ء کو بادشاہ سے کسی بات پر ناراض ہو گئیں اور زہر کھا کر اپنے رشتۂ حیات کو ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا۔

(بیگمات اودھ)

کاظم علی :- مرزا کاظم علی ملقب بہ صالح اپنے زمانہ کے نامور علما میں شمار ہوتے تھے۔ غفراں مآب مولانا سید دلدار علی مجتہد کے نمودار شاگردوں میں تھے۔ علمی کمال و جامعیت میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ زہد و تقدس میں بھی ابوذر و سلمان سمجھے جاتے تھے۔ درس و تدریس کا بھی مشغلہ تھا۔ ان کے پڑھائے ہوئے بعض شاگرد خود بھی بلند پایہ عالم ہوئے۔ مشہور لکھنوی شاعر مرزا محمد رضا برق ان کے بیٹے تھے۔ مرزا کاظم علی کا ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء میں انتقال ہوا اور اپنے ہی تعمیر کردہ امام باڑے میں مدفون ہوئے۔

(ناسخ : تجزیہ و تنقید)

کرم :- کرم علی نام۔ تخلص کی جگہ اپنا پورا نام لاتے تھے۔ کربل کتھا (۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۲ء) کے مصنف فضل علی فضلی کے چھوٹے بھائی اور اپنے عہد کے مشہور مرثیہ گو تھے۔ انھوں نے اپنے مرثیوں کا ضخیم مجموعہ "مرقع المصائب" کے عنوان سے خود مرتب کیا تھا۔ کرم علی سودا کے انتقال ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء کے بعد تک زندہ تھے۔

(مقالہ، کرم علی مرثیہ گو۔ سہ ماہی 'تحریر' بابت ماہ جنوری، مارچ ۶۷ء)

کولی :- اس کا نام شیخ کولی تھا۔ قتیل لکھنوی نے اپنے ایک خط میں اس کا نام لیا ہے۔ رقعات قتیل مطبوعہ ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء کے حاشیے پر یہ اطلاع دی گئی ہے کہ لکھنؤ میں لعل دروازے کے متصل اس کی دوکان آج بھی موجود ہے۔

(رقعات قتیل)

گدا :- میرزا گدا علی نام، گدا تخلص بہو بیگم صاحبہ مادرِ نواب آصف الدولہ کی سرکار سے وابستہ تھے اور موصوفہ کے انتقال (۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۶ء) کے بعد

اُن کے متعلقین کی ڈیوڑھیوں کے داروغہ مقرر ہوئے. چونکہ اس عہدے میں بڑی مالی منفعت تھی، اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دولت والے ہو گئے. گدا لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کے قدیم دور میں شمار کیے جاتے ہیں. ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء میں انتقال کیا.

(سوانحات سلاطینِ اودھ)

گویا :- فقیر محمد خاں نام، گویا تخلص. محمد بلند خاں کے بیٹے تھے. حسام الدولہ تہور جنگ کا خطاب غازی الدین حیدر نے عطا کیا تھا. گویا بہادر آدمی تھے. ناسخ کے شاگرد تھے اور ان کے انتقال کے بعد خواجہ وزیر (متوفی ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء) سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے. گویا کا دیوان ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء میں کانپور سے چھپا تھا. نثر میں انھوں نے انوار سہیلی کا ترجمہ بستانِ حکمت (سالِ اتمام ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء) کے نام سے کیا تھا جو متعدد بار چھپ چکا ہے. گویا کا ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء میں انتقال ہوا.

(تاریخ ادب اردو، دیوانِ احمد)

محمد ابراہیم :- حافظ محمد ابراہیم مشہور خطاط نور اللہ کے بیٹے تھے. یہ خطاطی میں اپنے والد کے شاگرد تھے. انھوں نے خطِ نستعلیق کے دائروں میں ترمیم بھی کی ہے. یعنی بیضوی دائروں کو کچھ گول کر کے آفتابی دوائر کے قریب پہنچا دیا ہے مگر آفتابی نہیں ہونے دیا ہے. یہ ترمیم بہت پسند کی گئی اور بیشتر خوشنویسانِ عصر نے اس کا اتباع کیا. مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی انھیں کے شاگرد تھے.

(تذکرۂ خوش نویساں)

محمد رضا :- مولانا محمد حسین نوگانوی نے محمد رضا کو کشمیری الاصل

فیض آبادی بنایا ہے اور سبیکۃ الذہب کے حوالے سے اُن کا ترجمہ یوں پیش کیا ہے :-

"آپ جناب غفراں مآب (مولانا سید دلدار علی) کے معاصرین میں سے تھے۔ بڑے زاہد و عارف باللہ اور راضی قضا و قدر پر تھے نڑے پاک طینت اور تارک الدنیا تھے۔ حرام تو کیا کبھی حلال و مُباح کی طرف بھی رغبت نہ کی۔ لوگوں کا غلہ اُجرت پر پیستے تھے اور اسی محنت و مشقت سے کسب معاش کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور پھر فقرا اور غُربا کی بھی امداد کرتے رہتے۔ مگر سلاطین و امراء و عمائد ذرہ سا کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔"

(تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلما)

محمد شاہ :- مرزا روشن اختر نام، جہاں دار شاہ کا بیٹا اور بہادر شاہ کا پوتا تھا۔ قدسیہ بیگم کے بطن سے ۲۵۔ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ / ۱۰۔ اگست ۱۷۰۲ء کو شیر گڑھ میں پیدا ہوا۔ ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ / ۱۹۔ ستمبر ۱۷۱۹ء کو اکبر آباد میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور ابوالفتح یا ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ لقب اختیار کیا۔ بہت رنگین مزاج اور عیاش بادشاہ تھا۔ چنانچہ مورخین نے اُسے "رنگیلا" کا خطاب دیا ہے۔ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر ۲۰۔ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ / ۱۶۔ اپریل ۱۷۴۸ء کو فوت ہوا اور خاندان تیموریہ کو تباہی کے کنارے پر پہنچا گیا۔

(تاریخ ہندوستان)

مدہوش :- لالہ درگا پرشاد نام، مدہوش تخلص۔ لالہ جے نرائن کے بیٹے اور راجہ رتن کے پوتے تھے۔ قاضی محمد صادق اختر کے شاگرد اور

دوست تھے۔

مدہوش کے دادا محمد شاہ کی سرکار میں نوکر تھے۔ اور ان کے والد شاہ عالم کے دربار سے وابستہ تھے۔ مدہوش اوائل جوانی میں دہلی چھوڑ کر کانپور چلے آئے اور ساری عمر وہیں بڑی خوشحالی میں بسر کی۔ مدہوش سرور کے دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے فسانۂ عجائب میں شامل طویل قطعۂ تاریخ تصنیف بھی نظم کیا تھا۔ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے۔

(تذکرۂ صبح گلشن)

مرزائی صاحب :- مرزا محمد علی نام، مرزا خیر اللہ فرمان نویس کے بیٹے اور میاں عبدالکریم قادری کے شاگرد تھے۔ مرزائی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آغا رشید کی طرز پر نستعلیق بہت خوب لکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے ممتاز خطاط اور اُستاد تھے۔ نواب آصف الدولہ کے بیٹے مرزا وزیر علی ان کے شاگرد تھے۔

(صحیفۂ خوش نویساں)

مسکین :- میر عبداللہ نام، مسکین تخلص۔ محمد شاہی دور میں دہلی کے سب سے مشہور مرثیہ گو تھے۔ فضلی نے کربل کتھا (۱۱۴۵ھ/۱۷۳۲ء) میں اُن کے مرثیوں کے متعدد اقتباسات نقل کیے ہیں۔ مسکین کے دو بھائی حزیں اور غمگین بھی مرثیہ کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اسپرنگر نے شاہانِ اودھ کے کتب خانوں میں "مراثیٔ مسکین" کے دو ضخیم مجموعے دیکھے تھے۔ گارساں دتاسی نے ان کے مرثیوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ۱۸۴۵ء میں پیرس سے شایع کیا تھا۔

(مقالہ "مسکین مرثیہ گو": ماہ نامہ 'آج کل'، دہلی، بابت مئی ۶۲ء)

مکا خیاط :- مکا خیرآباد، ضلع سیتاپور کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ دین محمد ایک معمولی درزی تھا۔ مکا خیرآباد سے لکھنؤ چلا آیا تھا۔ یہاں نصیر الدین

حیدر نے اسے اپنے توشہ خانے کا داروغہ مقرر کیا تھا۔ بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ نئی نئی وضعوں کی تراش خراش اور قدیم لباسوں میں جدتیں پیدا کرنا اُس کا طرۂ امتیاز تھا۔ بادشاہ نے بارہ گاؤں کی معافی پرگنہ خیر آباد میں اُسے عطا کی تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ اور بیگمات کی طرف سے برابر بڑے بڑے انعامات پاتا رہتا تھا۔ سرور نے فسانۂ عبرت میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(مکاتیب: نیا دور، لکھنؤ، بابت جنوری ۱۹۶۶ء)

مولوی: محمد عظمت ناحی کاکوروی نے میر علی سوز خوان کے شاگردوں میں مولوی اور میاں احمد علی کا تذکرہ کیا ہے اور اوّل الذکر کا نام مولوی قوی بتایا ہے۔ اور "ہنرور آدمی" کہہ کر اُس کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔

(مرقع خسروی: قلمی)

مولوی انوار: احمد انوار الحق نام، ملا احمد عبدالحق کے بیٹے تھے۔ لکھنؤ میں ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں ولادت ہوئی۔ ملا احمد حسن اور ملا حسن کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۷ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی اور بڑے صاحب کشف و کرامات ہوئے۔ ۲۶ شعبان المکرم یوم سہ شنبہ ۱۲۳۶ھ/۲۹ مئی ۱۸۲۱ء کو وفات پائی اور اپنے باغ میں جو کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ کے متصل ہے مدفون ہوئے۔ مزار آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

(اغصان اربعہ)

مولوی عمدو: منجھی مولوی عمدو عہد نصیر الدین حیدر میں گزرے ہیں۔ وہ کئی تاؤ کا کنکوا (پتنگ)، جو ستر بہتر تار کی ڈور سے اڑایا جاتا تھا، بہت عمدہ ورا لڑانے میں مشہور تھے۔ اُن کا ذکر محمد عظمت ناحی کاکوروی نے یوں کیا ہے:-

"مولوی عمدو نے پتنگ ایسا اُڑایا کہ سو تار کی ڈور پر پتنگ بہتا

سا کھینچا، اور چٹکی کے اشاروں پر بہت بڑھ کر کام کرتا (کذا) چلت پھرت میں یکتا۔ ہر کہیں پینچ اکہرا دوہرا رہتا اور چھوٹی تکل چار انگل کے نخ بانے پر اوروں نے اُڑائی۔"

(مرقع خسروی: قلمی)

مولوی مُبین :- محمد مُبین نام، مُلّا محبّ اللہ کے بیٹے اور مُلّا حسن کے شاگرد تھے۔ نہایت منکسر مزاج اور شیریں بیاں تھے۔ ہر جمعے کو مسجد فرنگی محل میں وعظ فرماتے تھے۔ بے مثل حلِ مطالب کرنے والے، جامع معقول اور منقول حاوی فروع و اُصول واعظ و محدّث تھے۔ متعدد کتابوں کے مُصنّف تھے۔ ۲۲۔ ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ/ ۲۷۔ مئی ۱۸۱۰ء کو انتقال ہوا۔

(تذکرہ علماے فرنگی محل)

مولوی مخدُوم :- سید محمد مخدُوم ایک ذی علم مُدرّس اور اُصولِ فقہ کے زبردست ماہر تھے۔ ان کے مدرسے اور مسجد کے خرچ کے لیے آصف الدولہ بہادر کے نائب مُختار الدولہ طبا طبائی نے دو روپے یومیہ مقرر کیے تھے۔ آصف الدولہ بہادر کے دیوان راجہ ٹکیت رائے کی عرض داشت پر نواب نے ان کے لیے گئی گاؤں معاف کر دیے تھے۔ ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ ناسخ لکھنوی کا مادّۂ تاریخ یہ ہے ؎

مخدوم زمانہ مُرد صد حیف

(ثمرات الانظار: بحوالہ مقالہ "شاہانِ اودھ کا علمی ذوق" مشمولہ نذرِ ذاکر)

میر :- محمد تقی نام، میر تخلص۔ محمد علی کے بیٹے تھے۔ ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۲ء کے اوائل میں آگرے میں پیدا ہوئے لیکن عنفوانِ شباب ہی میں وہ دہلی چلے گئے۔

اور وہیں خان آرزو کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ میر دہلی کی تباہی کے بعد نواب آصف الدولہ بہادر کی خواہش پر لکھنؤ چلے آئے تھے اور یہیں ۲۰۔ شعبان المکرم، یوم جمعہ ۱۲۲۵ھ/ ۲۱ ستمبر ۱۸۱۰ء کو پیوندِ خاک ہوئے۔

میر کا کلیات جملہ اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ یہ اُن کی زندگی میں کلکتے سے شایع ہوا تھا۔ دواوین کے قلمی نسخے بھی بہت ملتے ہیں۔

(میر تقی میر، حیات اور شاعری)

میر امن :۔ میر امن نام، لطف تخلص۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے آبا و اجداد سلاطینِ مغلیہ کے زمانے میں وظائف اور جاگیروں سے معزز و ممتاز تھے۔ دہلی کی تباہی کے بعد گھر سے نکل کر پٹنہ پہنچے۔ وہاں کچھ مدت رہ کر کلکتے روانہ ہوئے، جہاں دلاور جنگ بہادر کے چھوٹے بھائی میر محمد کاظم کی تعلیم و تربیت اُن کے سپرد تھی۔ اسی زمانے میں میر بہادر علی حسینی نے میر امن کا تعارف ڈاکٹر گلکرسٹ سے کرا دیا۔ جن کی فرمائش سے انھوں نے اپنی مشہور کتاب "قصۂ چہار درویش" لکھی، جس کا تاریخی نام "باغ و بہار" (۱۲۱۷ھ) ہے۔ اس کے علاوہ "گنجِ خوبی" بھی ان کی تصنیف ہے۔

(گنجِ خوبی، تاریخ ادبِ اُردو)

میر علی :۔ ان کا اصل نام میر علی ہے، مگر تذکروں میں انھیں خواجہ میر علی تبریزی، ملا میر علی وغیرہ لکھا گیا ہے۔ میر علی کو خطِ نستعلیق کا واضع اور موجد تسلیم کیا گیا ہے۔ خطِ نستعلیق کی ایجاد کا زمانہ ۷۳۰ھ/ ۱۳۲۹ء اور ۷۷۰ھ/ ۱۳۶۸ء کے درمیان قرار دیا گیا ہے۔

(تذکرۂ خوشنویساں)

میر علی (سوز خوان) میر علی سوز خوان مشہور درویش خواجہ محمد باسط

کے نواسے اور میر نصیر کے بیٹے تھے۔ علم موسیقی میں باکمال تھے۔ انھوں نے سوز خوانی کو بڑی ترقی دی اور اسے ایک اعلیٰ درجے کا فن بنایا' مگر سوز اپنے گھر کی مجلس ہی میں پڑھتے تھے۔ نواب سعادت علی خاں نے اُن کا دو سو روپے درماہہ خانہ نشینی مقرر کیا تھا۔ میر علی سوز خوان کا ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں انتقال ہوا۔ رشک لکھنوی کا مادۂ تاریخ یہ ہے ؎

ثانیِ تانسین حیف اے وائے = ۱۲۵۸ھ

(تاریخ اودھ : ج ۳)

میر نصیر :- میر نصیر مشہور درویش خواجہ محمد باسط کے داماد' خلیفہ اور جانشین تھے۔ وہ بھی خواجہ محمد باسط کی طرح ہر مہینے کی جمعرات اور یکشنبہ کو اپنے گھر پر مجلس فقرا منعقد کرتے تھے۔ عہد آصف الدولہ بہادر میں عدالت کا کام شرعی نقطہ نظر سے ہوتا تھا۔ عدالت کی افسری میر نصیر ہی کے ذمے تھی۔ ان کے بیٹے میر علی نے سوز خوانی میں بڑا نام پیدا کیا۔

(تذکرہ سفینۂ خوشگو' تاریخ اودھ)

میرک جان :- میرک جان عہد نصیر الدین حیدر کے مشہور شناور اور خواجہ باقی کے شاگرد تھے۔ محمد عظمت ناجی کاکوروی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے :-

"میرک صاحب نے کھڑی اور چپتی (کذا) تیرائی ایسی تیری کہ مردم آبی کو شرم آئی۔ پانی میں خاک اُڑائی' جیسے دریا میں آدھے دھڑ کی پتلی لگائی۔"

ان کے کمال کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نصیر الدین حیدر نے جو خود فن شناوری کے ماہر تھے میرک جان کو اپنے اُستاد میر مچھلی سے مقابلے کا حکم دیا۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ دیر تک چل بانک ہوتی رہی۔ آخر میرک جان

نے میر مچھلی کو زیر کر کے اپنے پیروں میں باندھ لیا۔ بادشاہ اپنے دو دکش بجرے پر سوار تھے۔ بجرے کے اندر سے جو نہایت تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔ روپیوں کا ایک توڑا ہاتھ میں لے کر بلند کیا اور دونوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "جو ہمارے بجرے کو پیر کر پکڑے اُسے یہ توڑا دے دیا جائے گا۔" چنانچہ میرک جان نے بڑی پھرتی کے ساتھ پیر کر بجرے کو پکڑ لیا اور موعودہ انعام حاصل کیا۔

(مرقع خسروی: قلمی، ایجادِ اکبری یعنی رسالہ پیرائی)

میرن صاحب :۔ سید حسین نام، میرن صاحب عرفیت۔ غفرانمآب مولانا سید دلدار علی کے بیٹے تھے۔ ۱۴۔ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ / ۱۶۔ اکتوبر ۱۷۹۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور بڑے بھائی مولانا سید محمد مجتہد سے تکمیل علوم کی۔ علم اور فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے معاصرین میں فوقیت رکھتے تھے۔ بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اپنا بیشتر وقت درس و تدریس اور عبادتِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ متعدد کتابوں اور رسالوں کے مصنف تھے۔ ۱۸۔ صفر المظفر ۱۲۷۳ھ / ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۵۶ء کو انتقال ہوا۔ بعدِ وفات "علیین مکاں" لقب ہوا۔

(تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلما)

ناسخ :۔ شیخ امام بخش نام، ناسخ تخلص۔ شیخ خدا بخش تاجر کے بیٹے تھے۔ ۷۔ محرم الحرام ۱۱۸۶ھ / ۱۶۔ اپریل ۱۷۷۲ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی۔ بیس سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ ناسخ کو زبان کی حک و اصلاح کا بڑا شوق تھا۔ اُنھوں نے خود زبان کی تراش خراش کی اور بہت سے قواعد وضع کیے۔ پھر اپنے شاگردوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ اُنھیں دبستانِ لکھنؤ کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔

ناسخ کا کلیات پہلی بار مطبع محمدی لکھنؤ سے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں شایع ہوا تھا۔ اور ایک مثنوی "سراجِ نظم" میر علی اوسط رشک کی تصحیح کے بعد لکھنؤ سے ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں چھپی تھی۔ ناسخ کا انتقال پنجشنبہ ۲۴۔ جمادی الاوّل ۱۲۵۴ھ/۱۶۔ اگست ۱۸۳۸ء کو ہوا اور اپنے مکان واقع ٹکسال، لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔

(ناسخ : تجزیہ و تقدیر)

ناظم :۔ ناظم تخلّص۔ نام کا پتا نہیں چلتا۔ فسانۂ عجائب میں سرور نے اپنے مخصوص انداز میں لکھنؤ کے جن مرثیہ کہنے والوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں یہ بھی شامل ہیں۔ ناظم کے قلمی مرثیے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے پُرگو مرثیہ نگار تھے۔

نصیر الدین حیدر :۔ میرزا نصیر الدّین حیدر عرف مرزا علی حیدر نواب غازی الدّین حیدر بادشاہ کے بیٹے تھے۔ ۲۲۔ جمادی الاوّل ۱۲۱۸ھ/ ۹۔ ستمبر ۱۸۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ پچیس سال کی عمر میں ۲۸۔ ربیع الاوّل ۱۲۴۳ھ/ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو تخت نشین ہوئے اور ابوالنّصر قطب الدّین سلیمان جاہ سُلطانِ عادل شاہِ زماں کا لقب اختیار کیا۔ نصیر الدین حیدر شاعر بھی تھے۔ پادشاہ تخلّص تھا۔ مرثیے اور سلاموں میں وہ اپنا پورا نام تخلّص کے طور پر لاتے تھے نصیر الدّین حیدر بڑے عیش پسند اور حُسن پرست واقع ہوئے تھے۔ تخت نشینی کے بعد کروروں روپے عیش و عشرت پر خرچ کیے۔ آخر ۳۔ ربیع الثّانی ۱۲۵۳ھ/ ۸۔ جولائی ۱۸۳۷ء کو اُنھیں کوٹھی گلشنِ ارم میں زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔ اپنی ہی تعمیر کردہ کربلا جو دریائے گومتی کے اس پار محلّہ اراوت نگر میں ہے مدفون ہوئے۔

(سوانحاتِ سلاطینِ اودھ، تاریخ اودھ : ج ۳)

نوازش :۔ آغا نوازش حسین خاں نام، مرزا خانی عرفیت۔ نوازش تخلص۔ حسین علی خاں ابن نواب ناصر خاں صوبے دار کابل و پشاور کے بیٹے تھے۔ اکبر آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں ان کا نشو و نما ہوا۔ میر سوزؔ کے شاگرد اور شعر خوانی میں اپنے اُستاد کے صحیح جانشین سمجھے جاتے تھے۔ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء میں انتقال ہوا۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ اسپرنگر نے شاہانِ اودھ کے کُتب خانوں کی فہرست میں "دیوانِ نوازش" کا ذکر کیا ہے۔

(مقالہ "دیوانِ نوازش": ماہ نامہ "آج کل" دہلی، جولائی ۱۹۶۲ء)

نیریز :۔ میرزا احمد نیریز۔ جو ایران کے شہر کرمان شاہ کے قریب نیریز کے رہنے والے تھے۔ یہ خطِ نسخ کے بے مثل خطاط گزرے ہیں۔ ان کے بعد سے آج تک ایران میں ایسا خوشنویسِ نسخ پیدا نہیں ہوا۔

(فرہنگ آنند راج)

ہوسؔ :۔ مرزا محمد تقی خاں نام، ہوسؔ تخلص۔ ان کے والد نواب بہو بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے۔ ہوسؔ ابتدا میں میر حسنؔ کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے۔ ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء میں انتقال ہوا اور کالے امام باڑے (واقع محلّہ پیر بخارا) کے متصل اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ہوسؔ نغز گو شاعر تھے۔ اُن کا کلیات جُملہ اصنافِ سُخن پر مشتمل ہے۔ کلام کا مختصر انتخاب حسرتؔ موہانی نے چھاپا تھا۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں مطبع مصطفائی لکھنؤ نے شایع کی تھی۔

(لکھنؤ کے چند نامور شعرا)

یاقوت رقم :۔ ان کا اصل نام عبد اللہ تھا، مگر عبد الباقی حداد کے نام

سے مشہور تھے۔ شاہجہانی عہد کے بہترین خطاط تھے۔ اُنھوں نے اورنگ زیب کی خدمت میں اپنا قلمی قرآن مجید پیش کیا تھا جو صرف تیس اوراق پر مشتمل تھا۔ اسی کے صلے میں دربارِ شاہی سے "یاقوت رقم" کا خطاب ملا تھا۔ ہندوستان میں چند شاگردوں کو چھوڑ کر خود ایران چلے گئے تھے۔ ان کی ایک قلمی حمائل شریف دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔

(صحیفۂ خوش نویساں)

آثار و اماکن

ابو تُراب خاں کا کٹرہ [دیکھیے کٹرے]

استری منجن :- استری منجن سنسکرت نام ہے۔ اس کا صحیح املا استری مجن (स्त्री मज्जन) ہونا چاہیئے۔ لُغوی معنی ہوئے "بیگمات کا غُسل خانہ" لیکن اس عمارت کی تفصیلات کا پتا نہیں چلتا۔ مولوی نجم الغنی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے انتقال کے بعد مکا خیاط اسی عمارت میں قید کیا گیا تھا۔

(تاریخ اودھ : ج ۴)

اکبری دروازہ :- بازار چوک (لکھنؤ) میں جنوب کی طرف سے داخل ہوتے وقت ایک خاصا بلند و کُشادہ دروازہ ملتا ہے جو اکبری دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا عبدالحلیم شررؔ کے بیان کے مطابق اُسے اکبر بادشاہ کے عہدِ آخر کے نائب صوبے دار اودھ قاضی محمود بلگرامی نے بادشاہ کے نام سے تعمیر کرایا تھا۔ مرزا جعفر علی حسرتؔ لکھنوی کی عطّاری کی دکان اسی اکبری دروازے میں تھی۔

(گزشتہ لکھنؤ)

امام باڑہ :- امام باڑے سے سرورؔ کی مُراد نواب آصف الدولہ بہادر کے تعمیر کردہ بڑے امام باڑے سے ہے جو لکھنؤ کی تمام عمارتوں میں سب سے بہتر

ہے۔ اور شاہانِ اودھ کے عظیم کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ اسے نواب موصوف نے قحط کے زمانے میں رعایا کی مشکلات دُور کرنے کی غرض سے تعمیر کرایا تھا۔

یہ امام باڑہ نہایت مضبوط و مُستحکم ہے۔ اس کے دالان کا طول ۱۶۳ فیٹ عرض ۵۳ فیٹ اور اونچائی ۵۰ فیٹ ہے۔ دیواروں کی چوڑائی ۱۶ فیٹ ہے۔ دالان کے مشرق میں ایک ہشت پہل کمرہ ہے۔ مغرب میں بھی ایک بڑا کمرہ ہے۔ چھت بے سُتون ہے اور اس کے اوپر گول بُھلیاں ہیں۔ اتنی بڑی لداؤں کی چھت ساری دُنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اس لیے یہ عمارت دنیا کی عجوبہ عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔

امام باڑے کے وسیع احاطے میں مغرب کی طرف ایک عالی شان مسجد ہے جو دہلی کی جامع مسجد کی نقل ہے۔ یہ دونوں خوب صورت اور قابلِ دید عمارتیں ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء میں بن کر تیار ہوئی تھیں۔

(تاریخِ اودھ۔ تاریخ لکھنؤ)

اندراسن:۔ یہ مکان نصیر الدین حیدر بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا جو چھوٹی چھتر منزل کے قریب، مشرق میں، واقع تھا۔ سرورؔ نے فسانۂ عجائب میں اس مکان کا ذکر یوں کیا ہے۔

"اندراسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا، تمام شہر مہکتا رہا۔"

تاریخ اودھ موسوم بہ "نادر العصر" میں اس کا ذکر لکھنؤ کی چند خوب صورت عمارتوں کے ضمن میں آیا ہے۔ منشی رام سہائے تمنّا لکھنوی بیان کرتے ہیں کہ "تقریبِ تواضعِ انگریزاں اسی میں ہوتی تھی۔" غدر کے ہنگامے میں یہ مکان مسمار ہو گیا۔

(احسن التواریخ)

پکا پُل :- یہ پُل مرزا محمد مقیم صفدر جنگ کے زمانے میں تعمیر ہونا شروع ہوا تھا اور نواب آصف الدولہ بہادر کے عہد ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء میں مکمل ہوا۔ "پُل استوار و متین" مادۂ تاریخ ہے۔ ہنگامۂ غدر میں یہ پُل کسی قدر مخدوش ہو گیا تھا اس لیے بارود سے اُڑا دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نیا پُل ۱۹۱۴ء میں لارڈ ہارڈنگ (LORD HARDING) کے نام سے تعمیر کیا گیا۔ لیکن آج بھی یہ "پکّے پُل" ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(تاریخ لکھنؤ)

پیر بُخارا۔ پیر بُخارا کوئی بزرگ تھے۔ لیکن ان کے حالات کا پتا نہیں چلتا۔ لکھنؤ میں ان کے نام کا ایک محلّہ ہے جو گول دروازے سے ہردوی روڈ اور حسین آباد کے راستے کے نشیب میں واقع ہے۔ میر خلیق جب فیض آباد سے لکھنؤ آتے تو پیر بخارا میں ٹھہرتے تھے۔ محلّے کی مشہور عمارت کالا امام باڑہ ہے۔ کسی زمانے میں اس محلّے میں کچھ گھر شہدوں کے بھی تھے۔

(تاریخ لکھنؤ)

جدھا، کھجوا :- جدھا اور کھجوا دو چشموں کے نام ہیں۔ خواجہ عشرت لکھنوی بیان کرتے ہیں کہ جدھا عیش باغ میں مسجد اور پُل کے دوسری طرف بہتا تھا اور اس کے قریب ہر طرح کے میووں کے سرسبز و شاداب درخت لگے تھے۔ اس سے کچھ فاصلے پر کھجوا تھا۔ کھجوے کی تمام زمین کالی مٹی کی ہے اور یہ مٹی کھلونے اور برتن بنانے کے کام آتی ہے۔ اب یہ دونوں چشمے خشک ہو چکے ہیں اور اس جگہ کھجوے کے نام سے پورا ایک محلّہ آباد ہے۔ "کتب خانۂ ناصریہ" وہاں کی مشہور عمارت ہے۔

("اودھ کے شاہی میلے" زمانہ، بابت جولائی ۱۹۲۶ء)

جلو خانہ :- رومی دروازے سے پچھم کی جانب آئیے تو دولت خانہ یا

لکھنؤ کا قدیم محل تھا جو آصفی کوٹھی کہلاتا تھا۔ آصف الدولہ بہادر اسی میں دربار کرتے تھے۔ اس کے متصل جو دوسری عمارتیں تھیں ان کے نام یہ ہیں :- (۱) آئینہ خانہ (۲) گیند خانہ (۳) سنگی دالان۔ ان مکانات میں آصف الدولہ بہادر اور اُن کے عملے کے لوگ رہتے تھے۔ ان عمارتوں کے سامنے ایک بڑا دورویہ بازار تھا جو رومی دروازے تک چلا گیا تھا۔ یہی تمام علاقہ "چلو خانہ" کہلاتا تھا۔ اب ان میں سے کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔

(۱۔ تاریخ لکھنؤ ۔ ۲۔ Lucknow Past and Present

(By Ikramuddin Qidwai

دل آرام :- کوٹھی دل آرام نواب سعادت علی خاں بہادر (متوفی ۲۲۔ رجب ۱۲۲۹ھ / ۱۱۔ جولائی ۱۸۱۴ء) نے دریائے گومتی کے شمالی کنارے پر تعمیر کرائی تھی (بعد میں بڑی چھتر منزل اسی کے روبرو بنائی گئی)۔ کوٹھی دل آرام سہ منزلہ خوش وضع عمارت تھی۔ جہاں نواب موصوف اُمورِ ملکی سرانجام دینے کے بعد آرام کرتے تھے۔ اس کے متصل ایک بارہ دری تھی جس کے کچھ حصے بیچ دریا میں تھے۔ چناں چہ اس میں بیٹھ کر اکثر نواب مچھلی کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ یہاں سے غروبِ آفتاب کا منظر نہایت مسحور کُن ہوتا تھا۔ "دی لکھنؤ ایلبم" مُرتبہ داروغہ عباس علی، طبع نول کشور پریس، ۱۸۹۴ء میں اس عمارت کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : "دی لکھنؤ ایلبم")

دلکشا :- یہ کوٹھی نواب سعادت علی خاں نے اپنے سیر و شکار کی غرض سے شہر سے چند میل دور[۱] ایک بلند قطعۂ زمین پر تعمیر کرائی تھی۔ باہر کے رُخ پر ایک

---

[۱] یہ اب صدر یعنی کنٹونمنٹ کا علاقہ ہے۔

بہت بڑا پھاٹک تھا۔ عمارت کے چاروں طرف ایک وسیع چراگاہ تیار کرا کے ایک مضبوط دیوار کھنچوا دی گئی تھی اور اس کے احاطے میں شکار کے لیے ہرن، چکارے بارہ سنگے وغیرہ چھڑوائے گئے تھے۔ چونکہ یہاں سے سارے شہر اور دریا کا نظارہ اچھی طرح ہوتا تھا اس لیے سیر و تفریح کے لیے اکثر بیگمات وہاں جایا کرتی تھیں۔ ابھی اس عمارت کے کچھ حصے محفوظ ہیں۔

(۱۔ گزشتہ لکھنؤ۔ ۲۔ نادر العصر)

رومی دروازہ :۔ رومی دروازہ نواب آصف الدولہ بہادر نے آصفی امام باڑے کے ساتھ اس وقت تعمیر کرایا تھا جب کہ اودھ میں شدید قحط پڑ رہا تھا۔ رومی دروازہ ایک بہت کشادہ، بلند اور خوب صورت محراب دار ترپولیا (سہ درہ) ہے۔ اس کی تعمیر میں اعلا درجے کے چونے اور اینٹ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور ڈاٹ دے کر اُسے نہایت مضبوط و مستحکم بنایا گیا ہے۔ اس کی بلندی ۶۰ فیٹ سے زیادہ ہے۔ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء اس کا سال تعمیر ہے۔

(۱۔ تاریخ لکھنؤ۔ ۲۔ تاریخ نادر العصر)

سرِ راہ کی بارہ دری :۔ سرِ راہ کی بارہ دری سے مُراد لال بادری ہے جسے سعادت علی خاں بہادر نے دولت خانۂ قدیم سے مُنتقلی کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ اسے "قصر السلطان" بھی کہتے تھے۔ اس بارہ دری میں تخت شاہی رہتا تھا۔ قیصر باغ کی تعمیر، ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء تک یہاں دربار ہوتا تھا۔ غازی الدین حیدر نے اس لال بارہ دری کے سامنے ایک خوبصورت باغ لگوایا تھا اور ایک نہر بنوائی تھی جو فرح بخش تک چلی گئی تھی۔

(۱۔ نادر العصر۔ ۲۔ تاریخ لکھنؤ)

سُلطان منزل :۔ سلطان منزل نواب غازی الدین حیدر نے اپنے

رہنے کے لیے تعمیر کرائی تھی۔ یہ شان دار کوٹھی موتی محل کے وسیع احاطے میں مُبارک منزل اور کوٹھی درشن بلاس کے قریب واقع تھی۔ سلطان منزل کا دوسرا نام شاہ منزل تھا۔ یہ دو منزلہ عمارت لکھنؤ کی تمام کوٹھیوں میں سب سے خوب صورت خیال کی جاتی تھی۔

نصیر الدین حیدر نے بادشاہ ہونے کے بعد اس کوٹھی کے سامنے (دریا کے اُس پار) ایک رمنہ بنوایا تھا جو حضوری باغ کہلاتا تھا۔ اس میں ہاتھی، گینڈے اور دوسرے وحشی درندے لڑائے جاتے تھے۔

(مقالہ غازی الدین حیدر (انگریزی) مخزونہ لکھنؤ یونیورسٹی۔ ۲۔ "گزشتہ لکھنؤ")

سید حسین خاں کا کٹرہ :۔ سید حسین خاں، عہد بُرہان الملک سعادت خاں میں فوج کے اعلا افسر تھے۔ ان کے کٹرے میں حیدر حسین خاں نے چوک میں آنے والوں کے لیے ایک پھاٹک بنوایا تھا جو بجائے محراب دار ہونے کے صرف ایک چھت ہے اور سقف پر رہائش کمرے، نیچے دُوکانیں ہیں۔ چوک سے پُرانا بزازہ جانے کا قدیم راستہ یہی ہے۔

("تاریخ لکھنؤ")

عیش باغ عیش باغ نوّاب آصف الدولہ بہادر نے لگوایا تھا اور یہ موتی جھیل کے کنارے، جانب شرق تھا۔ اس کے چار طرف خوش نما پھاٹک تھے۔ نواب موصوف کو اس باغ سے بڑی دل چسپی تھی۔ روزانہ بعد نمازِ صبح خود معائنے کے لیے وہاں جاتے تھے اور کوٹھی حوض بہشت میں کچھ دیر قیام کے بعد واپس ہوتے تھے۔ اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درخت اور پھول بڑے اہتمام سے لگائے گئے تھے۔ یہاں ساون کا میلہ نہایت دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ لوگ ساون کے چار جمعے جمع ہو کر میلا کرتے تھے۔ ڑکا میلا بھی عیش باغ میں ہوتا تھا۔ ایک ایرانی

سیاح میر عبداللطیف خاں شوستری، جو عہدِ آصفی میں لکھنؤ آئے تھے، اپنی مشہور تصنیف "تحفۃ العالم" میں اس باغ کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

(۱۔ سوانحاتِ سلاطینِ اودھ۔ ۲۔ "اودھ کے شاہی میلے" زمانہ۔ جولائی ۲۶ء۔ ۳۔ "تاریخ لکھنؤ۔")

فرح بخش :۔ فرح بخش جنرل مارٹن کی خوب صورت کوٹھی تھی جو علاقۂ قیصر باغ میں شیر دروازے (ٹیلی فون اکسچینج آفس) کے قریب واقع تھی۔

سعادت علی خاں بہادر اپنی تخت نشینی کے چند سال بعد بہت بیمار پڑ گئے۔ چناں چہ دولت خانۂ قدیم سے تبدیلِ آب و ہوا کے خیال سے یہاں آگئے تھے اور صحت یاب ہونے کے بعد اُسے خرید کے فرح بخش نام قرار دیا تھا۔ بیرونی حصّہ فرید بخش کہلاتا تھا۔ اس کا بڑا پھاٹک دروازۂ سلطان کے نام سے موسوم تھا۔ یہ کوٹھی عہدِ سعادت علی خاں بہادر سے قیصر باغ کی تعمیر ہونے تک محل شاہی کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اسی میں شاہی کُتب خانہ بھی تھا۔ فرح بخش کے قریب نصیر الدّین حیدر بادشاہ نے ایک عمارت بنوائی تھی جو درگاہ دوازدہ امام کہلاتی تھی۔ اس میں بارہ وسیع کمرے تھے۔ کمروں میں زربفت کے پُر کیف شامیانے آب دار موتیوں کی جھالریں ٹکی ہوئی، چوبیں گنگا جمنی، نصب تھے۔ زمین پر رکھے ہوئے خوش نما جھاڑ جن میں چالیس شمعیں روشن ہوتی تھیں، قدِ آدم آئینے ہر کمرے میں نصب تھے اور طلائی و نقرئی ضریحیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہر امام کی تاریخِ ولادت اور وفات کے موقعے پر اسی کمرے میں محفل و مجلس ہوتی تھی جو اُس امام کے نام سے منسوب تھا۔

(۱۔ تاریخ لکھنؤ۔ ۲۔ نادر العصر۔ ۳۔ لکھنؤ پاسٹ اینڈ پریزنٹ)

فرنگی محل :۔ فرنگی محل، عرصۂ دراز سے علمائے اہلِ سُنّت کے مسکن کے طور پر

مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عہدِ اکبری میں ایک فرانسیسی جو گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا، لکھنؤ آیا اور اُس نے اپنے رہنے کے لیے چوک سے متصل محلّہ چراغ بیگ میں کچھ مکانات تعمیر کیے جو عوام میں " فرنگی محل " کے نام سے مشہور رہوئے۔ مدّتِ قیام ختم ہونے پر وہ تاجر واپس چلا گیا اور یہ ساری املاک نزولِ سرکار ہو گئی۔ جب مُلّا نظام الدین سہالوی مرحوم نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی تو سرکاری عطیہ کے طور پر وہ مکانات موصوف کو دے دیئے گئے، جو آج بھی اپنے گرد و پیش کے بہت سے مکانات تک " فرنگی محل " کہلاتے ہیں۔

نوابی عہد میں فرنگی محل میں ایک میلہ لگتا تھا جس کا ذکر سرورؔ نے بھی کیا ہے۔ محمد رضا برقؔ لکھنوی، انتزاعِ سلطنتِ اودھ کے بعد مٹیا برج (کلکتہ) چلے گئے تھے۔ انھوں نے وہاں کے قیام کے دوران اپنے ایک واسوخت میں لکھنؤ کی دل چسپیوں کو یاد کرتے ہوئے فرنگی محل کا ذکر یوں کیا ہے ؎

بے فرنگی محل ان روزوں میں آرام نہ تھا
رات دن سیر سپاٹے کے سوا کام نہ تھا
لکھنؤ کی انھیں گلیوں میں پھرا کرتے تھے
غش میں آ آ کے تماشائی گرا کرتے تھے

(گزشتہ لکھنؤ)

کٹرے :- میر محمد امین سعادت خاں برہان الملک (متوفی ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء) کے عہد میں اودھ کا فوجی مستقر لکھنؤ تھا۔ اُس وقت کے مُغل سردارانِ فوج نے یہاں جن جگہوں پر پڑاؤ ڈالا تھا اور بعد میں اپنے رہنے کے لیے مُستقل مکانات تعمیر کیے وہ تمام مقامات انھیں سردارانِ فوج کے نام پر مشہور ہو گئے۔ ابو تراب خاں کا کٹرہ، بزن بیگ خاں کا کٹرہ، سید حسین خاں کا کٹرہ، میر خُدا یار خاں کا کٹرہ، سرائے معالی خاں

وغیرہ سب اُسی زمانے کے محلّے یا لشکر گاہیں ہیں۔

(گزشتہ لکھنؤ)

گُلاب باڑی :- گُلاب باڑی فیض آباد میں ہے۔ مولوی نجم الغنی رام پوری بیان کرتے ہیں کہ یہ باڑی مرزا محمد مقیم صفدر جنگ (متوفی ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء) نے بنوائی تھی۔ اس کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں گلاب بڑی کثرت سے لگے تھے۔ نواب شُجاع الدّولہ کا عالی شان مقبرہ اسی گلاب باڑی کے احاطے میں ہے۔

(تاریخ اودھ :- حصّہ ۱)

گُلشنِ ارم (گُلستانِ ارم) :- یہ شان دار کوٹھی نصیر الدّین حیدر بادشاہ نے اپنے رہنے کے لیے بنوائی تھی۔ یہ کوٹھی لال بارہ دری کے متصل ابھی موجود ہے۔ اوراس میں سرکاری دفاتر ہیں۔ اسی کے برابر ایک دوسری کوٹھی واقع ہے جس کا اصل نام درشن بلاس ہے لیکن عوام میں "چورخی کوٹھی" کے نام سے مشہور ہے۔ درشن بلاس اور گلشنِ ارم کے پہلو میں چھوٹی چھتر منزل تھی جو کچھ عرصہ ہوا کہ منہدم ہوگئی۔ یہ تینوں کوٹھیاں نصیر الدّین حیدر نے تعمیر کرائی تھیں۔

(۱۔ لکھنؤ پاسٹ اینڈ پریزنٹ ، ۲۔ بیگمات اودھ)

مقبرے :- مقبروں سے مُراد سعادت علی خاں بہادر اور اُن کی شریکِ حیات خورشید زادی کے عالی شان اور پُرشکوہ مقبروں سے ہے۔ جو قیصر باغ کے جانبِ شمال واقع ہیں۔ یہ مقبرے غازی الدّین حیدر بادشاہ نے تعمیر کرائے تھے۔ اس علاقے میں ارکانِ سلطنت کی خریداری کے لیے ایک بڑا بازار بھی تھا۔ جو خاص بازار کہلاتا تھا۔

(تاریخ لکھنؤ)

منصور نگر :- یہ پُرانے لکھنؤ کا مشہور محلّہ ہے۔ مولانا عبدالحلیم شرر کا

کا بیان ہے کہ محلہ منصور نگر، عہدِ شاہجہانی کے صوبے دار سلطان علی شاہ قلی خاں نے اپنے بیٹے مرزا منصور کے نام پر، محلہ محمود نگر سے جنوب کی طرف آباد کیا تھا۔
(گزشتہ لکھنؤ)

موتی جھیل :۔ موتی جھیل عیش باغ کے وسط میں تھی اور اس جھیل میں اتنی گہرائی اور گنجائش تھی کہ بڑے بڑے پیراک وہاں اپنی پیراکی کے جوہر دکھاتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ یہ جھیل بنائے آصفی ہے۔

(۱۔ "اودھ کے شاہی میلے" از خواجہ عشرت لکھنوی، زمانہ، جولائی ۱۹۲۶ء
۲۔ فسانۂ عبرت)

فرہنگ

آب داری: چمک دمک۔ خوبی۔ طراوت۔

آبی: خمیری روٹی کی ایک قسم جس میں دودھ گھی نہیں ڈالتے اور تنور میں پکاتے ہیں۔

آپی: آپ ہی کا مخفف۔ خود ہی سے

قصد تھا گل کرنے کا جل جل کے آپی بجھ گئی (رشک لکھنوی)

آتوں: اُستانی جو لڑکیوں کو پڑھنا لکھنا سکھائے۔

آخوں (آخوند): معلّم۔ اُستاد۔

آرام پائی: ایک قسم کا نرم گھیتلا جوتا جس کی ایڑی بلند اور پنجہ چوڑا ہوتا ہے۔

آرسی مُصحف: شادی بیاہ کی ایک رسم ہے۔ اس میں بعد عقد نکاح دولھا دلہن کو پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کراتے ہیں۔ پھر آئینہ درمیان میں رکھ کر اُس میں دونوں کو ایک دوسرے کی صورت دکھاتے ہیں۔

آسن: جوگیوں اور فقیروں کے بیٹھنے کا طریقہ

آشنا: دوست۔ پانی میں تیرنے والا۔

آغشتہ: (آغشتن سے اسم مفعول)، آلودہ۔ لتھڑا ہوا۔

آلا: زخم تازہ۔ وہ زخم جو مندمل ہو کر پختہ نہ ہوا ہو ع

ٹھیس اس کو لگاتے نہیں، جو زخم ہو آلا (جرأت)

آنکھ بدلنا: رُخ بدلنا۔ تیور بدلنا۔ بے مُروّت ہو جانا۔ یکایک غصّے میں آجانا۔

آنکھ چُرانا: اغماض کرنا۔ ندامت، شرمندگی یا کسی اور وجہ سے سامنے نہ دیکھنا۔

آیۂ وافی ہدایہ: ہدایت کو پورا کرنے والی آیت۔

اُپج: تان۔ بول۔ لَے۔ سُر کو ملا کر گانے والے جو چیز پیدا کرتے ہیں وہ اُپج ہے۔

اَتھک: نہ تھکنے والا، بڑا محنتی۔

اُٹکرلیس: بے ہودہ۔ بے قرینہ۔

اُچھال چھکّا: شوخ و بدمزاج عورت۔ بدوضع عورت۔

احیاناً: اتفاقاً۔ کبھی کبھی۔

اخوان الشّیاطین: شیطان کے بھائی بند۔ شریر لوگ۔

ادرک کا لچھا۔ باریک کتری ہوئی ادرک۔

ادوچہ: پلنگ کی پُر تکلّف سفید چادر جس کے حاشیے پر کارچوبی کام بنا ہو۔ یہ چادر پلنگ پوش اور توشک کے نیچے بچھائی جاتی ہے۔ جس کا حاشیے دار کنارہ قریب آدھ آدھ گز کے نیچے لٹکتا رہتا ہے۔

اُدھر: معلّق۔ نہ ادھر نہ اُدھر۔ عوامی تلفظ ادھڑ ہے۔

اُدھم: سیاہ رنگ کا گھوڑا۔

ادھی: پیسے کا آٹھواں حصّہ۔ ایک قسم کا نہایت عمدہ اور باریک کپڑا۔

اذفر: خالص۔ ہر وہ چیز جس کی بو تیز ہو۔ جیسے مُشکِ اذفر۔

اربعین۔ چالیس دن۔ حضرت امام حسینؑ کے چہلم کا دن (چالیسواں) جو ہر سال ۲۰۔ صفر المظفر کو منایا جاتا ہے۔

ارجل: وہ گھوڑا جس کا ایک پاؤں سفید اور تین دوسرے رنگ کے ہوں۔ ایسا گھوڑا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

اُردوے معلیٰ: دربار کے اعلا لوگوں کی زبان۔ فصیح اور مستند اردو۔

ارژنگ: چین کے ایک مشہور نقاش کا نام۔ دراصل یہ ایران کے مدعی نبوت مانی کے صحیفے کا نام تھا۔

ارسطو: یونان کا مشہور حکیم اور فلسفی جو افلاطون کا شاگرد تھا۔ علم منطق سب سے پہلے اُسی نے مدون کیا۔ فلسفۂ جدید و قدیم دونوں اُس کی تحقیقات کے مرہون منت ہیں۔

ارگجہ: ایک مرکب خوش بو کا نام جو صندل، کافور، مشک، عنبر اور چمیلی کے تیل سے تیار کی جاتی ہے۔

ارمغان: تحفہ۔ انوکھی چیز۔ ہدیہ۔

اریکہ: وہ تخت جس پر چھت اور پردہ ہو۔ آراستہ پیراستہ تخت۔

اڑواڑ: وہ لکڑی جو پرانی چھت کے نیچے روک کے طور پر لگا دیتے ہیں۔ ٹیکن، پشتی۔

از ماست کہ بر ماست: ہم پر جو مصیبت ہے وہ ہماری ہی بدولت ہے۔

اسپ وزن و شمشیر وفادار کہ دید: وفادار گھوڑا، وفادار عورت اور وفادار تلوار کس نے دیکھی ہے۔

استغفر اللہ: میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ توبہ، نفرت یا کسی فعل

سے انکار کی جگہ پر بولتے ہیں۔

اسفلُ السافلین: دوزخ کا سب سے نیچا یعنی ساتواں طبقہ۔

اِسفندیار: ایران کے ایک شہزادے کا نام جس کو رستم نے تیر دوشاخہ سے اندھا کرکے مار ڈالا تھا

اشکِ بُلبُل: افیون کی خفیف سی مقدار۔

اصحابِ فیل: وہ لوگ جو ابرہہ، والی یمن کے ساتھ ہاتھیوں پر چڑھ کر خانۂ کعبہ ڈھانے آئے تھے۔

اصیل: لونڈی۔ روٹی پکانے والی عورت۔

افشانی پتھر: وہ پتھر جس پر ننھے ننھے نقطے پڑے ہوں۔

افلاطون: یونان کا مشہور زمانہ حکیم اور فلسفی۔ یہ سُقراط کا شاگرد اور ارسطو کا اُستاد تھا۔

اکاس دیا: چندر کرنت۔ سورج کرنت۔ اونچے بانس یا مینار پر روشن ہونے والا چراغ جو خاص خاص تقاریب کے موقع پر جگہ کے پتے کی علامت کے طور پر جلایا جائے۔

اک پینچے (اک پینچا) ترچھی پگڑی جو اکثر بانکے ترچھے لوگ باندھتے تھے۔

اک چوبا: خیمے کی ایک قسم۔

اکتارے (اکتارا): تنبور سے مشابہ ایک تار کا باجا جس پر اکثر ہندو فقیر بھجن گاتے ہیں۔ ایک قسم کا سفید کپڑا جس پر ننھے ننھے سے خانے ہوتے ہیں۔

اکّا: ایک قسم کا زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے۔ اس میں ایک بڑا نگینہ جڑا ہوتا ہے۔

اکّے: وہ سپاہی جو اپنے متن کے لوگوں کی رپورٹ فوج کے افسر اعلیٰ کو

بھیجتا ہے۔ ایک قسم کے ہندستانی سپاہی جنھیں احدی کہتے ہیں۔ بہادر آدمی۔

اگر خواہی سلامت برکنار ست: اگر سلامتی چاہتے ہو تو (دریا کے) کنارے پر رہے۔

الحاح: منّت کرنا۔ گڑگڑانا۔

السیٹھ: جھگڑا۔ دھاندلی۔ اُلجھاؤ۔

اُلش: کھانے پینے کی چیز جو امیروں یا بزرگوں کے آگے سے بچی ہو۔

المست: نفسانی خواہشوں میں بھرا ہوا۔ بدمست۔ سرشار۔

اُلوف: ہزاروں (واحد الف)

اللہ رے: عظمت، بزرگی وافزونی کے اظہار کے علاوہ اس سے تحقیر، خفگی وغیرہ کا بھی مفہوم ادا ہوتا ہے۔

اُلیل: گھوڑے کی شوخی۔ اچھل کود۔

امام ضامن۔ آٹھویں امام حضرت علی رضا ابن موسیٰ کاظمؑ کا اسم مبارک۔ امام ضامن اُس سکّے کو بھی کہتے ہیں جو امام رضا کو ضامن بنا کے بیمار یا مُسافر کے بازو پر اُس کے عزیز واقارب باندھ دیتے ہیں۔ بعد میں وہ سکّہ کسی غریب سید کو نقد دے دیا جاتا ہے۔

اِمرتی: ایک قسم کی مٹھائی جو ماش کی دال سے بنائی جاتی ہے۔

اَمرِ شُدنی: ہونے والی بات ہو کے رہتی ہے۔

اندھا کنواں: ایسا کنواں جس میں پانی نہ ہو۔

انشاء اللہ: اگر اللہ نے چاہا۔ زمانۂ آئندہ کے متعلق جب کوئی بات کہی جاتی ہے تو اس کلمے کا استعمال کیا جاتا ہے۔

انگرکھا: ایک قسم کی مردانہ پوشاک۔

اوچھی : بانکا سپاہی۔ مسلّح سپاہی
اود اتسا : ایک آسن ہے جس میں جوگی اور رشی حبسِ دم کرتے ہیں۔
اود اسا کسنا: ترکِ دنیا کرنا۔ فقیری لینا۔
اودھ بنگلا : سعادت خاں بُرہان الملک نے اجودھیا سے متّصل دریائے گھاگھرا کے کنارے اپنے قیام کے لیے پھونس کا بنگلا بنوایا تھا۔ بعد کو صفدر جنگ کے زمانے میں یہ فیض آباد سے موسوم ہوا۔
اورگی : کارچوبی جوتی کا پتا۔
اہتزاز : ہوا کا چلنا۔ پھولوں کا کھلنا۔
اے آمدنت باعثِ آزادیِ ما : اے کہ تیرا آنا ہمارے لیے آزادی کا باعث ہے۔
اے بسا آرزو کہ خاک شد : افسوس، کتنی آرزوئیں خاک ہو گئیں۔
اے روشنیِ طبع تو برمن بلا شدی : اے میرے ذہن کی تیزی تو میرے لیے بلا ہو گئی۔
ایک ڈر دو طرف : اپنے اپنے مقام پر سب خائف ہوتے ہیں۔ حریف کو بھی اپنی جگہ خیال ہوتا ہے۔
بادِ مُراد : بادِ موافق۔ وہ ہوا جو کشتی کو آگے بڑھنے میں مدد دے۔
بار بُد : حاضر باش۔ موسیقار۔ ایک شخص کا نام جو کہ بادشاہ خُسرو پرویز کی خدمت میں حاجب کے عہدے پر فائز اور موسیقی کا ماہر تھا۔ مشہور موسیقار نکیسا بھی خسرو پرویز کے دربار سے وابستہ تھا۔
باطل است آنچہ مدّعی گوید : مُدّعی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ غلط ہے۔
باچھوں (باچھ کی جمع) : ڈوئچی۔ توپ میں پانی دینے کا آہنی ظرف۔

بالش: تکیہ۔ مسند۔ افزونی۔ سرہانا۔
بالکے (بالکا): امرد۔ معشوق کمسن۔
بالمشافہہ۔ آمنے سامنے۔ دوبدو، رو بہ رو بات کہنا۔
بامداد: صبح سویرے۔ قبل طلوع آفتاب۔
بانات: ایک قسم کا اونی کپڑا جو نہایت گرم اور دبیز ہوتا ہے۔ سقرلات
بانبی: سانپ کا بل۔
بان دار: تیر انداز۔ آتش باز۔ وہ شخص جو ہاتھی کی سواری کے وقت ہاتھی کے بگڑ جانے کے اندیشے سے خدنگے خواہ ہوائیاں لے کر ہاتھی کے ساتھ ساتھ چلے۔
بانے (بانا): ایک ہتھیار کا نام۔ جسے دونوں ہاتھوں سے جنگ میں پھراتے ہیں۔
باہر بندو: دیہاتی۔ پردیسی۔
بہ ایں ریش فش: بہ طور طعن کے بولتے ہیں یعنی بزرگ صورت، سر پر دستار اور چہرے پر ڈاڑھی کے باوجود یہ حرکات بے ہودہ و ناشائستہ!
بائیں کی گمک: بایاں وہ طبلہ یا بجیرا جو بائیں ہاتھ کی طرف رہتا ہے۔ نیچا گہرا سُر جو خاص کر طبلے یا ڈھولک سے نکلتا ہے۔
بتنگ: بیزار۔ عاجز۔
بٹنا: غازہ۔ اُبٹن۔ ایک خوش بودار مسالا جس کے استعمال سے رنگ نکھرتا ہے اور بدن میں خوش بو دیر تک رہتی ہے۔
بجد ہونا: مُصر ہونا۔ اڑنا۔
بجوگ: بدنصیبی۔ جُدائی۔ صدمہ
بچا: یہ لفظ بغرض تحقیر استعمال ہوتا ہے۔

بُختی : بڑا اونٹ۔ شُتر تیز رفتار۔

بدقوارہ : بدقطع۔ بدشکل۔

بدوزد طمع دیدۂ ہوش مند : لالچ عقل مند کی آنکھ سی دیتا ہے۔

بَربَری : ایک قسم کی چتکبری اور خوب صورت بکری۔

بر خود غلط : اپنے کو بھولا ہوا۔ مغرور۔

بر سرِ فرزندِ آدم ہر چہ آید بگزرد : آدم زاد کے سر پر جو مُصیبت پڑتی ہے وہ گُزر بھی جاتی ہے۔

بِروگی : ہجراں نصیب۔ عاشق۔

بریز بریز کرنا : کسی چیز کا گر کر بکھر جانا۔ شکوہ شکایت کرنا۔ واویلا مچانا۔

بِست ور بِست : ایک قسم کا نقش جو علم تکسیر کے قاعدے سے بنایا جاتا ہے۔

بطِ مے : شراب کی وہ صراحی جو بط (راج ہنس) سے مشابہ ہو۔

بعد از سرِ من کُن فیکون شد شدہ باشد : میرے بعد جو کچھ ہو، ہوا ہوگا۔ بعد از وقت کوئی امید پوری ہونے یا حالات سازگار ہونے کے موقعے پر یہ مصرع پڑھا جاتا ہے۔

بُقچہ (بُغچہ) : جامہ بند۔ چھوٹی گٹھری۔

بُقراط : یونان کے مشہور حکیم کا نام جو طبیب پیشہ تھا۔

بگ ٹٹ : باگ ٹوٹ کا مُخفف۔ گھوڑے کو اس طرح دوڑانا گویا بن لگام کے ہے۔ سرپٹ۔ بے تحاشا۔

بَلاغت : وہ کلام جو مُقتضائے حال کے موافق ہو۔ حسب موقع گفتگو کرنا۔

بمجرّد : جیسے ہی۔ جس وقت۔

بُنگاہ : مکان۔ منزل۔ خیمہ۔ جگہ۔

بنولا : پنبہ۔ روئی یا کپاس کا بیج۔

بُنیان : نیو۔ بنیاد۔ اصل۔

بُودار : وہ کتا جو بُو سونگھ کر شکار تلاش کر لیتا ہے۔

بُوڑی بردار : نیزہ بردار۔ سناں بردار

بولتا : (فقرا کی اصطلاح) سانس۔ دم۔ رُوح۔ نفسِ ناطقہ۔

بُوقلموں : رنگا رنگ۔ گرگٹ۔ دُنیا۔ طرح بہ طرح۔

بولی ٹھولی : آوازے توازے۔ مزاح۔ طعن تشنیع۔

بھٹنیاں : بھٹنی۔ سبز پستان۔

بہجت : تازگی۔ خوشی۔ خوبی۔

بُھجنگا : ایک کالے رنگ کا چھوٹا پرندہ۔

بھچک رہ جانا : حیران پریشان ہونا۔

بہری : ایک شکاری پرند کا نام جو اکثر کبوتروں کا شکار کیا کرتا ہے۔

بھسونڈا : ہاتھی کی کنپٹی۔

بھگتیے : سوانگ بھرنے والے۔ ناچنے گانے والے فرقے کے وہ لوگ جو عورتوں کے سے کپڑے پہن کر ناچتے ہیں۔

بھنڈارا : سنیاسیوں اور جوگیوں کی دعوت۔ لنگر۔

بھوانی : دُرگا دیوی۔

بھونری : بالوں کا وہ چکر جو آدمی یا گھوڑے کے سر یا جسم پر ہو۔ اس کو لوگ منحوس خیال کرتے ہیں۔

بہی : ایک پھل کا نام جو امرود سے مشابہ ہوتا ہے۔ سفرجل۔ اس کا بیج

بھدرانہ کہلاتا ہے۔

بہیر: مردمانِ سفری کی قطار جو لشکر کے ہم راہ ہوتی ہے۔

بھیرول بھیاس: ہندی راگوں کے نام۔

بیچا: کاغذ یا کپڑے کا بنا ہوا مصنوعی ڈراؤنا چہرہ۔ جو بچے اپنے منھ پر لگا کر ڈراتے ہیں۔ اسے اللہ کا فضل یا ہوّا بھی کہتے ہیں۔

بید مشک: ایک قسم کے درخت کا نام جس کے خوش بودار پھولوں کا عرق کھینچا جاتا ہے۔ یہ مقوّی دل و دماغ اور مُسکّن ہوتا ہے۔

بیرق: فوج کا نشان۔ جھنڈا۔

بے طرح: از حد۔ نہایت۔ بری طرح۔

بیکنٹھ باشی: جنّت نشان۔ بیکنٹھ باشی۔ ہندی میں مُردے کی نسبت بجائے مرحوم، مغفور یا جنّت مکان کے کہتے ہیں۔

بے کسی سوخت کسے می خواہم نفسِ ہم نفسے می خواہم: بے کسی نے مجھے جلا کر رکھ دیا۔ مجھے کسی ساتھی اور ہم نفس کی تمنا ہے۔

بے منتا: بھنگ چھاننے کی صافی۔ وہ دو شاخہ لکڑی جس میں بھنگڑ صافی باندھ کر بھنگ چھانتے ہیں۔

پارہ خواہد شد ازیں دست گریبانے چند: اس ہاتھ سے کئی گریبان ٹکڑے ہو جائیں گے۔

پاکھر: ایک قسم کی آہنی پوشاک جو گھوڑے کو میدانِ کارزار میں پہناتے ہیں۔

پال: وہ پردہ جس میں ہوا بھر کر کشتی جلد چلتی ہے۔ بادبان، چھوٹا خیمہ۔

پالکی : محافہ۔ فینس۔ اُمرا کی سواری۔

پپڑی : حلواسوہن کی قسم کی ایک لذیذ مٹھائی جو بہت خستہ اور بھربھری ہوتی ہے۔

پچھل پائی : چڑیل۔ بھتنی۔ (کہا جاتا ہے کہ چڑیلوں کے پیر پیچھے کو مڑے ہوئے یعنی ایڑیاں آگے اور پنجے پیچھے ہوتے ہیں)۔

پران : جان۔ روح۔

پرّاں : اُڑنے والا۔

پرتھی (پرتھوی) : زمین۔ دھرتی۔

پربین : عقل مند۔ ہوشیار۔ اُستاد۔

پرمل : مکئی، جوار یا باجرے کو بھگو کر بھون لینے سے جو کھیلیں سی ہو جاتی ہیں اُنھیں پرمل کہتے ہیں۔ گدگدے۔

پرملو : ایک قسم کے ناچ کا نام جس کا اُصول بہت مشکل ہے۔

پڑھا جن : چالاک، چلتا پرزہ جس پر کوئی افسوں کارگر نہ ہو۔ شریر۔ ہوشیار۔

پکھاوج : طبلے کی وضع کی لمبوتری ڈھولک۔

پکھروٹی : وہ گلوری جس پر سونے چاندی کے ورق لگائے جائیں۔ چاندی، سونے کا ورق جو پان کے بیڑے پر لپیٹ دیتے ہیں۔

پکّی : کایستھوں میں پوری کچوری مٹھائی وغیرہ کی ضیافت۔

پگ آگے پت رہے، پگ پاچھے پت جائے : (مثل) قدم آگے بڑھانے میں عزت ہے، پسپا ہونے میں ذلّت۔

پلنگڑی : چھوٹا، سبک اور خوب صورت پلنگ۔ چارپائی۔

پنجتن : پانچ افراد۔ مسلمانوں کی اصطلاح میں پیغمبرِ خدا، جنابِ فاطمہ زہرا،

حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہ السلام۔

پنج شاخہ : پنجی۔ وہ لوہے کا پنجہ جس کو بانس کی لکڑی پر فلیتوں کے روشن کرنے کے واسطے لگا دیتے ہیں۔

پنجیری : ایک قسم کی مٹھائی جو صبحِ عروسی دُلہن کے میکے سے آتی ہے۔ اور پوری برادری میں تقسیم کی جاتی ہے۔

پنسوئی :۔ چھوٹی ناؤ۔ بجرا۔ ڈونگی۔

پنّی : سلیم شاہی جوتے کے اوپر کا حصّہ جس پر کلابتوں کا کام بنا ہو۔ تلا لگنے اور جوتے کی شکل میں آنے سے پہلے اس کو پنّی کہتے ہیں۔

پَو : پانسے کا موافق آنا۔ بازی کے پانسوں کا ایک صفر۔ پانسے پر داؤں میں جب طاق آئے تو پَو ہوتی ہے۔ یا جس وقت دس، بیس، پچیس، تیس آئیں تو اس وقت بھی ایک ایک پَو کا استحقاق ہوتا ہے۔ یعنی ایک خانہ زائد شمار کرتے ہیں۔ پَو درحقیقت کعبتین کے صفر کو کہتے ہیں۔

پوتھی : جنتری۔ تقویم۔ کتاب۔

پورن ماشی : وہ تاریخ جس دن چاند کامل طور پر نمودار ہوتا ہے۔ سُدی کی پندرھویں تاریخ۔ چودھویں رات۔

پُوزی : گھوڑے کا پیش بند۔ وہ چمڑے کا حلقہ جو گھوڑے کے کانوں میں سے نکال کر دہانے کے گرداگرد لگا دیتے ہیں۔

پَونڈا : نیشکر۔ موٹا گنّا۔

پہلی بسم اللہ : پہلی چوک۔ پہلی خطا۔

پھینٹا : دس بارہ گرہ کا کپڑا جو اکثر خادم سر سے لپیٹ لیتے ہیں۔

پیاپے : لگاتار۔ متواتر۔ پے در پے۔

پیادہ : پیدل۔ شاہی ہرکارہ، کوتوال یا حاکم کا نوکر۔
پیاس کا تڑاقا : [دیکھیے تڑاقا]
پیٹا توڑنا : اُڑتے ہوئے پتنگ کی ڈور کو بیچ سے توڑ لینا۔
پیچوان : ایک قسم کا حقّہ جس کی لچک دار نے بہت لمبی ہوتی ہے، تاکہ دُور سے بھی پی سکیں۔
پیرامون : اردگرد۔ آس پاس۔
پیرِ کنعاں : کنایۃً حضرت یعقوب علیہ السلام
پیش خدمت : وہ عورت جو امیروں کی بیویوں کی خدمت کرے۔ خادمہ
پیش قبض : خنجر۔ چھُرا۔
پینڈی : ایک قسم کے لڈو جو رُوے، گھی، شکر اور مختلف میووں سے تیار کیے جاتے ہیں اور شادی کے موقعے پر مانجھے کی رسم میں دُلہن والوں کی طرف سے دولہا کے گھر بھیجے جاتے ہیں۔
پینگ بڑھانا : کنایۃً کسی سے ربط بڑھانا۔ میل جول، بے تکلفی ہونا۔
تازی : عرب کا گھوڑا یا شکاری کتّا۔
تال : ہتھیلیوں کو آپس میں ایک دوسرے پر مار کر بجانا۔ موسیقی کی اصطلاح میں دو تین ماترا کا وقت۔ ساز کے مقررہ سُروں کے بولوں کی موزونیت۔ لے کی تیزی یا باقاعدگی معلوم کرنا۔ تال کی تعداد ساڑھے بارہ ہے جو گویوں میں تالیں کہلاتی ہیں۔ پیتل کی چھوٹی چھوٹی کٹوریاں جو ڈھولک یا طبلے کے ساتھ بجائیں۔
تحت الثریٰ : پاتال۔ زمین کا سب سے نیچے کا طبقہ۔
تحریر : گٹکری۔ راگ کی آواز کا پیچدار سلسلہ جو گانا گاتے وقت گلے سے لہرا کر نکلتا ہے۔ لہراتی ہوئی آواز۔ مُرکی۔

تحریرِ کربلا: کربلائے معلیٰ (عراق) سے لایا ہوا کپڑا جس پر آیاتِ قرآنی چھپی ہوتی ہیں اور اُسے کفن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسے خلعت بھی کہتے ہیں۔ بردیمانی۔

ترپولیا: سہ درہ۔ تین بڑے دروازے جو بازار کے شروع میں بناتے ہیں تاکہ ہر در سے جلوس اور ہاتھی وغیرہ آسانی سے گزر سکیں۔

ترسا: وہی۔ نصرانی۔ آتش پرست۔ (چونکہ یہ لوگ عموماً خوب صورت ہوتے ہیں اس وجہ سے شعرا اکثر معشوق کو اس نام و صفت سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ ما

ترسُول: وہ لوہے کا سہ شاخہ جسے ہندو مندروں پر نصب کرتے ہیں اور جوگی ہاتھ میں لے کر چلتے ہیں۔

ترشح: بوندا باندی۔ پھوار پڑنا۔

ترُکنی: (جمع ترکنیں) سپاہی عورت قلماقن۔ وہ عورت جو بادشاہوں کے محل میں چوکی پہرہ دیا کرتی ہے۔

تریاک: افیون۔

تریلی: ہتھنی۔ ہتھنی جس پر دوسرے ہاتھیوں کا چارہ لادا جائے۔

تڑاقا: زور کی آواز۔ شدت کی پیاس۔ حُقّے کا دم لگانے کی آواز جو صاف اور زور سے کڑاکے کے ساتھ نکلتی ہے۔

تذرو: ایک قسم کا جنگلی مُرغ جو نہایت خوش رنگ اور خوش رفتار ہوتا ہے۔

تسبیحِ سلیمانی: ایک قسم کے سیاہ پتّھر کی تسبیح۔ اس پتھر کے بیچ میں ایک سفید دھاری ہوتی ہے۔ اسی دھاری کو شاعر زنار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ع

نہ ٹوٹے شیخ سے زنارِ تسبیحِ سُلیمانی

تسطیر: سطر بندی کرنا۔ لکھنا۔

تصدّقی: وہ کھانا جو نوکروں چاکروں کے واسطے تیار ہو۔ خاصے کی ضد۔

تضرُّع : گڑگڑانا۔ گریہ وزاری۔

تطویل : مُہلت دینا۔ طُول دینا۔ دراز کرنا۔

تفحّص : تفتیش۔ کھودنا۔ کھوج۔ دریافت۔

تِکّا : گوشت کا ٹکڑا۔ بوٹی۔ لوتھڑا۔

تُکّا : وہ تیر جس میں بھال نہ ہو۔ بان۔ تیر۔ ایک خاص قسم کا تیر جس میں نوک کے بجائے گھنڈی ہوتی ہے۔

تکیہ : قبرستان۔ فقیر کے رہنے کی جگہ۔

تُلا : آسمان کے بارہ برجوں میں سے ساتویں بُرج کا نام جو ترازو کی شکل کا ہے۔ بارہ بُرج حسبِ ذیل ہیں : (۱) میکھ (حمل) (۲) برکھ (ثور) (۳) متھن (جوزا) (۴) کرک (سرطان) (۵) سنگھ (اسد) (۶) کنیا (سُنبلہ) (۷) تُلا (میزان) (۸) برچھک (عقرب) (۹) دھن (قوس) (۱۰) مکر (جدی) (۱۱) کُنبھ (دلو) (۱۲) مین (حوت)۔

تلاشی : جویندہ۔ تلاش کرنے والا۔

تلایہ : فوج کا وہ دستہ جو رات کو لشکر گاہ یا شہر کی حفاظت کے واسطے گشت کرے۔

تلسی : ایک پودے کا نام جسے ہندو پُوجتے اور متبرک سمجھتے ہیں۔

تلوار کا گھاٹ : تلوار کی وہ جگہ جہاں سے اُس کا خم شروع ہوتا ہے۔

تماحی : اُساوری۔ ایک قسم کا ریشمی دھاری دار کپڑا۔

تنبول : عورتوں کی ایک رسم جس میں صبح عروسی میکے سے سٹھورے کے ساتھ پان کا مرکب، عرق کا شیشہ دلہن کے پینے کے واسطے آتا تھا۔

تنرت مُندرا : جھگڑا بکھیڑا۔ دُنیاوی تعلقات۔ وہ بالا جسے جوگی کانوں میں

پہنتے ہیں۔

تنگ : زین کسنے کا تسمہ۔ چار جامہ کسنے کی چوڑی پیٹی۔

توام : جُڑواں بچّہ۔ ایک ساتھ کے پیدا شدہ بچّے۔

توبہ نصوحا : سچی توبہ۔ وہ توبہ جس کے بعد پھر گناہ نہ کرے۔

توتے عقل کے اُڑ جانا : گھبرا جانا۔ اوسان نہ رہنا۔

توڑا : بندوق چھوڑنے کا رسّی کا ٹکڑا جس پر شتابہ۔ فلیتہ۔

توڑے دار : وہ بندوق جو فلیتے کے ذریعے چھوڑی جائے۔

تونبا : ایک قسم کا کدو۔ تلخ جس کو اندر سے خالی کر کے فقیر کشکول اور چھاگل وغیرہ بناتے ہیں۔ یا پھر ستار اور تنبورے میں لگاتے ہیں۔

ٹھل بیڑا : بیڑا ٹھہرنے کی جگہ۔ ناؤ یا جہاز کے قیام کی جگہ۔ ٹھور ٹھکانا۔ پتا۔ سُراغ۔ وجہِ معیشت۔

تیز بال : تیز رفتار۔ جلد رو۔

تیمناً : برکت کے لیے۔

ٹپّا : خیال، دادرا وغیرہ کی قسم کا ایک راگ جس میں چھوٹی سی دو تکیں ہوتی ہیں۔ اس میں اُتیج کا رواج بہت ہے۔

ٹپکا لگنا : پختہ آموں کا از خود درخت سے گرنا۔

ٹکا : دو پیسے۔ دو پیسے کا سکّہ۔

ٹکور : نوبت کی آواز۔ ضرب۔ صدائے نقارہ۔

ٹمّا سا : دُبلا پتلا آدمی۔ ٹھنگنا آدمی۔

ٹوم : مال دار اور خوب صورت عورت۔ چالاک۔ ہوشیار۔

ٹونے : جادو منتر۔ ٹونے ایک قسم کا گیت جو شادی میں ڈومنیاں

آرسی مصحف کے وقت گاتی اور دولھا سے ٹوٹا لگنے کا اقرار کراتی ہیں۔

ٹھنڈی گرمیاں: ایسی باتیں جن میں شوخی اور دل کشی نہ ہو۔ ظاہری اختلاط۔

ٹیڑھی کھیر: مشکل اور دشوار کام۔ اس مثل کا قصہ یوں مشہور ہے کہ ایک اندھا لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس سے ایک بچے نے کہا کہ "تم کھیر کھاؤ گے"۔ اندھا بولا۔ "کھیر کیسی ہوتی ہے؟" وہ بولا "سفید"۔ اندھے نے کہا "سفید کیسی؟" اس نے کہا "جیسے بگلا"۔ اندھے نے پوچھا۔ "بگلا کیسا؟" تب بچے نے اپنا ہاتھ کلائی سے ٹیڑھا کر کے اندھے سے ٹٹولنے کو کہا۔ اندھا ٹٹول کر بولا "میں کھیر نہ کھاؤں گا یہ تو بڑی ٹیڑھی ہے۔"

ثریا: پروین۔ جھمکا۔ وہ سات ستارے جو باہم متصل واقع ہیں۔

ثور فلک: دوسرا برج آسمانی جو بیل کی شکل کا ہے۔

جالینوس: یونان کے ایک مشہور حکیم کا نام جو فنِ طبابت میں تمام حکمائے یونان پر سبقت لے گیا تھا۔

جان کھپی کرنا: بہت محنت و مشقت کرنا۔

جُدھ (یدھ): لڑائی۔ معرکہ۔ جنگ۔

جدول: وہ رنگین خط جو صفحے کے چاروں طرف کھینچا جائے۔ نالی۔ فہرست نقشہ۔ وہ خط جو صفحے کے اختتام پر سرخ یا سیاہ کھینچا جائے۔

جرّہ باشہ: شکاری پرندوں کے نام۔ نوابی زمانے میں ایک گروہ تھا جو اپنی عجیب و غریب حرکتوں سے سادہ لوح افراد کو راہ چلتے پریشان کیا کرتا تھا۔ انھیں بھی جرہ باشہ کہتے تھے۔

جریب: ایک خاص پیمانہ جس سے زمین ناپی جاتی ہے۔ عصا۔ چوبدستی۔

بادشاہی جلوس میں ہاتھی کے پیچھے ریشم کی ڈوری پڑی ہوتی تھی۔ دربان اُس کو ہاتھ میں لپیٹتا جاتا تھا۔ جب کوس پورا ہو جاتا تو دربان ایک جھنڈی لے کر بادشاہ کو مجرا کرتا جس سے یہ مراد ہوتی کہ سواری کوس بھر آئی۔ اس کے علاوہ ایک پہیا بھی ہوتا تھا جس کے چکروں سے زمین ناپی جاتی تھی۔

جریدہ : تنہا۔ اکیلا۔ درخت کی شاخ جس میں پتے نہ ہوں۔

جزاک اللہ : خدا تجھے نیک اجلہ دے۔ مرحبا۔ شاباش۔

جعد : گھونگر والے بال۔ چوٹی۔ بالوں کی لٹ۔

جفر دال۔ علم جفر کا جاننے والا۔ جفر ایک مشہور علم ہے جس سے احوالِ غیب کی آگاہی ہوتی ہے۔

جَلَّ جَلالہٗ : بڑی ہے عظمت و جلالت اُس کی۔

جلدو : صلہ۔ انعام۔

جلسے والی : شاہ نصیر الدین حیدر (بادشاہ اودھ) کے محلات میں صاحب مرتبہ اور دولت مند عورتوں کا ایک فرقہ تھا' ان کو جلسے والیاں کہتے تھے۔ ان کا تعلق رقص و سرود سے تھا۔

جَلَّ وعلیٰ : جو جلیل اور بلند ہے۔

جلو خانہ : صحن جو سلاطین و اُمرا کے درِ دولت کے سامنے بنا ہوتا ہے۔ ڈیوڑھی۔

جَلوہ : وداع کے روز دولھا دلھن کو آمنے سامنے بٹھا کر آرسی مُصحف دکھانا۔ ریت رسم۔ آرسی مُصحف۔

جلی کٹی : طعن وطنز۔ رشک وحسد کی باتیں۔

جَم : ایران کے ایک مشہور بادشاہ جمشید کا مخفف۔ کہتے ہیں کہ اُس نے

ایک ایسا پیالہ (جامِ جم) بنوایا تھا جس میں ساری دُنیا کے حالات نظر آتے تھے۔

جناح ۔ لشکر کا مُقدمہ ۔ ہراول۔

جن ڈھونڈا تِن پائیاں : جس نے ڈھونڈا اُس نے پایا۔ طلب صادق ہو تو کام یابی لابُدی ہے۔

جنگِ زرگری : جھُوٹ موٹ کی لڑائی۔ وہ لڑائی جو دشمن کو دھوکا دینے کے لیے مصلحتاً لڑی جائے۔

جوتا خرد نوک : اس جوتے کا ڈزائن لکھنؤ والوں نے تیار کیا تھا۔ یہ آگے سے نوکیلا ہوتا ہے اس کی پنّی پر زرتار سے خوب صورت کام بنایا جاتا ہے۔ عوام میں "خُرد نوکا" مشہور تھا۔

جوزی ۔ ایک قسم کا لذیذ حلوا سوہن جو گھی، دُودھ، شکر، سمنک وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے اور اس میں خوشبو کے لیے جوز کا استعمال خاص طور پر کیا جاتا ہے۔

جو فروش گندم نما : لفظی معنی گیہوں دکھا کر جو بیچنے والا۔

جُل ساز/ دغا باز : بے ایمان ۔ فریبی۔

جونپور کا قاضی : کنایتہً احمق، بے وقوف۔ نادان۔

جونک : پانی کا وہ کیڑا جو خُونِ فاسد نکالنے کے لیے جسم پر لگاتے ہیں۔

جُوئندہ یابندہ : ڈھونڈنے والا پاتا ہے۔

جھالے ۔ وہ زور کا مینہ جو زمین کے کسی قطعے پر برسے اور کسی قطعے پر نہیں۔ جھالے بھادوں کے مہینے میں اکثر پڑتے ہیں۔

جھانجھ نکالنا : جھگڑا کرنا۔ تکرار کرنا۔ غصہ۔ تیزی۔ کسی چیز کی خواہش۔

جھانکی : سوانگ۔ تماشا۔ نمائش۔

جھلابور : زرق برق۔ وہ کپڑا جس میں نقرئی اور طلائی تار ہوں۔

جھمکڑا: کرّوفر۔ جلوہ۔ شان۔ تجلّی دیدارِ معشوق۔ خوب صورتی۔
جھونٹک جھانٹا، جھونٹم جھانٹا۔ عورتوں کا ایک دوسرے کے بال پکڑ کر کھینچنا اور مارنا۔

جھندہ: اُچھلنے کودنے والا۔

جُھنڈی: وہ کھونٹی جو پودوں کے کاٹ لینے کے بعد کھیتوں میں تھوڑی بہت رہ جاتی ہے۔ مکئی، جوار، یا گنّے کی جڑ۔

جھوُل: ہاتھی کے اوپر ڈالنے کا کپڑا۔ پوشش۔

جیغہ: ایک مُرصّع زیور کا نام جو پگڑی پر باندھا جاتا ہے۔ کلغی۔

چادر پھراتا: جنگ کی حالت میں مغلوب سپاہ کا پناہ چاہنا۔ طالبِ امان ہونا۔

چار آئینہ: ایک قسم کا زرہ بکتر جس پر چار لوہے کی تختیاں بانات یا مخمل سے منڈھ کر سینے اور پشت پر ڈال لیتے ہیں۔

چار جامہ: وہ پوشش جسے گھوڑے پر ڈال کر سوار ہوتے ہیں۔ گھوڑے کا زین۔

چار قُب: امیروں کے پہننے کا ایک خاص لباس۔

چالے: عروسِ نو کا سسرال سے شادی کے بعد اوّل چار بار میکے یا میکے والوں کے گھر جانا۔

چاند کا کھیت کرنا: اُفق سے چاند کا نکلنا اور چاندنی چھٹکنا۔

چاوش: نقیب۔ چوب دار۔

چبا چبا کے باتیں کرنا: زیرِ پردہ طنز آمیز گفتگو کرنا یا کھُل کر بات نہ کرنا۔

چمرسا: چمڑے کا بڑا ڈول۔

چرکٹا: فیل بان کا پیش خدمت۔ ہاتھی کا چارہ لانے والا۔

چرن: پاؤں۔ قدم۔

چسکی: افیون کا گھونٹ جو خلاف معمول پیا جائے۔

چشم داشت: اُمید۔ بھروسا۔ توقع۔

چشمک زن: طعنہ زن۔ چھیڑنا۔

چشمہ سار: وہ جگہ جہاں سے بہت سے چشمے جاری ہوں۔

چغر: چشمہ۔ ژاہر۔ تالاب۔

چکارا: چھوٹی سارنگی۔ دوتارا۔ ایک قسم کا نہایت نازک ہرن۔

چکور: تیتر کی قسم کا ایک خوش نما پرند جس کی چونچ اور پنجے سُرخ اور گلے میں طوق ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ پرند چاند پر عاشق ہوتا ہے۔

چل پچھنے دُور: کلمۂ تنفر و کلمۂ اختلاط جو معشوق حالت گرم جوشی میں زبان پر لاتے ہیں۔

چلّہ: چالیس دن کا عرصہ۔ چالیس دن کی گوشہ نشینی اور وظیفہ خوانی۔ چالیس روز کا عمل۔

چلّے کا جاڑا: چالیس دن کا جاڑا جو پوس کے مہینے سے شروع ہو کر سوا مہینے تک زور سے پڑتا ہے۔ کہاوت ہے دھن (قوس) کے پندرہ مکر (جدی) پچیس، چلّے کے دن ہیں چالیس۔

چلتا دھندا کرنا: چلتے ہونا۔ جاؤ یہاں سے۔

چل نکلنا: حد سے تجاوز کرنے لگنا۔ گستاخ اور بے ادب ہو جانا۔ اترانا۔

چناں نماند و چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند: ویسا نہیں رہا اور ایسا

بھی نہ رہے گا۔

چنڈول : زنانہ محافہ جسے کہار اُٹھاتے ہیں۔ ڈولا۔

چو اگن : چاروں طرف۔ چاروں طرف آگ روشن کیے ہوئے۔

چوپڑ کا بازار : وہ بازار جس میں چار راہیں اور ہر راستے کے دونوں طرف دکانیں ہوں۔

چوپہلا : محافہ۔ ایک قسم کا ڈولا جسے کہار اٹھاتے ہیں۔

چوتھی : شادی کی ایک رسم جو ساچق کے چوتھے دن ہوتی ہے۔ اس دن خاندان کی عورتیں جمع ہو کر فرطِ مسرت سے رنگین پانی ایک دوسرے پر چھڑکتی ہیں اور دولہا دُلھن کو زیورات پہنانے کے بعد سبز ترکاریاں اور پھل پھینک کر مارتی ہیں۔

چوچلا تہہ کر رکھو : ناز نخرے رہنے دو۔

چور کی ڈاڑھی میں تنکا : یعنی جہاں نشیب ہوتا ہے وہیں پانی مرتا ہے۔ چور چوری کی بات کو اپنے اوپر لے جاتا ہے۔

چور محل : وہ بی بی جو بیاہتا بی بی کے سوا ہو۔ حرم۔

چوکی بھرنا : باری باری سے پہرہ دینا۔ نیاز دلوانا۔ بزرگوں کے مزار پر جمعرات کو جا کر حصولِ مقاصد کے لیے مدد مانگنا۔

چوکی دینا : پہرہ دینا۔ نگرانی کرنا۔

چوگانی : ایک قسم کا سیدھا حقّہ۔

چوگھڑا : چار خانوں کا بکس جس میں الائچی وغیرہ رکھتے ہیں۔ (۲) ایک رسم ہے کہ شادی میں ساچق کے دن چار چار گھڑے، نقل و میوہ جات کے بھرے ہوئے آرائش کے تختوں کے چاروں گوشوں میں باندھ کر دولہا کے گھر سے دُلہن کے

گھرلے جاتے ہیں۔

چونچ سنبھالو: بدزبانی مت کرو۔ زبان روکو۔

چونڈا: عورتوں کے سر کے بال جن کو وہ یک جا کر کے سر پر باندھ لیتی ہیں۔ جوڑہ۔

چھاندا: حصّہ بخرہ۔ پیالہ۔ فقیروں کی دعوت۔ جو فقیروں کے یہاں ہوتی ہے۔

چھبڑیاں: ٹوکریاں۔ چھوٹا جھابہ۔

چھپر کھٹ: وہ پلنگ جس کے اُوپر چھتری اور پوشش ہو۔ امیروں کے سونے کا پلنگ۔

چہ خوش: کیا خوب۔ بجا فرماتے ہیں۔ طنز سے کہتے ہیں۔

چہرہ لکھنا: نئے ملازم کا ملازمت کے وقت حُلیہ لکھنا۔ دفتر میں مُلازم ہونا۔

چھڑی: برچھی کھیلنے کی پھول اور پتے لپٹی قمچی۔ وہ جھنڈی جو کسی بزرگ کے نام کی بنائی جائے جیسے مدار اور میراں جی کی چھڑیاں۔

چھڑے: پاؤں میں پہننے کا ایک خوب صورت زیور۔

چہل کنجی کا کٹورا: ایک پیتل کا کٹورا جس میں کچھ دعائیں کندہ اور چالیس کُنجیاں پڑی رہتی ہیں، اور عقیدہ یہ ہے کہ اس میں پانی پینے سے بیمار کو شفا ہوتی ہے۔ ؎

دھو کے اک بوند منھ میں پہنچا دو
لو چہل کُنجی کا کٹورا لو

چہل منبری: شبِ عاشور چالیس عزا خانوں میں جا کے شمعیں روشن

کرنا اور مُراد پوری ہونے پر شیرینی سے منبر چھپانے کو چہل منبری کہتے ہیں۔

چھوٹی اُمّت: اونیٰ درجے کے لوگ۔ نیچ قوم۔ کمینے آدمی۔

چھُوچھُو: وہ ہم سن لونڈی جو ساتھ کھیل کر جوان ہوئی ہو۔ بچّوں کے پوتڑے دھونے والی عورت۔ وہ لڑکی، جو لڑکیوں کی خدمت کے لیے مقرر ہوتی ہے۔

پچکارنا: گھوڑے کو چمکار کر آگے بڑھانا۔

حاجب: دربان۔ چوب دار۔ سراپردہ شاہی کے آگے کھڑا ہونے والا افسر۔

حاجتِ مشاطہ نیست روے دل آرام را: اچھی صورت کے لیے مشاطہ کی ضرورت نہیں۔

حاضری: کباب، شیرمال، پیاز، پنیر، پودینہ اور حلوا وغیرہ جس پر شُہدائے کربلا یا حضرت عباس علم بردار کی فاتحہ دیتے ہیں۔

حاکی: حکایت کہنے والا۔ قصّہ بیان کرنے والا۔

حبشی: ایک عُمدہ قسم کا حلوا جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔

حُدی: عرب شُتربانوں کا نغمہ۔

حشری: وہ گھوڑا جو دوسرے گھوڑوں کے ساتھ نہ رہے۔ اسپِ سرکش۔ فسادی گھوڑا۔

حصن: قلعہ۔ جائے پناہ

حصین: استوار۔ محکم۔

حق سِرّہٗ: راست ہے بھید اُس کا۔ یہ قمری کی آواز ہے ؎

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم

کوکو، کا شور، نالۂ حق سِرّہٗ کی دھوم (میر انیس)

حلوا خوردن را روئے باید: حلوہ کھانے کے لیے مُنھ چاہیئے۔ اچھی چیز کے لیے اُس کا اہل ہونا ضروری ہے۔

حواسِ خمسہ: پانچ ظاہری حس: ذائقہ، باصرہ، شامّہ، سامعہ اور لامسہ

حواصل: ایک آبی پرندے کا نام جس کا پوٹا بہت بڑا اور آگے کو نکلا ہوا ہوتا ہے۔ مجازاً وہ شخص جو بڑا پیٹو ہو۔ بڑا کھاؤ۔

حیص بیص: بحثا بحثی۔ ردّ و بدل۔ تکرار۔

خاص بردار: وہ سپاہی جو بادشاہ یا اُمرا کی سواری کے آگے آگے کاندھوں پر بندوقیں رکھ کر چلتے ہیں۔

خالی کا چاند: ذی قعدہ کا مہینہ۔ مسلمان عورتیں ماہِ ذی قعدہ کو منحوس خیال کرتی ہیں، اس لیے خوشی کی کوئی تقریب اس مہینے میں ادا نہیں کرتیں۔ چناں چہ اس ماہ کو خالی کا مہینہ کہتی ہیں۔

خام پارہ: جوان اور ناتجربے کار عورت۔ جو باعصمت نہ رہی۔ مکّار عورت۔

خانماں آوارہ: وہ جس نے اپنا گھر بار تج دیا ہو، اور اِدھر اُدھر گھومے۔

خُدا خیر کرے: اندیشے کے محل پر بولتے ہیں۔

خدنگ: چھوٹا تیر، ایک مضبوط درخت کا نام جس کی لکڑی سے تیر بناتے تھے۔

خدیو: صاحب۔ مالک۔ آقا۔ مصر کے بادشاہ کا لقب۔

خسوف: چاند گہن۔ گرفتگیٔ ماہ۔

خشتی پرنالہ: وہ پرنالہ جس کے مُنھ پر کوئی نلوا نہ ہو، اور پانی دیوار

کے سہارے نیچے اُترے۔

خطِ ریحان: خطِ گلزار۔ اس خط میں حروف جلی ہوتے ہیں۔ حرفوں کے بیچ میں نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ خطِ بہار۔

خطِ غبار: ایک قسم کا خط جو دو الگ الگ کاغذوں پر لکھا جاتا ہے اور دونوں کاغذوں کو ملانے سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ورنہ ایک غبار سا معلوم ہوتا ہے۔ خطِ غبار لکھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خطِ نستعلیق کے جلی حروف کے درمیان نہایت باریک نقطے لگائے جاتے ہیں۔

خُلع: عورت کا مہر معاف کر کے طلاق لے لینا۔

خنجری: چھوٹی دف جو اکثر جوگی بجاتے پھرتے ہیں۔ ڈفلی۔

خواجہ خضر: مُراد جناب خضر پیغمبر ہے۔ اُن کا معجزہ یہ تھا کہ جہاں بیٹھتے وہاں سبزہ نمودار ہو جاتا۔ انھیں دریا اور صحرا کا پیغمبر مانا جاتا ہے۔ ہندستان میں کشتی اور ملّاح اُن سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں اور انھیں خواجہ خضر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مسلمان کشتی خود کو "خواجہ خضر" کا بالک (اولاد) کہتے ہیں۔ عوام میں اُن کی فاتحہ ہر سال بھادوں کے مہینے میں ہوتی ہے۔ اس موقعے پر گھانس پھونس کی کشتیاں بنا کر اُن میں چراغ روشن کر کے دریا میں بہا دیا جاتا ہے اور کشتیوں میں مالیدہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ملّاح کشتی چلانے سے قبل "یا خواجہ خضر بیڑا پار" زبان پر لانا فالِ نیک سمجھتے ہیں۔ عقیدہ ہے کہ جناب خضر نے آبِ حیات پیا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

خواجہ سرا: وہ خصّی غلام جو گھر میں آجا سکے۔ وہ عضو بُریدہ اشخاص جو اُمرا، وزرا اور سلاطین کی محل سراؤں میں بطور دربان یا چوب دار حاضر رہتے اور احکام پہنچانے کی خدمت بجا لاتے تھے۔

خواصی : ہودج کے پیچھے کی وہ جگہ جہاں امیروں یا رئیسوں کی سواری کے وقت اعلا درجے کا ملازم بیٹھتا ہے۔ عماری کی پچھلی بیٹھک۔ ملازمت، خدمت گاری۔

خواصیں : وہ لونڈیاں یا مصاحب عورتیں جو امیر زادیوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ سہیلیاں۔ ہم جولیاں۔

خوانچہ : چھوٹا خوان۔ وہ گلی رکابی جس میں فرنی جمائی جاتی ہے۔ وہ خوان جس میں مختلف قسم کی پکی ہوئی چیزیں رکھ کے پھیری والے بیچتے ہیں۔

خود اسپے : وہ سوار جو خود گھوڑے کا مالک ہو اور خود ہی گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا ہو۔

خود کردہ را علاجے نیست : اپنے کیے کا کوئی علاج نہیں۔

خود مُنڈا : بے پیرا۔ بے اُستادا۔ وہ شخص جو کسی پیر کا مُرید یا کسی اُستاد کا شاگرد نہ ہو۔

خیلا : پھوہڑ اور احمق عورت، بدزبان جھگڑالو عورت۔ وہ عورت جسے اپنی سدھ بُدھ نہ ہو۔ ان معنوں میں خیلا تریلا یا خیلا پا ینچا بھی کہتے ہیں۔

دام ملکہٗ : ہمیشہ رہے سلطنت اس کی۔

داؤں کھنچنا : جواریوں کی اصطلاح میں داؤں کا خالی جانا۔

دُخانی : وہ جہاز جو بھاپ یا دھوئیں کے زور سے چلے۔

درب : روکڑ۔ نقدی۔

در بہشت : ایک قسم کی لذیذ مٹھائی۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز : جس جھوٹ میں کوئی مصلحت شامل ہو وہ اُس سچ سے اچھا ہے جس سے کوئی فساد اٹھ کھڑا ہو۔

دُرِ یتیم : دُرِ یکتا۔ قیمتی موتی جس کے جوڑ کا دوسرا موتی نہ ہو۔

دریدہ دہن : مُنہ پھٹ، بدزبان۔

دستاں : رُستم کے باپ زال کا لقب۔

دستیاں : دستی اشعل۔ ہاتھ کا شمع دان۔

دست پاچہ : مضطرب وسراسیمہ ہونا۔ پراگندہ ہونا۔

دَگلا : لبادہ۔ روئی دار انگرکھا۔

دَل بادَل : وہ ہاتھی جو قد میں دوسرے ہاتھیوں سے بڑا ہو۔

دَلدر : محتاجی۔ تنگ دستی۔ نحوست۔

دُلکی : گھوڑے کی تیز چال۔ پویہ رفتار سے کم چال جس میں گھوڑا اُچھل اُچھل کر چلتا ہے۔

دلِ مَن داند و مَن دانم و داند دلِ مَن : میرا دل جانتا ہے، میں جانتا ہوں اور میرا دل جانتا ہے۔

دمامہ : نقارہ۔ دھونسا۔ رونق۔ چہل پہل۔

دُمچی : ساز کا وہ تسمہ جو گھوڑے کی دُم کے نیچے رہتا ہے۔ لید خورا۔

دَمدمہ : مصنوعی قلعہ۔ دُھس وہ قلعہ جو لڑائی کے وقت تھیلوں میں خاک بھر کر بنا لیتے ہیں۔ نقارے کی آواز۔

دَنگل : مجمع۔ ازدحام۔ انبوہ

دوال : رکاب کا تسمہ۔ وہ چوب جس سے نقارہ بجاتے ہیں۔ شان وشوکت نمائش۔

دوازدہ امام : مسلمانوں کے فرقۂ امامیہ کے بارہ پیشوایانِ دین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سے ہوئے ہیں۔

دو اسپہ: وہ شخص جس کے دو گھوڑے رسالے میں نوکر ہوں۔

دوت و بک: ڈانٹ ڈپٹ۔ سرزنش۔ لعنت ملامت۔ پھٹکار۔

دو چیت: عاشق۔ مضطرب۔ بے قرار۔

دودھ پلائی: وہ نقدی، جو دودھا کے لیے دلہن کے گھر سے ساچق کے روز آتی ہے یا دلہن کے رشتے دار اس نام سے دیتے ہیں۔

دودھ کے کوزے پلانا: دودھ کے کوزوں پر حضرت امام حسینؑ کی صاحب زادی جناب سکینہ اور شش ماہے صاحب زادے حضرت علی اصغر کی نذر دلوا کے بچوں میں تقسیم کرنا۔

دوُدھیا: ایک قسم کا حلوا سوہن جس میں دودھ زیادہ ڈال کے اسے ملائم کرلیا جاتا ہے۔

دوسار ہونا: تیر یا نیزے کا جسم میں پیوست ہوکر نکل جانا۔ ترازو ہوجانا۔

دوگاما گام: گھوڑے کا آہستہ آہستہ چلنا۔

دولابی: گراری۔ رہٹ۔

دونوں باگیں کسنا: تیغ کا ہر دو جانب سے خمیدہ ہونا ۔

تیک و بد سب سے جھک کے ملتی ہے
دونوں باگیں یہ تیغ کستی ہے

دوندے: دوڑنے والے۔

دول نواز: کمینے کی پرورش یا قدر کرنے والا۔ مجازاً آسمان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

دوہائی پھرنا: منادی ہونا۔ اعلان ہونا۔ اشتہار کرانا۔

دوئے (دوا): تاش کا وہ پتا جس میں دو نشان ہوں۔ جوڑے کے ایک

داؤں کا نام جو چوک کے برخلاف ہوتا ہے۔

دُھرپت: دُھرپد۔ اس کو راگ بھی کہتے ہیں۔ یہ چار مُسجع فقروں سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس میں مُرکی، زمزمہ یا تان نہیں لی جاتی صرف بولوں کی اُپج ہوتی ہے۔ اس میں عشق کی نیرنگیوں اور جذبات کا اظہار خوب ہوتا ہے۔

دھونسا: بڑا نقارہ۔ صور۔

دہنی آنکھ پھڑکنا: عورتوں میں دہنی آنکھ کا پھڑکنا علامت رنج اور بائیں آنکھ کا پھڑکنا خوشی کا پیش خیمہ ہے۔

دہی کی مٹکی: شادی کی ایک رسم جس میں ساچق کے روز مٹی کے برتن میں دہی بھر کر اور چند مچھلیاں رتی میں لٹکا کر دولہا کے گھر لے جاتے ہیں اور اسے شگون نیک جانتے ہیں۔

دیر آید دُرست آید: جو کام دیر میں ہوتا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے۔

ڈاب: پرتلا۔ چمڑے کا کمربند جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔

ڈانگ: پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی۔

ڈاہ: حسد۔ دشمنی۔ جلن۔

ڈبرا: چھوٹا گڑھا جس میں پانی بھر جاتا ہے۔

ڈھاکے کا ریزہ: ڈھاکے کا بنا ہوا ریشمی کپڑا۔

ڈُھب ڈھیا نا: پیرنے میں ہاتھ پاؤں مارنا۔

ڈُھڈّو: بُڑھیا۔ زن فرتوت۔ بے شرم بُڑھیا۔

ڈُہڈہے (ڈہڈہا): بھڑکیلا۔ سُرخ و شاداب۔ سرسبز۔

ڈھکوسلا: چوچلا۔ سُخن مُہمل و بے کار۔ بے قرینہ بات۔ فریب۔

ڈِھگ: طرف۔ سمت۔ نزدیک۔

ڈھل گنڈے : بُزدل۔ ڈرپوک۔ نامرد ہے۔

راجا اندر : راجا اندر پریوں اور دیوتاؤں کے بادشاہ مانے جاتے ہیں۔ ان کا دربار جس میں پریوں اور ارباب نشاط کا جمگھٹا رہتا ہے راجا اندر کا اکھاڑا کہلاتا ہے۔ کنایتہً پری زادوں کا جمگھٹ۔ خوب صورت عورتوں کا مجمع۔

راستی موجبِ رضائے خُداست : سچ بولنے سے خدا خوشنود ہوتا ہے۔

رام کلی : ایک راگنی کا نام۔

ربّ ذوالمنن : خُدائے محسن۔ صاحبِ احسان پروردگار۔

رت جگا : رات بھر جاگ کر عبادتِ الہٰی کرنا لیکن ہندستان کی مُسلمان عورتوں نے خوشی کی تقریبوں کے موقعے پر رات بھر جاگنے اور نذر و نیاز دلانے کا نام رت جگا رکھ لیا ہے۔ اسے خُدائی رات بھی کہتے ہیں۔

رجال الغیب : وہ مخفی طاقتیں جن سے عامل حضرات مدد لیتے ہیں۔ وہ غیبی ہستیاں جو ہر وقت زمین کے گرد حرکت کرتی رہتی ہیں۔ وہ روحیں جن کے اختیار میں اچھے بُرے وقت ہوتے ہیں۔ جوگنی۔ دساسول۔ مردانِ غیب۔

رجم : پتھر مار مار کر ہلاک کرنا۔ سنگسار کرنا۔

رسّامان : رسّام کی جمع یعنی لکھنے والا۔ مصوّر۔ نقّاش۔

رس کا خلل : گھوڑے کا ایک مرض ہے جس میں سموں سے پانی برسنے لگتا ہے۔

رستم کا سالا : زبردست۔ زور آور۔ شیخی باز۔ بڑے آدمی کی رشتے داری پر شیخی بگھارنے والا۔

رُستم : قبول صورت عورت جس میں کشش ہو اور جس پر جی بھر بھرائے۔

رکاب دار: وہ شخص جو عُمدہ عُمدہ کھانے اور ہر قسم کے مُربّے، اچار اور حلوے تیار کرتا ہے۔ باورچی۔ رکابیوں میں کھانا چُننے اور خوب صورتی سے لگانے والا۔ خانساماں۔

رمز: آنکھوں، بھوؤں یا ہونٹوں کا اشارہ۔ غمزہ۔ عشوہ۔ مغزِ سُخن۔ آوازہ توازہ۔

رمنا: چراگاہ۔ سبزہ زار۔ وہ جگہ جہاں جانوروں کی بہت آمد و رفت رہے۔ شکارگاہ

رنڈ: شہر پناہ یا قلعے کی دیوار کے وہ موکھے جو دشمن پر اندر سے بندوقیں چلانے کے واسطے بنے ہوتے ہیں۔

رنڈی: (اصل لفظ رانڈی تھا)۔ عورت۔ ناری۔ ایک بے تکلّفی کا کلمہ جو اکثر عورتیں باہم ایک دوسرے کو کہہ دیتی ہیں۔ ان معنوں میں اب یہ لفظ متروک ہے۔

رنگترا: سنگترا۔ سنترا۔ ایک قسم کی بڑی اور میٹھی نارنگی۔ (کہا جاتا ہے کہ یہ نام محمد شاہ رنگیلے کا رکھا ہوا ہے)

رنگ، ڈھنگ، سنگ: جواہر کی تین خوبیاں جن میں سے اگر ایک بھی کم ہو جائے تو اُس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔

روشنائی: تجلّی۔ نور۔ شُعاع۔ روزِ روشن۔

روشن چوکی: وہ چار آدمیوں کا گروہ جو دولھا یا بادشاہ کی سواری کے ساتھ نفیری، طبلہ، منجیرے بجاتے ہوئے چلتا اور نوشہ کے قریب رہتا ہے۔

رونڈ: سپاہیوں یا چوکی داروں کا رات کا گشت۔ Round کا ہند۔

رونگٹا میلا ہوتا: صدمہ پہنچنا۔ یہ زیادہ تر سلبی معنوں میں استعمال ہوتا

ہے یعنی رونگٹا میلا نہ ہونا۔

رُونمائی: وہ نقدی جو دولھا کے رشتے دار دلہن کا منھ دیکھ کر دیتے ہیں۔ منھ دکھائی۔

رُوئیں تن: اسفندیار کا لقب۔ کہتے ہیں کہ کسی صاحبِ کمال کی دعا سے یا کسی اور تدبیر سے اُس کے جسم پر کوئی حربہ اثر نہ کرتا تھا۔

زال: رستم پہلوان کے باپ کا نام۔ زال اُس بوڑھی عورت کا بھی نام ہے جس کے تنور سے طوفانِ نوح اُبلنا شروع ہوا تھا۔ بوڑھا۔ پیرِ فرتوت۔ بُڑھیا پھوس۔

زبان کا مزہ نکالنا: چٹورپن۔ مزے دار چیزوں کے کھانے کی عادت۔

زبان لال ہونا: زبان کا نہ کھلنا۔ گونگا ہونا۔ زیادہ کہنے سے عاجز ہونا۔

زخم آلے ہونا: زخم کا ہرا ہونا۔ پرانا رنج یاد آنا۔ زخم تازہ ہونا۔

زر برسرِ فولاد نہی نرم شود: روپیہ اگر فولاد پر رکھ دو تو وہ بھی نرم پڑ جائے۔ چاندی کا جوتا مارنا یعنی کسی بھی شخص پر احسانِ زر کر کے اُسے سرنگوں کیا جا سکتا ہے۔

زق زق، بق بق: بک بک۔ جھک جھک۔

زمہریر: جاڑے کی شدت۔ سخت جاڑا۔ کرۂ ہوا کا وہ طبقہ جو نہایت سرد ہے۔

زمین: غزل کی ردیف، قافیہ اور وزن یا بحر۔

زنبق: ایک طرح کا خوش بودار سفید پھول جو نرگس کی قسم کا دھتورے کے پھول سے مشابہ ہوتا ہے۔ شاعر معشوق کی ناک سے اسے تشبیہ دیتے ہیں۔ چمپا۔

زنگ: گھنٹی۔ عموماً اُس گھنٹی کو کہتے ہیں جو ناقے کے گلے میں پڑی ہوتی ہے۔

زور: عجیب اور شخص عجیب (برائے تعجب) قیامت۔ غضب (صفت) خوب۔ اچھا۔

زورق: چھوٹی کشتی۔

زہ: کلمہ تحسین۔ شاباش۔ کمان کا چلّہ۔ کنارہ۔

زیر انداز: وہ کپڑا یا چمڑا جو حقّے کے نیچے پانی وغیرہ سے حفاظت کے واسطے رکھتے ہیں۔

زیر بریانی: پلاؤ کی ایک قسم۔ ایک مشہور پلاؤ جو مختلف اجزا مثلاً پنیر، مچھلی، یا گوشت سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی مشہور اقسام زیر بریاں پنیر زیر بریاں روحی، زیر بریاں نورمحلی، زیر بریاں ماہی وغیرہ ہیں۔

ساچق: رسم حنابندی۔ بری۔ برات سے ایک روز قبل کی رسم جس میں دولھا کے یہاں سے کچھ گھڑے، مہندی، نُقل، مصری، میوہ، سہاگ پُڑا، پھُلیل، عطر اور دولھن کا جوڑا نہایت آرائش کے ساتھ عروس کے گھر بھیجا جاتا ہے۔

ساقن: بھنگیڑن۔ وہ بازاری عورت جو اوباش مردوں کو حقّہ اور بھنگ وغیرہ پلاتی ہے۔

ساقہ: لشکر کے پیچھے کی فوج جس کو چنداول کہتے ہیں۔

سالک: راہ رو۔ صوفیوں کی اصطلاح میں وہ شخص جو خدا کی زندگی بھی چاہے اور عقل معاش بھی رکھتا ہو)

سانپ کا من: سانپ کا دل جس کی نسبت مشہور ہے کہ سانپ جب بہت خوش ہوتا ہے تو رات کے وقت اُسے مُنہ سے نکال دیتا ہے اور وہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہے۔ اُس کی روشنی میں سانپ سیر کرتا پھر

ہے اور وہ من جس کے ہاتھ لگتا ہے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

سانپن: گھوڑے کی گردن کے بالوں کی جڑ کے قریب کی بھونری جو اصطلاح میں ناگ یا ناگن کہلاتی ہے اور بہت منحوس خیال کی جاتی ہے۔ یہ بھی گھوڑے کے عیوب میں داخل ہے۔

سانٹھ مار: ہاتھی لڑانے والا۔

سانڈنی سوار: وہ قاصد جو تیز رفتار اونٹنی یا اونٹ پر چڑھ کر خبر لے جائے۔ نامہ بر۔

سانگ: کھیل تماشا۔ فریب۔ کرتب۔ مضحکہ۔ ناچ۔

سائیں: خدا۔ خالق۔ درویش۔ عارف۔ خداشناس۔

سائیں بابا: کامل درویشوں کا لقب۔ پیر و مرشد برحق۔

سبز پوش: زاہد و پارسا۔ ماتمی۔

سبز قدم: منحوس اور نامبارک قدم۔ بدبخت۔ بھنڈ پیرا۔ وہ شخص جس کا آنا مبارک نہ ہو جس کے آنے سے تکلیف یا نقصان ہو۔

سپنج: سہ پنج۔ چند روزہ۔ عمر قلیل۔ مہمان۔

ستر عورتین: مرد یا عورت کے بدن کا وہ حصہ جس کو برہنہ کرنے میں شرم آتی ہے اور جس کا پردہ شرع نے واجب کیا ہے۔

سٹھنیاں: وہ گالیاں جو بیاہ میں سمدھنیں آپس میں ایک دوسرے کو دیتی ہیں۔ نیز وہ فحش بنائے ہوئے گیت جو شادی میں ڈومنیاں سمدھنوں کی طرف سے ایک دوسرے کی نسبت سناتی ہیں۔

سٹپٹک: تعجب سے چونک پڑنا۔ متفکر ہونا۔ غور و تامل کرنا۔

سٹپٹکنا: خوف کے مارے کسی کام کے لیے آمادہ ہونا۔

سراپردہ : بارگاہِ شاہی۔ خیمہ۔ وہ اونچی قنات جو خیمے کے گرداگرد بہ منزلہ چاردیواری کے لگا دیتے ہیں۔

سراسری : اس پار سے اُس پار۔ بتمام وکمال۔ از ابتدا تا انتہا۔ ایسا شکار جو تڑپ نہ سکے اور فوراً ٹھنڈا ہو جائے۔

سرپیچ : پگڑی۔ ایک قسم کا زیور جو پگڑی کے اوپر باندھتے ہیں۔

سرخیل : سرگروہ۔ سرغنہ۔ افسر۔

سر سے کھیلنا: جن و پری یا بھوت کے اثر سے سر کو جنبش دینا۔ سر پر بھوت آنا۔

سرطان فلک : آسمان کے چوتھے بُرج کا نام جو کیکڑے (خرچنگ) سے مشابہ ہے۔

سرفروکنندہ : سرنیچا کرنے والا۔ پست کرنے والا۔

سرکنڈا : سینٹھا۔ نرکل۔ نے۔

سفیہ : کم عقل۔ بے وقوف۔ سقرلاتی۔ بالوں سے بنا ہوا کپڑا جسے بانات بھی کہتے ہیں۔

سقراط: یونان کا مشہور زمانہ حکیم۔ یہ افلاطون جیسے عظیم فلسفی کا اُستاد تھا۔

سُکھپال : ایک قسم کی پالکی جس میں امیروں کی عورتیں سوار ہوتی ہیں۔ ڈولہ۔

سنّاٹا : وہ صدائے وحشت ناک جس کے سُننے سے انسان خائف و ترساں ہو۔ حیرت۔ خوف و دہشت۔

سنجاب : چوہے سے بڑے ایک جانور کا نام جس کی نرم و ملائم کھال کی پوستین بناتے ہیں۔

سنجاف : جھالر۔ کنارہ۔ چوڑی اور آڑی گوٹ۔ حاشیہ۔

سنڈا : مردِ زور آور۔ مضبوط جوان۔

سنکرن : میوہ فروش عورت۔ مالکانی۔

سنگ پشت : کچھوا۔
سنگوٹی : دھات کا بنا ہوا وہ خول جو خوب صورتی کے واسطے ہرن یا بیل کے سینگ پر چڑھا دیتے ہیں۔ بنا ہوا سینگ۔
سنیچر پاؤں پڑنا : بدنصیبی اور ادبار کا دور شروع ہونا۔ فلاکت اور نحوست میں آنا۔
سودا مول لینا : اپنے پیچھے عذاب لگانا۔ مصیبت خریدنا۔
سیے : ضد۔ ستو۔
سیف زبان : تیز زباں۔ وہ شخص جس کے کلام میں اثر اور بات میں تاثیر ہو۔ اعلا درجے کا شاعر۔
سوُت کی انٹی : تھوڑی سی بساط اور بڑے حوصلے۔ (حضرت یوسفؑ کو جب غلام کی حیثیت سے مصر میں فروخت کیا جا رہا تھا تو ایک مفلس بڑھیا نے انھیں سوُت کی انٹی کے عوض خریدنا چاہا تھا۔)
سوُرج جھنکار : ایک قسم کی توپ۔
سورۂ اخلاص : قل ہو اللہ کی سورت۔ اخلاص اردو میں محبت اور پیار و ارتباط کے معنی میں مستعمل ہے اس لیے عورتیں اس سورت کو محبت اور سہاگ کے واسطے مخصوص خیال کر کے نکاح کی ریت رسم میں دولھا سے آرسی مصحف کے وقت پڑھواتی ہیں۔
سوُفار : دہانِ تیر۔ تیر کی چٹکی۔ تیر کا پچھلا سرا۔ بغیر پھل کا تیر۔
سوئے : (سُوا) توتا۔
سہل انگاری : حیلہ جوئی۔ بہانہ سازی۔ تن آسانی۔ کاہلی۔
سیدالشہدا : شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کا لقب۔

سینگڑا: بارود رکھنے کا سینگ۔ سینگ کا باجا جسے منہ سے بگل کی طرح بجاتے ہیں۔

سینہ ریش: سینے پر زخم ڈالنے والا۔

شاطر: وہ شخص جو کسی پر بار نہ ہو۔

شامِ اودھ: اودھ (فیض آباد) کی شام کی چہل پہل۔

شامِ غریباں: مسافروں کی شام جو وحشت ناک اور مایوسی و تنہائی کا باعث ہوتی ہے۔ مصیبت کی شام۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را: غریبوں پر کرم کرنا امیروں سے بعید نہیں۔ بادشاہ اگر فقیر پر مہربانی کریں تو کیا تعجب؟

شب زندہ دار: رات بھر جاگ کر عبادتِ الٰہی کرنے والا۔

شبکور: وہ گھوڑا جس کو رات میں سیاہ اور سفید چیزیں تمیز نہ ہوں، یہ گھوڑے کا ایک عیب ہے۔

شحنہ: محافظ شہر۔ کوتوال۔

شُدہ شُدہ: ہوتے ہوتے۔ آہستہ آہستہ۔

شُست و شو: دھو کر صاف کرنا۔ نہانا دھونا۔

شطاح: بے حیا و بے غیرت عورت۔ حرّافہ۔ قحبہ۔

شطرنجی: ایک قسم کا سوتی اور دبیز فرش۔ مختلف رنگوں کے سوت کی دری۔

شعلۂ جوالہ: گرداگرد پھرنے والا شعلہ

شلک: بندوقوں یا توپوں کی باڑ جو سلامی یا کسی خوشی کے موقعے پر چھوڑی جائے۔

شلنگ: ایک مقام سے دوسرے مقام تک کودنا۔ جست۔ پھلانگ۔ دونوں قدموں کے بیچ کا فاصلہ۔

شمع کا چور: وہ رخنہ جو جلتے وقت شمع میں ایک طرف گھل جانے سے پڑ جاتا ہے

شملہ: عمامہ۔ پگڑی۔ ایک خاص قسم کی دستار
شہ بالا: دولھا کا بھائی یا کوئی دوسرا رشتہ دار جو دولھا کے پاس ہاتھی یا گھوڑے پر بیٹھ کر دلھن کے گھر جاتا ہے۔ اسے ہم دوش بھی کہتے ہیں۔
شُہدہ: ایک فرقہ ہے جو اکثر ننگے سر ننگے پاؤں رہتا ہے اور شادیوں میں عروس کا پلنگ اٹھاتا ہے۔ جب کسی مُردے کو دور لے جانا ہوتا ہے تو یہ کام بھی انھیں کے سپرد ہوتا ہے۔ یہ فرقہ گالی گلوج میں مشہور ہے۔ بدمعاش۔ لُچّا۔ اوباش۔
شہرِ سبا: یمن کے اس شہر کا نام جس کی بلقیس زوجہ حضرت سلیمان حاکم تھیں۔
شہ گام: گھوڑے کی تیز قسم کی چال۔ راہ وار قدم۔ تیز قدم۔
شہنا: نفیری۔ بانسری۔ شہنائی۔
شیر بچہ: ایک قسم کی چھوٹی توپ۔
شیرمال: عمدہ قسم کی میدے کی روغنی روٹی جسے تنور میں پکاتے وقت دودھ کا چھینٹا دیتے ہیں۔
شیشے میں اُتارنا: مسخّر کرنا۔ اپنی طرف رُجوع کرنا۔ قابو میں لانا۔
شیطان کے کان بہرے: یہ کلمہ ایسے محل پر بولتے ہیں جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی غمّاز نہ سُن لے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔ خدا کرے یہ خبر جھوٹی ہو۔
صحنک: جناب فاطمہ زہرا کی نیاز جو کورے طباق میں ہلکے بھُنے چاول، دہی اور گلگلوں پر دی جاتی ہے۔ اُسے صرف پاک دامن عورتیں چکھ سکتی ہیں۔
صراطِ مستقیم: سیدھا راستہ۔ راہِ راست۔
صلواتیں سُنانا: بُرا بھلا کہنا۔ گالیاں دینا۔
صُمٌّ بُکمٌ: گونگے بہرے۔
صوابدید: تجویز۔ نیک صلاح۔ مصلحت۔

طباشیرِ صبح: صبح صادق کی سفیدی۔
طبلۂ عطار: عطردان۔ وہ چھوٹا صندوقچہ جس میں عطریات رکھے جاتے ہیں۔
طرفۃ العین: پلک جھپکاتے میں۔ لمحہ بھر میں۔ ذرا سی دیر میں۔
طُعمہ: لقمہ۔ نوالہ۔
عاد: ایک قوم کا نام جس کے پیغمبر حضرت ہوؑد علیہ السّلام مقرر ہو کر آئے تھے۔ یہ قوم خدا کی نافرمانی کے باعث طوفانِ باد سے تباہ و برباد ہوئی۔
عاطر: پاکیزہ۔ نفیس۔
عبّاسی: ایک پودے کا نام جس کے پھول نیلاہٹ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔
عتبہ: چوکھٹ۔ آستانہ۔
عجوزہ: بڑھیا۔ عجوزہ میں ہائے ہوّز غلط ہے۔ اصل عجوز۔
عربدہ جُو: جنگ جو۔ فسادی۔
عرصہ تنگ ہونا: مصیبت میں مبتلا ہونا۔ عاجز ہونا۔ ناچار ہونا۔
عرصۂ شہود: میدانِ ظہور۔ جلوہ گاہ۔
عرض بیگی: وہ شخص جس کی وساطت سے بادشاہ کے حضور میں عرض، مطالب یا حاجات پیش کریں۔
عزم بالجزم: پکّا ارادہ۔ مصمّم قصد۔
عطرِ سہاگ: ایک قسم کا عطر جو شادی کے موقع پر کام آتا ہے۔
عقل کے طوطے اڑنا: عقل جاتی رہنا۔ حواس باختہ ہونا۔ گھبرا جانا۔
عقوبات (عقوبت): عذاب۔ سختی۔ سزا۔

علوی سفلی عمل: علوی عمل وہ ہوتا ہے جو آسمانی مؤکلوں یا اسمائے الٰہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اسی کو سحرِ بابلی بھی کہتے ہیں۔ سفلی عمل وہ ہے جس میں شیطان یا روحانیاتِ ارضی سے استعانت کی جائے۔

علی الدوام: ہمیشہ۔ ہمیشہ کے لیے۔

عِندالضرورت: ضرورت کے وقت۔ ضرورت سے۔

عوج بن عوق: ایک طویل القامت شخص کا نام۔ حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان جس میں بڑے بڑے پہاڑ اور اونچے اونچے درخت تک ڈوب گئے تھے وہ اُس کی کمر تک تھا۔ حضرت موسیٰ نے اُسے ہلاک کیا۔

عُودِ غرقی: اگر۔ ایک لکڑی کا نام جس کا دھواں خوشبو دیتا ہے۔ یہ لکڑی پانی میں ڈوب جاتی ہے اس لیے اس کو عُود غرقی کہتے ہیں۔

عیاذاً باللہ: خدا کی پناہ۔ میں خُدا سے پناہ مانگتا ہوں۔

عَیبیہ: وہ گھوڑا جس میں کسی قسم کا عیب ہو۔

غُل: طوقِ آہنی۔

غُلام گردش: حرم سرا اور دیوان خانے کے درمیان کی دیوار یا برآمدہ۔ پردے کی دیوار

فَرّ: دبدبہ۔ شان و شوکت۔

فراخور: شایستہ۔ مُناسب۔ لائق۔

فرشتہ کا دخل نہ ہونا: کسی کی بھی رسائی نہ ہونا۔ از حد بندی اور حفاظت۔

فرعونِ بے ساماں: وہ شخص جو بے مقدرت ہونے پر بھی اترائے اور سرکشی کرے۔

فرہاد کُش بڑھیا : وہ بوڑھی عورت جس نے شیریں کے محل سے گر کر مرنے کی جھوٹی خبر فرہاد کو پہنچائی تھی۔ جس کے سُنتے ہی فرہاد نے تیشہ مار کر خود کو ہلاک کر لیا تھا۔

فریدوں : ایران کے ایک عظیم بادشاہ کا نام جو ضحاک کو قتل کر کے آپ بادشاہ ہوا تھا۔

فصاحت : اصطلاح میں تراکیب غیر مانوس، الفاظ ثقیل و درشت و مُشکل سے کلام کا پاک و صاف ہونا

فغفور : چین کے ایک مشہور بادشاہ کا نام

فقیہ : علم فقہ کا فاضل۔ شرعی مسئلوں سے واقف۔

قاش زین : زین کا ہرنا۔ گھوڑے کے زین کے آگے اور پیچھے کے تکیے جو پھانک کی صورت کے ہوتے ہیں۔

قائم اللیل : رات کو نماز پڑھنے والا۔ عبادت کے لیے رات بھر جاگنے والا۔

قباد : نوشیروانِ عادل کے باپ کا نام۔ مجازاً بڑا بادشاہ۔

قربُور : پستول کا چرمی خانہ جو گھوڑے کی کاٹھی میں بنا ہوتا ہے۔ اس معنی میں مفرد لاتے ہیں اور قربوریں اس کی جمع لاتے ہیں۔

قِرانُ السّعدین : سعد ستاروں (مثلاً زہرہ و مشتری) کا ایک بُرج میں جمع ہونا۔

قربُوس : گھوڑے کے زین کے آگے کی بلندی۔ حنائے زین۔

قرمساق : پاجی۔ کمینہ۔ دیوث۔ عورتوں کا دلال۔

قلماقن : وہ عورت جو پانچوں ہتھیاروں سے لیس محلوں اور حرم سراؤں

میں چوکی پہرہ دیتی تھی اور شاہی احکام شہزادیوں تک پہنچاتی تھی۔

قُم باذنی : اشارہ ہے جناب عیسیٰ کے اس جملے کی طرف، جو آپ مسیحائی کے وقت زبان پر لاتے تھے یعنی قُم باذن اللہ (خداوند تعالیٰ کے حکم سے (جی) اٹھ۔)

کاجل ریل پیل : آنکھوں میں گہرا گہرا کاجل۔

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد۔ ہر چہ گیرید مختصر گیرید : دنیا کا کام کسی نے تمام نہیں کیا۔ جو کام ہاتھ میں لو مختصر لو۔

کاشانی مخمل : کاشان (ایران) میں تیار کی ہوئی ایک قسم کی عمدہ مخمل۔

کانون : انگیٹھی، آتش دان

کپٹی : دغاباز۔ بغض و کینہ رکھنے والا۔

کٹورا بجنا : شہر کا اس قدر آباد و معمور ہونا کہ اس میں سقے پانی پلانے کے واسطے جابجا کٹورا بجاتے اور کھڑکھڑاتے پھریں۔ رونق اور چہل پہل ہونا۔

کج بحثی : نامعقول گفتگو۔ تکرار بے نتیجہ۔

کُڈھب : بے ڈھب۔ بے موقع۔ بے طور۔

کردھنی : ایک قسم کی زنجیر جو کمر میں باندھی جاتی ہے۔

کڑکا : رجز۔ آوازہ۔ وہ آواز جو نقیب بادشاہ کی سواری کے آگے آگے لگاتے چلتے ہیں یا میدانِ جنگ میں بہادروں کو سناتے ہیں۔

کس نہ گوید کہ دوغِ من ترش است : اپنے دہی کو کوئی کھٹا نہیں کہتا۔

کسگر : مخفف ہے کاسہ گر کا۔ کمہار۔ مٹی کے برتن بنانے والا۔

کسنا : پلنگ کسنے کی ڈوری۔ سیج بند۔ بقچہ بند۔

کس نیاموخت علم تیر از من
که مرا عاقبت نشانہ نہ کرد:

جس نے ہم سے کچھ حاصل کیا، اُسی نے ہم پر ہاتھ صاف کیا۔ اپنے ہی زک دیتے ہیں۔

کسوف: سُورج گرہن۔ زمین اور سورج کے درمیان چاند کا آجانا۔

کلابتول: چاندی یا سونے کے تار چڑھا ہوا ڈورا۔ زر رشتہ۔

کلاونت: پیشہ ور گویا۔ کلاونت مُغنّی۔

کُلبہ: چھوٹا سا گھر جو تنگ و تاریک ہو۔ گوشہ۔ حُجرہ۔

کُلچہ: میدے، گھی اور دُودھ کی آمیزش سے تیار کی ہوئی خمیری روٹی جو تنُور میں پکائی جاتی ہے۔

کلمۂ شہادت: کلمۂ طیبہ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ چوں کہ اس میں صرف اللہ ہی کے معبود ہونے اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے اس لیے اس کو کلمۂ شہادت کہتے ہیں۔

کلنکن: رسوا اور ذلیل عورت

کلیش: درد۔ تکلیف۔ مصیبت۔

کمپا: لاسا لگی ہوئی چھڑی یا بانس جس سے پرندوں کو پکڑتے ہیں۔

کم خور: وہ گھوڑا جو قلیل خوراک ہو۔ یہ گھوڑے کا عیب مانا جاتا ہے۔

کمر اہی: گھوڑے کے ایک مرض کا نام جس میں گھوڑے کی کمر ماؤف ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے وہ چڑھائی پر مشکل سے چڑھ پاتا ہے۔

کمیں گاہ: گھات کی جگہ۔ وہ جگہ جہاں چھپ کر شکار یا دشمن کو ماریں۔

کنّا: وہ ڈور جو پتنگ میں کانپ اور ٹھڈّے کے مقام اتصال اور نیچے سے اوپر کی جانب یعنی پتنگ کے بیچوں بیچ میں باندھی جائے۔ پتنگ کا وہ حصّہ جب

میں ڈور باندھ کر اڑاتے ہیں۔ جوتی کے پنجے کا کنارہ۔

کناری: پانچ چھ انگل چوڑا گوٹہ جو عورتیں دوپٹوں وغیرہ میں لگاتی ہیں۔

کُنام: گھر۔ چراگاہ۔ گھونسلا۔

کُنجڑن: کاچھن۔ ترکاری بیچنے والی عورت۔

کنگنا: کپڑے کی وہ پوٹلی جس پر زردوزی کا کام بنا ہوتا ہے اور اس میں اسپند، گینڈے کی کھال، لوہے کا چھلا، سپاری اور ہلدی ہوتی ہے۔ اُسے دولھا کی داہنی کلائی میں اور دُلھن کی بائیں کلائی میں باندھا جاتا ہے۔ اس کو شادی کا ڈورا بھی کہتے ہیں۔

کنوتیاں بھرنا: گھوڑے کا دونوں کانوں کو کھڑا کرنا۔ چوکنا ہونا۔

کنویں جھانکنا: کسی کی تلاش یا جستجو میں سرگرداں ہونا۔

کوتل: وہ گھوڑا جس پر کوئی سوار نہ ہو مگر ساز و سامان سے آراستہ امیروں کے جلوس کے ہم راہ ہو۔

کوردہ: کم آباد اور چھوٹا گاؤں جسے کوئی نہ جانتا ہو۔ جاہلوں کی بستی۔

کورنمک: احسان فراموش۔ اپنے ولی نعمت سے بدی کرنے والا۔ ناشکرا۔

کوکلا: ہُدہُد۔ مُرغِ سلیمان۔ اُردو میں کوکلا بہ معنی کویل ہے۔

کول: لکڑی یا زمین کا سوراخ۔ خول۔

کونڈے بھرنا: کسی ولی یا بزرگ کے نام کی نیاز جو مٹی کے کونڈوں میں شیرینی بھر کر دلائی جائے۔

کھاجا: خوراک۔ غذا۔ شکار۔ ایک قسم کی پرت دار مٹھائی۔

کھاروا: ایک قسم کا موٹا سُرخ کپڑا جو اکثر پردوں، حجاموں، یا سقّوں کی لُنگیوں کے کام آتا ہے۔

کھِسیانا : محجوب ہونا۔ شرمندہ ہونا۔

کھجلا : ایک قسم کی مٹھائی جس میں کئی پرتیں ہوتی ہیں۔

کھڑا دونا : حضرت مولا مشکل کشا علی مرتضیٰؓ کی دست بہ دست نیاز۔ مولا مشکل کشا حضرت علیؓ کے نام کی نیاز جو مُراد پوری ہونے پر فوراً دلائی جائے اور کھڑے کھڑے کھائی جائے۔

کھڑ کھڑا : ایک قسم کی گاڑی جس میں بگھی کے گھوڑوں کو سدھاتے ہیں۔ اس کی آواز کی مناسبت سے اسے کھڑ کھڑا کہتے ہیں۔

کھڑ کھڑیا : ایک قسم کی پالکی۔

کھنڈل ڈالنا : پامال کرنا۔ اُلٹ پُلٹ کرنا۔

کھنڈری : فقیروں کا لباس جس میں پیوند لگے ہوں۔ ٹوٹا پھوٹا مکان۔

کھیر کھِلانا : شادی کی ایک رسم جس میں دولھا، دلھن کو پاس بٹھا کر کھیر کھلاتے ہیں۔

گات : محبوب کی خوش نمائی اور پھبن۔ چھاتی۔

گاڑا : گھات لگانے اور کمین گاہ میں بیٹھنے والا شخص۔ بندوق کی گولی۔

گاڑھا : دشواری۔ مصیبت۔

گاوِ زمی : قدیم عقائد کے مطابق وہ گائے جس کی پیٹھ پر زمین ٹھہری ہوئی ہے اور وہ خود ایک مچھلی پر کھڑی ہے۔

گت : ناچنے کا انداز۔ سولہ اعضا کی حرکت جو ناچتے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ سازوں کے بجانے کا طرز۔ رفتار۔ چال۔

گتی : ایک قسم کی چھوٹی پگڑی جو سپاہی باندھتے ہیں۔

گٹکری : وہ پیچدار آواز جو گویّوں کے گلے سے گانے کے وقت نکلتی ہے۔

گج گاہ : گائے کی دُم کے بالوں سے بنے ہوئے خوش نما پھندنے جو ہاتھی کی گردن میں سجاوٹ کے لیے لٹکاتے ہیں۔

گریہ کردن راہم دلِ خوش می باید : رونے کے لیے بھی دلِ خوش چاہیے۔

گُردنی : بالا پوشِ اسپ جو گردن سے لے کر پٹّھوں تک پڑا رہتا ہے۔

گزری : وہ مقام جہاں کسی راہ کے کنارے شام کو سودا بیچنے والے آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بازار۔ عوامی تلفّظ گدڑی۔

گزشتہ را صلواۃ : اُس جگہ بولتے ہیں جہاں کہنا ہو کہ گزری باتوں کا خیال نہ کرو، آیندہ کے لیے احتیاط رکھو۔

گزی گاڑھا : موٹا کم قیمت سوتی کپڑا۔

گُسترہ : مصدر گستردن (بچھانا) کا اسم مفعول بمعنی بچھا ہوا۔

گُسستہ : مصدر گسستن (ٹوٹنا) کا اسم مفعول بمعنی ٹوٹا ہوا۔

گُسیاں : سوامی۔ فقیر۔ جوگی۔

گلِ پیادہ : وہ پھول جس میں ساق ہو جیسے لالہ اور سوسن۔ سدا گلاب۔

گُلِ صد برگ : گلِ ہزارہ۔ گیندے کا پھول۔

گلڈانک : بُل ڈاگ (BULL DOG) کی بگڑی ہوئی شکل۔ ایک قسم کا خوں خوار کتّا۔

گُل گیر : وہ قینچی جس سے چراغ یا شمع کے گُل کترتے ہیں۔

گندہ : گاڑھا۔ موٹا۔ دبیز۔

گنڈہ : پٹّا جو گھوڑے کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ ایک قسم کا گھوڑے

کاسا ز. حلقہ. چار کوڑیاں یا چار پیسے.

گوٹا: چاندی سونے کے تاروں کی لیس (لچکا) جو ریشم کے بانے سے بُنی جاتی ہے.

گوکھرو: ایک زیور. لچکے یا منقیش کے بنے ہوئے تکونے کی مانند پھول جو اکثر عورتیں دوپٹوں وغیرہ میں ٹانکتی ہیں.

گوگرد سُرخ: سُرخ گندھک. کنایہ اکسیر سے ہے کیونکہ اکسیر کا جزو اعظم سُرخ گندھک ہے.

گولی بچا جانا: گولی کے نشانے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا.

گوں: لائق. پسند. خواہش. واسطہ

گونج: نتھ یا بالی کی نوک (سِرا) جو کج کر دی جاتی ہے

گونگے کا سپنا: وہ بات جسے آدمی دیکھے اور بیان نہ کر سکے.

گھڑیالی: گھنٹا بجانے والا. گھنٹالی.

گھر بسی: گھر والی. سُہاگن. بی بی.

گیانی: عالم. فاضل. پنڈت. عارف.

گیدی: بے وقوف. بے عزت. نامرد.

گیہان: جہان. دُنیا. زمانہ.

لات و منات: عرب کے اُن تین مشہور بتوں میں سے دو کے نام جن کی پرستش زمانۂ جاہلیت میں ہوتی تھی.

لاف و گزاف: شیخی. گپ. جھوٹ. خودستائی.

لاکھا: لاکھ کا سُرخ رنگ، جسے عورتیں اپنے ہونٹوں پر خوب صورتی کے لیے جما لیتی ہیں.

لٹکا: سحر۔ ٹوٹکا۔ عمل تسخیر۔

لٹورا: ایک پرندکا نام جو فاختہ سے چھوٹا ہوتا ہے اور گوریا کا شکار کرتا ہے

لجہ: دریا۔ بھنور۔ منجدھار۔

لخلخہ: چند خوش بوؤں کا مجموعہ جسے چکنی مٹی میں جذب کر کے تقویتِ دماغ کے لیے مریض کو سنگھاتے ہیں۔

لمبیاں بھرنا: گھوڑے کا نہایت تیزی سے اتنی دور نکل جانا کہ دکھائی نہ دے۔ پرندوں کا بلند ہو کے نظروں سے غائب ہو جانا۔

لولیِ فلک: زہرہ۔ ناہید۔ ایک مشہور سعد ستارہ۔

لونا چماری: بنگالے کی ایک مشہور جادوگرنی کا نام۔

لہنا: فائدہ۔ قسمت۔ نصیب۔ ساجھا۔ حصّہ۔

مارگزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد: سانپ کا کاٹا بل دار رسّی سے ڈرتا ہے۔

مالاینحل: بہت مشکل اور ادق مسئلہ جو حل ہونے کے قابل نہ ہو۔

مانجھا: شادی کی ایک رسم جس میں نکاح سے چند دن پہلے دُلہن کو نہلا دُھلا کے زرد جوڑا پہنا دیا جاتا ہے اور اُس کا باہر نکلنا بجز خاص ضرورتوں کے موقوف ہو جاتا ہے۔ اس روز دُلہن کا جھوٹا اُبٹن، مہندی، بینڈیاں، زرد جوڑا، لوٹا کٹورا اور چوکی ایک جلوس کی شکل میں دولھا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔ وہاں دلہن کی چھوٹی بہنیں اور سہیلیاں دولھا کو بینڈی اور مصری وغیرہ کھلاتی ہیں اور ہاتھ میں کنگنا باندھتی ہیں۔

مانجھا دینا: پتنگ کی ڈور پر باریک پسے ہوئے شیشے، تج اور گیرو وغیرہ کو پکے ہوئے چاولوں میں ملا کے پھیرنا تاکہ اس میں تیزی اور بُرّانی آجائے۔

مانجھا سوتنا۔

مانس (मनुष्य) آدمی۔

ماہی مراتب : وہ اعزازی نشان جو سیاروں کی شکل کے ہوتے ہیں اور بادشاہوں کی سواری کے آگے ہاتھیوں پر چلا کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے (۱) ہیکلِ آفتاب یعنی سورج کا نشان (۲) نشانِ پنجہ (۳) نشانِ میزان (۴) اژدہا پیکر (۵) سورج مکھی (۶) مچھلی (۷) گولا یا کرہ۔

مبدأ : شروع کرنے والا۔ پیدا کرنے والا۔ مراد ذاتِ حق تعالیٰ سے۔ اصل۔ بنیاد۔ سرچشمہ۔

متدین : دیں دار۔ مومن۔

مٹھ : ہندو فقیروں کی جھونپڑی۔ کُٹی۔ منڈھی۔

مٹھا : وہ گھوڑا جو سست رفتار ہو۔

مجتہد : اہلِ تشیع کا عالم و فاضل۔ پیشوائے مذہب۔ جدوجہد کرنے والا۔

مجرا : رنڈی کا رقص۔ ادب کے ساتھ کسی کو سلام کرنا۔ رقاصوں اور مطربوں کا محفلوں میں گانا۔

مُجوّز : اصرار کرنا۔ مُصر ہونا۔

مجیرا : پیتل کی بنی ہوئی وہ چھوٹی چھوٹی کٹوریاں جو طبلے کے ساتھ تال دینے کے واسطے دونوں ہاتھوں سے بجاتے ہیں۔

مُچھندر : بڑی بڑی موچھوں والا۔ بدوضع آدمی۔

مچھے : گوشت کے وہ بڑے بڑے ٹکڑے جن میں ہڈی نہ ہو۔

مچھوہی : ایک قسم کی باریک ململ۔

مُخبرِ صادق : کنایہ حضرت رسول اللہ صلعم سے۔ لغوی معنی سچا خبر

دینے والا

مدار یا حُقّہ : ایک قسم کا چھوٹا حُقّہ جو اکثر درویشوں کے پاس ہوتا ہے۔

سڑسڑی

مربھُکّی : وہ عورت جو کھانے سے سیر نہ ہو۔ حواصل۔

مرزائی : صدری۔ نیم جامہ۔ آدھی یا پوری آستینوں کی کُرتی۔

مرافعہ : نظرِ ثانی۔ استغاثہ۔ اپیل۔

مرز بوم : محلِ سکونت۔ جائے پیدائش۔

مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ : مالک کی مرضی سب سے بہتر ہے۔ ہر امر میں خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔

مرغولہ : پیچ دار۔ خم دار۔ ایک قسم کا تماشا۔ گویّوں کی ایک خاص آواز جسے کٹکری کہتے ہیں۔

مرگِ انبوہ جشنے دارد : انبوہ کے مرنے میں بھی ایک لُطف ہے۔ دوسروں کی مُصیبت دیکھ کر رنج کم ہوجاتا ہے۔

مرگ چھالا : ہرن کی کھال جس میں بال بھی ہوتے ہیں۔ فقیر اس پر بیٹھتے یا سوتے ہیں۔

مستول : کشتی۔ بادبان۔

مستولی : غالب۔ زور آور۔ قابض۔

مُشتری : خریدار۔ گاہک۔ ایک ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے۔ یہ ستارہ جب لگن یا چندر ماں سے بارھویں گھر میں آتا ہے تو آدمی سخت آفات و مُشکلات کا شکار رہتا ہے۔

مُشتے نمونہ از خروارے : مثل ایک گون میں سے مُٹھی بھر تھوڑے

سے نمونے سے کُل چیز کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

مشروع : ایک قسم کا سوُت ملا ہوا ریشمی عمدہ کپڑا جو شرعاً مرد کو بھی پہننا جائز ہے اور اس پر نماز ہو سکتی ہے۔

مُشکل کُشا : مُشکل حل کرنے والا۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب۔

معاذاللہ : خدا بچائے۔ توبہ۔ پناہ

معقُول : علمِ حکمت و فلسفہ۔ علمِ منطق۔ منقُول کا نقیض۔

مُغلانی : حرم سرا میں رہنے والی مُلازمہ۔ درزن۔

مُقدّمہ : مسئلہ۔ واقعہ۔ دعوا۔ فریاد۔ تمہید۔ ماجرا۔ بات۔

مکلّف : پُر تکلّف۔ سجا ہوا۔

مگھئی : مگھا (مگدھ) کی طرف منسوب جو ایک مقام کا نام ہے جہاں کا پان بہت مشہور رہا ہے۔

من آنم کہ خوب می دانم : میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ یعنی تعریف کے جواب میں اپنی عاجزی ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ (اصل: من آنم کہ من دانم)

منجنیق : گوپیا۔ فلاخن۔ کمان کی شکل کا ایک آلہ ہوتا ہے جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر قلعے کو توڑنے کے لیے پھینکتے ہیں۔

منجھولی : ایک قسم کی چھوٹی بہلی (بیل گاڑی) جو خوش وضع اور ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔

مُنڈاسا : پگڑی۔ دستار۔ صافہ۔

منڈھی : وہ چھوٹا سا گنبد نما مکان جس میں جوگی رہتے ہیں۔ مڑھی۔ کٹی۔

منقول : وہ علم جس میں صرف ان باتوں سے بحث ہو جو دوسروں نے بیان کی ہیں۔ معقول کا نقیض

من مانتے : خاطر خواہ۔ دل کے موافق۔

مہندی : رسم حنابندی جو برات سے ایک روز پیشتر عمل میں آتی ہے۔ اس تقریب میں دولہا کی بہنیں اور رشتے دار گوندھی ہوئی مہندی خوان میں رکھ کے اور اس میں شمعیں لگا کر کچھ دوسرے سامان کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے دلھن کے مکان پر جاتی ہیں۔

مُنھ زور : شریر گھوڑا جو منھ میں لگام ہونے کے باوجود زور کرے اور بھاگ جانا چاہے۔ یہ بھی گھوڑے کا ایک عیب ہے۔

منہیات : منہی کی جمع۔ وہ افعال جن کا کرنا خلاف شرع ہے۔

موکھڑا : اس غدود کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے پچھلے پاؤں میں نمودار ہو جاتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے۔ اس مرض کا نام جس میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بڑھ جاتی ہے۔

موم کی ناک : متلوّن مزاج۔ غیر مستقل مزاج۔ وہ شخص جو ہر کس و ناکس کے کہنے میں آجائے۔

مونڈنا : چیلا بنانا۔ مُرید کرنا۔ ہدایت کرنا۔

موہن بھوگ : ایک قسم کی عمدہ مٹھائی۔ ایک قسم کا آم۔

مہک پری : ایک قسم کا عطر جس کی ایجاد کا سہرا سُرور نے نصیرالدین حیدر بادشاہ کے سر باندھا ہے

مہنت : جوگی۔ درویش۔ تکیہ دار۔

مہوبا : ضلع ہمیر پور میں ایک تحصیل کا نام جہاں کا پان بہت مشہور ہے۔

میانہ : ایک قسم کی زنانی سواری۔ پالکی، سکھپال۔
میر شکار : وہ شاہی ملازم جس کے متعلق شکاری جانوروں کی نگرانی ہو۔
مینجنا : مینجنا۔ ملنا۔ نچوڑنا۔ مالیدہ کرنا۔ مَسلا ہوا، ملا ہوا۔
نادِ علی : ایک دعا ہے جس کا تعویذ حفاظت کے لیے بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں۔
نافرجام : بدانجام۔ بداصل۔
نافرمان : ایک قسم کا لالہ۔ ایک قسم کا اودا پھول۔
ناگن : گھوڑے کی گردن کے بالوں کی بھونری جو منحوس خیال کی جاتی ہے۔ یہ بھی گھوڑے کا ایک عیب ہے۔
ناگوری : ایک قسم کا جوتا۔ قصبہ ناگور علاقہ اجمیر کا بیل جو قدآور اور بہت موٹا تازہ بڑے بڑے سینگوں والا ہوتا ہے۔
نالکی : ایک قسم کی کھلی سواری جس میں امرا کی عورتیں سوار ہوتی ہیں۔
نان آبی : [دیکھیے آبی]
نانک مَتی : ایک خاص قسم کی توپ۔
نانِ نعمت : ایک عمدہ قسم کی روٹی۔ کنایۃً بڑی اور لذیذ نعمت۔
نجف : نجف اشرف عراق میں ایک مشہور مقام کا نام ہے جہاں مرقد مشکل کشا حضرت علی مرتضیٰ ہے۔
نخچول : ہاتھی کی نستعلیق چال۔ ہموار چال والا۔
نرت کار : وہ لوگ جن کا پیشہ ناچنا گانا ہو۔
نرسنگا : بھونپو۔ بگل۔

زنکار : غیر مجسّم۔ مجازاً اللہ تعالیٰ۔
نس کٹّا : خواجہ سرا۔ ہیجڑا۔
نُصرت آمود : فتح و ظفر سے بھرا ہوا۔
نظری : نظر سے گرایا ہوا۔ خیالی۔ قیاسی۔
نعمت غیر مُترقبہ : وہ دولت جس کے حصول کا گمان نہ ہو۔
نفسِ امّارہ : انسان کی وہ خواہش جو بُرائی کی طرف مائل کرے۔
نقل : ایک قسم کے لڈو جو دولھا کی طرف سے ساچق (بری) میں بھیجے جاتے ہیں۔
نقیضین : تثنیہ نقیض۔ دو ایسی چیزیں جو ایک دوسرے کے برعکس ہوں۔
نگوڑی : کم بخت۔ نالائق۔ محتاج۔ عورتوں کا تکیہ کلام۔ بعض اوقات عورتیں نہایت بے تکلفی اور اخلاص کے موقعے پر بھی یہ لفظ زبان پر لاتی ہیں۔
نمش : دودھ کا جھاگ جس میں مصری یا شکر ملائی گئی ہو۔ فارسی میں یہ نمشک ہے۔ اسے دولت کی چاٹ بھی کہتے ہیں۔
نواب ناظر : ناظر وہ خواجہ سرا جو اپنے مالک کی زنانہ ڈیوڑھی کا مہتمم ہوتا تھا۔ محل سرا میں آنے جانے کے لیے اس کی اجازت ضروری ہوتی تھی۔
نوبات : شادی کی ایک رسم نکاح کے دن مصری کی نوڈلیاں۔ جو دلہن کے مختلف اعضا یعنی مونڈھوں، کہنیوں، گھٹنیوں، پیٹھ اور ہاتھ پر رکھ کر عین ریت رسم کے وقت دولھا کے منھ سے بغیر ہاتھ لگائے چُنواتے یعنی کھلواتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں نوباتیں چُنوانا کہتے ہیں۔ یہ ایک فرماں برداری کا امتحان اور ٹوٹکا خیال کیا جاتا ہے۔ اس میں دولھا کو عورتیں خوب ڈھکاتی

اور حیران کرتی ہیں۔

نوش : نوشیدن کا امر - پی -

نوشا نوش : پے در پے پینا (شراب وغیرہ کا)

نوک جھوک : شوخی - تیکھا پن - چھیڑ چھاڑ -

نہاری : ایک قسم کا شوربے دار سالن جو رات بھر پکتا ہے اور صبح کو کلچے یا خمیری روٹی سے کھایا جاتا ہے -

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد : تمام عورت مرد ایک طرح کے نہیں ہوتے -

نیک اندر بد : اچھوں کے یہاں برے - نیک اندر بد - بد اندر نیک - اچھوں کے یہاں برے اور بروں کے یہاں اچھے کی جگہ بولتے ہیں۔

نیکی برباد گناہ لازم : جب بھلائی کے بدلے میں برائی حاصل ہوتی ہے تو اس موقعے پر یہ محاورہ بولتے ہیں۔ یعنی نیکی کے بدلے الٹی برائی پلّے بندھنا۔

نیکی کا بدلہ بدی : احسان مند ہونے کے بجائے جو نیکی کرے اس سے بدی کرنا -

واہی بکنا : بے ہودہ اور لغو باتیں بکنا - بے معنی باتیں کہنا

وائے برحال گرفتاریِ ما : ہماری گرفتاری کے حال پر افسوس ہے۔ اظہارِ تأسف۔

وداد : محبت - اتحاد - دوستی -

ورطہ : بھنور - گرداب - ہلاکت کا مقام -

وصلی : خوش نویسوں کے مشق کرنے کا دہرا کاغذ -

ہاروت و ماروت : یہ دو فرشتوں کے نام ہیں جو دنیا میں آ کے

ایک طوائف زہرہ پر مائل ہو گئے تھے اور اُسے آسمان پر جانے کا عُلوی علم بتا دیا۔ وہ زہرہ تو سیارہ بن گئی اور اُن کو یہ سزا ملی کہ وہ قیامت تک چاہِ بابل میں اُلٹے لٹکتے رہیں گے۔ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس کنوئیں کی جگت پر جاتا ہے یہ اُسے جادو سکھاتے ہیں۔

ہامون: جنگل۔ بیابان۔ میدان۔

ہمتی: دوست۔ آشنا۔

ہڈوانا: گھوڑے کے پچھلے پاؤں کے گھٹنوں میں جوڑ کے پاس ایک ہڈی نکل آتی ہے۔ اسے اصطلاح میں ہڈّا کہتے ہیں۔ اس سے گھوڑا لنگ کرنے لگتا ہے۔ اگر اسی مقام پر غدود میں ورم پیدا ہو جائے یا غُدود بڑھ جائے تو اسے موترا یا موتھرا کہتے ہیں۔

ہر: وِشنو۔ مہادیو۔ مجازاً خدا تعالیٰ۔ ہر ہر۔ مہادیو جی کا بھجن۔ خدا کا نام لینا۔

ہر چہ از دوست می رسد نیکو ست: دوست سے جو کچھ ملے اچھا ہے۔ عموماً کسی دوست کی بدسلوکی کے موقعے پر استعمال کرتے ہیں۔

ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے: ہر روز عید نہیں ہے کہ کوئی حلوا کھایا کرے۔ ہمیشہ زمانہ یک ساں نہیں رہتا۔ روز روز اچھا موقع نہیں ملتا۔

ہر فرعونے راموسیٰ: (مثل) ایک پر ایک غالب ہے۔ ہر ظالم کی سرکوبی کے لیے کوئی نیک بندہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ہرنا: زین کا اگلا اُٹھا ہوا حصّہ۔ کاٹھی کا اگلا ابھرا ہوا حصّہ۔ زین کوہہ۔

ہفت ہزاری: شاہانِ مُغلیہ کی طرف سے ایک بہت بڑے منصب کا نام۔ ہفت ہزاری سے یہ مراد نہیں کہ سات ہزار کسی شخص کی تنخواہ ہو۔ یہ مخض

اعلیٰ منصب تھا اور اس سے امیر کبیر مُراد لیتے ہیں۔

ہم خرما و ہم ثواب: چھوہارے بھی اور ثواب بھی۔ وہ کام جس میں لذّت ہو اور کارِ خیر بھی۔

ہِندی کی چِندی: نکتہ چینی۔ بال کی کھال نکالنا۔

ہنومان: شری رام چندر جی کے دُوت اور سپہ سالار کا نام جنھوں نے سیتا جی کی بازیابی میں رام چندر جی کی مدد کی تھی۔ لغوی معنی نیست و نابود کرنے والا۔

ہوادار: امیروں کی ایک خاص قسم کی سواری جسے کہار اُٹھاتے ہیں۔ تام جھام۔

ہوائی: باریک کترا ہوا بادام یا پستہ جو قند کے شربت یا کھیر کے اوپر چھڑکتے ہیں۔ ایک قسم کی آتش بازی۔ بان۔

ہوٹ: ایک قسم کی چھوٹی توپ جو غبارے کے مانند ہوتی ہے۔

ہُو کا مکان: سُنسان ویران مکان۔

ہُو ہُو: وہی دہی۔

ہیجا: جنگ و جدال۔ لڑائی۔

ہیچ میرز: بے حقیقت جس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو۔ ناچیز۔ جو کسی قابل نہ ہو۔

ہیزم: جلانے کی سوکھی لکڑی۔ ایندھن۔

ہیئت کذائی: موجودہ حالت۔ صُورتِ حال۔ جیسی کہ حالت ہے۔ عموماً بُری ہیئت مراد لیتے ہیں۔

یاقوتی: ایک قسم کی عمدہ خورش جو نشاستے میں کھانڈ اور زعفران ڈال

کے کھیر کی طرح پکاتے ہیں۔ ایک قسم کی مقوی معجون جس کا جزوِ اعظم یاقوت ہے۔

یراق : ہتھیار۔ اسلحۂ جنگ۔

یرغہ : تیز رو گھوڑا۔

یساول : قاصد۔ نقیب۔ چوب دار۔

یشب : جواہرات کی قسم سے ایک قیمتی پتھر جو مائل بہ سبزی ہوتا ہے۔

یک نہ شد دو شد : ایک نہ ہوا دو ہوئے۔ ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت۔ ایک بلا تو تھی ہی، دوسری اور پیچھے پڑی۔

یکہ تاز : وہ بہادر اور جری جو اکیلا ہی حریف کے مقابلے پر نکل آئے۔ جو سوار گھوڑا دوڑانے میں بے مثل ہو۔

فہرستِ ماخذ

۱۔ اَلفُرقَان : مترجمہ مولانا فرمان علی [مطبعِ نظامی، لکھنؤ]

۲۔ آثارِ جعفریہ : سید اولاد حیدر فوق بلگرامی [دہلی ۱۹۲۲ء]

۳۔ احوالِ علمائے فرنگی محل : شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی [مجتبائی پریس، لکھنؤ]

۴۔ اردوئے معلیٰ (مکاتیبِ غالب) حصہ دوم [آگرہ ۱۹۱۴ء]

۵۔ اغصان الاربعہ : مولانا ولی اللہ [مطبع کارنامہ، فرنگی محل، لکھنؤ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء]

۶۔ انتخابِ کلامِ مصحفی : مرتبۂ عبدالستار دلوی [خواجہ پریس دہلی ۱۹۶۰ء]

۷۔ انتخابِ مثنویاتِ میر : مرتبۂ شاہ محمد سلیمان [الٰہ آباد ۱۹۳۰ء]

۸۔ انشائے سرور : مکاتیبِ مرزا رجب علی بیگ سرور۔ مرتبۂ مرزا احمد علی [لکھنؤ ۱۹۱۶ء]

۹۔ انوارالرحمٰن : مولوی محمد نوراللہ [لکھنؤ ۱۹۰۳ء]

۱۰۔ ائمۂ ہُدیٰ : سید عبدالغفار افغانی [قاہرہ، مصر]

۱۱۔ ایجادِ اکبری : (رسالہ پیرائی) مرزا اکبر حسین پیراک [تصویرِ عالم پریس لکھنؤ]

۱۲۔ باغ و بہار : میر امّن دہلوی [کراچی ۱۹۵۸ء]

۱۳۔ بحرالفصاحت : محمد نجم الغنی رامپوری [لکھنؤ ۱۹۲۶ء]

۱۴۔ بیگماتِ اودھ : شیخ تصدق حسین ایڈوکیٹ [لکھنؤ ۱۹۵۶ء]

۱۵۔ تاریخِ احمدی : احمد حسین خاں تعلقدار پریاواں [لکھنؤ ۱۹۲۰ء]

۱۶۔ تاریخِ ادبِ اُردو : رام بابو سکسینہ، مترجمہ مرزا محمد عسکری [لکھنؤ ۱۹۳۸ء]

۱۷۔ تاریخِ اودھ : محمد نجم الغنی رامپوری : حصہ ۱ تا ۵ [لکھنؤ ۱۹۱۹ء]

۱۸۔ تاریخِ اودھ موسوم بہ احسن التواریخ : رام سہائے تمنّا [مطبع تمنّائی لکھنؤ

۱۹۔ تاریخِ اودھ قیصر التواریخ : سید کمال الدین حیدر [لکھنؤ ۱۸۹۶ء]

۲۰۔ تاریخِ اودھ موسوم بہ نادر العصر : منشی نولکشور [لکھنؤ ۱۸۶۳ء]

۲۱۔ تاریخِ ائمہ : مولانا سید علی حیدر [اصلاح پریس کھجوا سارن، بہار ۱۳۵۶ھ]

۲۲۔ تاریخِ لکھنؤ : مولانا سید آغا مہدی [کراچی ۱۹۷۶ء]

۲۳۔ تاریخِ ہندوستان : مولوی ذکاء اللہ [علی گڑھ ۱۹۱۶ء]

۲۴۔ تحفۃ العالم : میر عبد اللطیف خاں موسوی [حیدرآباد ۱۲۹۴ھ]

۲۵۔ تذکرہ ابن امین اللہ طوفاں : مرتبہ قاضی عبد الودود [پٹنہ ۱۹۵۴ء]

۲۶۔ تذکرہ اولیائے ہند (حصہ دوم) مرزا محمد اختر دہلوی [میور پریس دہلی]

۲۷۔ تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلماء : مولانا محمد حسین نوگانوی [جید برقی پریس دہلی]

۲۸۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا : سعادت خاں ناصر (قلمی) [لکھنؤ یونیورسٹی]

۲۹۔ تذکرہ دیوان جہاں : بینی نرائن جہاں مرتبہ کلیم الدین احمد [پٹنہ ۱۹۵۹ء]

۳۰۔ تذکرہ ریاض الفصحاء، مصحفی : مرتبہ ڈاکٹر عبد الحق [دہلی ۱۹۳۴ء]

۳۱۔ تذکرہ سخنِ شعرا : عبد الغفور نساخ [لکھنؤ ۱۲۹۱ھ]

۳۲۔ تذکرہ سفینۂ خوشگو : بندرابن داس خوشگو : مرتبہ عطا کاکوی [پٹنہ ۱۹۵۸ء]

۳۳۔ تذکرۂ شعرائے اردو (میر حسن) مرتبۂ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی [علی گڑھ ۱۹۲۲ء]

۳۴۔ تذکرۂ صبح گلشن: سید حسن علی خاں بہادر [بھوپال ۱۲۹۵ھ]

۳۵۔ تذکرۂ علمائے فرنگی محل: مولوی محمد عنایت اللہ [لکھنؤ]

۳۶۔ تذکرۂ عمدۂ منتخبہ: اعظم الدولہ سرور مرتبۂ خواجہ احمد فاروقی [بمبئی ۱۹۶۱ء]

۳۷۔ تذکرۂ گلستان بے خزاں قطب الدین باطن [لکھنؤ ۱۲۹۱ھ]

۳۸۔ تذکرۂ گلشن بے خار: نواب مصطفٰے خاں شیفتہ [لکھنؤ ۱۸۷۴ء]

۳۹۔ تذکرۂ گلشن ہند: مرزا علی لطف مرتبۂ مولانا شبلی نعمانی [لاہور ۱۹۰۶ء]

۴۰۔ تذکرۂ گلشن ہند: حیدر بخش حیدری مرتبۂ مختار الدین احمد [دہلی ۱۹۶۷ء]

۴۱۔ تذکرۂ مجموعۂ نغز: حکیم قدرت اللہ قاسم مرتبۂ حافظ محمود شیرانی [لاہور ۱۹۳۳ء]

۴۲۔ تذکرۂ ہندی: مصحفی۔ مرتبۂ ڈاکٹر عبدالحق [دہلی ۱۹۳۳ء]

۴۳۔ تذکرۂ یادگار شعرا۔ مرتبۂ طفیل احمد [الٰہ آباد ۱۹۴۳ء]

۴۴۔ تعبیر، تشریح تنقید: ڈاکٹر مسیح الزماں [الٰہ آباد ۱۹۵۵ء]

۴۵۔ تلخیص تذکرہ سراپا سخن: میر محسن علی مرتبۂ سید سلیمان حسین [لکھنؤ ۱۹۶۷ء]

۴۶۔ تقویم ہجری و عیسوی: مرتبۂ ابوالنصر محمد خالدی [دہلی ۱۹۷۷ء]

۴۷۔ ثمرات الانظار، بحوالہ "شاہان اودھ کا علمی ذوق"۔ (مقالہ) پروفیسر سید مسعود حسن رضوی مشمولہ نذر ذاکر۔

۴۸۔ جواہر سخن: مرتبۂ محمد مبین کیفی چریاکوٹی [الٰہ آباد ۱۹۳۹ء]

۴۹۔ دیوان احمد (مخزن آلام) محمد احمد خاں [لکھنؤ ۱۸۹۰ء]

۵۰۔ دیوانِ آتش لکھنوی [لکھنؤ ۱۲۶۳ھ]

۵۱۔ دیوانِ افسوس: میر شیر علی افسوس مرتبہ سید ظہیر احسن [پٹنہ ۱۹۶۱ء]

۵۲۔ دیوانِ برق: محمد رضا برق لکھنوی [مطبع سلطانی لکھنؤ ۱۲۶۹ھ]

۵۳۔ دیوانِ بقا: شیخ بقا اللہ بقا۔ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی [دہلی ۱۹۶۶ء]

۵۴۔ دیوانِ قائم: قائم چاند پوری مرتبہ خورشید الاسلام [دہلی ۱۹۶۳ء]

۵۵۔ دیوانِ گویا: فقیر محمد خاں گویا لکھنوی [لکھنؤ ۱۲۸۰ھ]

۵۶۔ دیوانِ منیر لکھنوی (قلمی) کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ]

۵۷۔ دیوانِ ناسخ۔ ناسخ لکھنوی [لکھنؤ ۱۲۶۵ھ]

۵۸۔ دیوانِ ہوش لکھنوی: (قلمی) نسخہ راقم الحروف۔

۵۹۔ رانی کیتکی کی کہانی از انشا: مرتبہ سید سلیمان حسین [لکھنؤ ۱۹۷۵ء]

۶۰۔ رجب علی بیگ سرور۔ حیات اور کارنامے: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
[الہ آباد ۱۹۶۷ء]

۶۱۔ رقعاتِ قتیل: قتیل لکھنوی [مطبع سلطانی لکھنؤ ۱۲۶۷ھ]

۶۲۔ سبعِ مثانی: مرتبہ سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی [لکھنؤ ۱۳۴۹ھ].

۶۳۔ شررِ سلطانی: ترجمہ شمشیر خانی از رجب علی بیگ سرور [مطبع سلطانی
لکھنؤ]

۶۴۔ سرورشِ سخن: سید فخر الدین حسین سخن دہلوی [کانپور ۱۲۹۱ھ]

۶۵۔ سوانحاتِ سلاطینِ اودھ: سید کمال الدین حیدر [لکھنؤ ۱۸۷۹ء]

۶۶۔ سودا: شیخ چاند۔ [حیدر آباد ۱۹۳۶ء]

۶۷۔ شبستانِ سرور (ترجمہ الف لیلیٰ): مرزا رجب علی بیگ سرور [لکھنؤ
۱۳۰۳ھ]

۶۸. شعر العجم: مولانا شبلی نعمانی [اعظم گڑھ ۱۳۷۰ھ]

۶۹. شعر العجم فی الہند: اکرام الحق [اشرف پریس، لاہور ۱۹۶۱ء]

۷۰. صحیفۂ خوشنویساں: احترام الدین شاغل [علی گڑھ ۱۹۶۳ء]

۷۱. فاطمۂ زہرا کی سوانح عمری: مظفر علی خاں [الہ آباد ۱۹۶۸ء]

۷۲. فرہنگِ آصفیہ: سید احمد دہلوی۔ جلد ۱ تا ۴۔ [دہلی ۱۹۷۴ء]

۷۳. فرہنگِ آنندراج: منشی محمد پادشاہ [لکھنؤ ۱۸۹۲ء]

۷۴. فرہنگِ اثر: جعفر علی خاں اثر لکھنوی [لکھنؤ ۱۹۶۱ء]

۷۵. فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں (جلد اوّل) ظفر الرحمٰن [دہلی ۱۹۳۹ء]

۷۶. فسانۂ عبرت: مرزا رجب علی بیگ سرور [لکھنؤ ۱۹۵۷ء]

۷۷. فسانۂ عجائب: مرزا رجب علی بیگ سرور [لکھنؤ ۱۲۵۹ھ]

۷۸. " " " [لکھنؤ ۱۲۶۲ھ]

۷۹. " " " [لکھنؤ ۱۲۶۷ھ]

۸۰. " " " [کانپور ۱۲۶۷ھ]

۸۱. " " " [کانپور ۱۲۷۶ھ]

۸۲. " " " [لکھنؤ ۱۲۷۶ھ]

۸۳. " " " [لکھنؤ ۱۲۸۳ھ]

۸۴. " " مرتبہ مخمور اکبرآبادی [الہ آباد ۱۹۶۲ء]

۸۵. " مرتبہ اطہر پرویز [الہ آباد ۱۹۶۹ء]

۸۶. کربل کتھا: فضلی۔ مرتبہ مختار الدین احمد و مالک رام [ادارہ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ ۱۹۶۵ء]

۸۷۔ کلامِ انشاؔ : مرتبۂ مرزا محمد عسکری [الہ آباد ۱۹۵۲ء]
۸۸۔ کلیاتِ جرأتؔ : (جلد اوّل) مرتبۂ اقتدا حسن [مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۸ء]
۸۹۔ کلیاتِ سوداؔ : مرتبۂ آسی لکھنوی [لکھنؤ ۱۹۳۲ء]
۹۰۔ کلیاتِ میرؔ : میر تقی میر [لکھنؤ ۱۹۴۱ء]
۹۱۔ کلیاتِ میر سوز دہلوی۔ [شایع کردہ شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۹۶۳ء]
۹۲۔ کلیاتِ میر علی اوسط رشکؔ لکھنوی [لکھنؤ ۱۲۶۳ھ]
۹۳۔ گلدستۂ مودودی : شریف الحسن مودودی [مطبع اشاعت العلوم، فرنگی محل، لکھنؤ]
۹۴۔ گزشتہ لکھنؤ : عبدالحلیم شررؔ [لکھنؤ ۱۹۶۵ء]
۹۵۔ گنجِ خوبی : میر امّن دہلوی [بمبئی ۱۹۶۶ء]
۹۶۔ لغاتِ کشوری : سید تصدق حسین [لکھنؤ ۱۹۲۰ء]
۹۷۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری : ابواللیث صدیقی [لکھنؤ ۱۹۷۵ء]
۹۸۔ لکھنؤ کے چند نامور شعرا (جلد اوّل) سید سلیمان حسین [لکھنؤ ۱۹۷۳ء]
۹۹۔ مثنویاتِ میر حسن۔ میر حسن دہلوی [لکھنؤ ۱۹۴۵ء]
۱۰۰۔ مرقعِ خسروی (قلمی) محمد عظمت نامی کاکوروی [لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ]
۱۰۱۔ مشکوٰۃ شریف : مترجمہ مولانا سید نائب حسین [لاہور ۱۳۸۳ھ]
۱۰۲۔ معارف النغمات : راجہ محمد نواب علی خاں [ادبی پریس، لکھنؤ]
۱۰۳۔ معاون الشعرا : محمد منیر لکھنوی [کانپور ۱۹۳۳ء]
۱۰۴۔ منثورات : برجموہن دتاتریہ کیفی [دہلی ۱۹۴۰ء]

۱۰۵۔ میر تقی میر: حیات اور شاعری، خواجہ احمد فاروقی [دہلی ۱۹۵۴ء]

۱۰۶۔ نادراتِ شاہی: مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی [رام پور ۱۹۴۴ء]

۱۰۷۔ ناسخ، تجزیہ و تنقید: ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نونہروی [لکھنؤ ۱۹۷۵ء]

۱۰۸۔ نور اللغات (حصہ ۱ تا ۴) نور الحسن نیر کاکوروی [لکھنؤ]

۱۰۹۔ نو طرز مرصع: بتحسین۔ مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی [الہ آباد ۱۹۵۸ء]

۱۱۰۔ واقعاتِ اظفری: شاہزادہ محمد ظہیر الدین اظفری۔ مترجمہ ڈاکٹر عبد الستار صدیقی۔

۱۱۱۔ ہفت تماشا: قتیل لکھنوی۔ مترجمہ ڈاکٹر محمد عمر [مکتبہ برہان دہلی ۱۹۶۸ء]

۱۱۲۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر: ڈاکٹر محمد عمر [دہلی ۱۹۷۵ء]

رسائل:

۱۱۳۔ ۱۱۵۔ آج کل دہلی: جولائی ۱۹۶۲ء۔ اپریل ۱۹۶۶ء۔ مئی ۱۹۶۷ء

۱۱۶۔ ادیب الہ آباد: جون ۱۹۱۳ء

۱۱۷۔ تحریر دہلی: جنوری ـــ مارچ ۱۹۶۷ء

۱۱۸۔ ۱۱۹۔ زمانہ کانپور۔ جنوری ۱۹۲۵ء۔ جولائی ۱۹۲۶ء

۱۲۰۔ معاصر پٹنہ حصہ ۱۸۔

۱۲۱۔ ۱۲۳۔ نیا دور لکھنؤ: جنوری ۱۹۵۸ء۔ اکتوبر ۱۹۶۳۔ جنوری ۱۹۶۶ء

English Books.

124 A Dictionary:— Hindustani & English

By:- Duncan Forbes.
London - 1866.

۱۲۵- A New Hindustani-English Dictionary.
By:- S.W. Fallon.
Banaras.

۱۲۶- Ghaziuddin Hyder - The First King of Oudh
By:-? Ph.D. Thesis (Unpublished)
Tagore Library, Lucknow University.

۱۲۷- Life at the Medieval Court of Oudh.
By:- Ikramuddin Qidwai
Ph.D. Thesis (Unpublished)
Tagore Library, Lucknow University.

۱۲۸- The Lucknow Album.
By:- Darogha Abbas Ali
Lucknow-1894.

۱۲۹- Lucknow Past & present.
By:- Dr. Ikramuddin Qidwai
Lucknow-1951.

۱۳۰- The Lucknow Guide.
By:- Sheikh Tassaduq Husain.
Lucknow-1936.